مفاهيم ينبغي أن تُصحَّح

قضاء وقدر

مفہومات
چند تصحیح طلب

عبادت

لا الہ الا اللہ

تالیف
محمد قطب

اردو استفادہ
حامد کمال الدین

دنیا و آخرت

تعمیر ارض

بسم الله الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفاهيم ينبغي أن تُصحَّح

چند تصحیح طلب مفہومات

تالیف

محمد قطب

اردو استفادہ

حامد کمال الدین

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مطبوعات ایقاظ

پوسٹ بکس نمبر: 10262 لاہور

+92-323-4031624

+92-42-35941459

matbooateeqaz@gmail.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

چند تصحیح طلب مفہومات

عربی تالیف

مفاهيم ينبغي أن تُصحَّح

مولفہ .... محمد قطب

مترجم .... حامد کمال الدین

mudeereeqaz@gmail.com

سرورق .... ضیاء الرحمٰن

ناشر .... مطبوعات ایقاظ

طبع اول .... ربیع الثانی 1435ھ فروری 2014ء

قیمت ....

کتاب سرائے

ڈسٹری بیوٹر

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، پاکستان

فون: 042 37320318 فیکس: 042 37239884

برائے رابطہ

مطبوعات ایقاظ

پوسٹ بکس نمبر: 10262 لاہور

+92-323-4031624 +92-42-35941459

www.eeqaz.com matbooateeqaz@gmail.com

عقیدہ کی عمومی تفہیم پر اس سے پہلے اچھی اچھی کتب موجود ہیں۔ محمد قطب کی یہ تصنیف اسلامی تصور کے اُن خاص گوشوں کا بیان ہے جو ''انحطاط'' کی گرد تلے دب گئے تھے یا ''انحراف'' کی نذر ہو گئے تھے۔ احیائی عمل کی اس خاص ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب عرب کے کئی تحریکی حلقوں میں نصاب کا درجہ رکھتی ہے۔

آج مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دین سے دور ہے پھر بھی مصنف کے نزدیک عالم اسلام کا اصل بحران یہ نہیں۔ اصل بحران یہ ہے کہ دین پر پایا جانے والا ایک بڑا طبقہ آج جس چیز کو دین سمجھتا ہے اور جس کے فروغ کے لیے کوشاں ہے وہ اسلام کی کوئی درست تصویر نہیں۔ یہ ہرگز وہ چیز نہیں جو نظریات کی اس جنگ میں ہمارا ساتھ دے اور زمین میں مسلمان کا کھویا ہوا کردار بحال کروا سکے۔ لہذا جب تک دین کی یہ مسخ شدہ تصویر ہی درست نہ کر لی جائے، تب تک یہاں کسی حقیقی احیاء کی امید نہ رکھنی چاہئے۔

فہرست

عرضِ مترجم	"تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا"	9
مقدمہ	**چند تصحیح طلب مفہومات:**	19
فصل اول	**لا الہ الا اللہ**	29
	مسئلہ لاالٰہ الا اللہ پر اس قدر زور؟...	29
	مابین"ایمان"... و" ارجاء"...	33
	"شہادت"نہ کہ محض'اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب'!	47
	مرجئہ گمراہی: "لا اِلٰہ پر ایمان" کا مطلب: بس اقرار اور تصدیق!	65
	مرجئہ کے دلائل!	84
	مرجئہ جدید کے ہاتھوں مفہومِ لاالٰہ کا مسخ...	104
	"لاالٰہ الااللہ"کو بےجان کرنے والے کچھ دیگر عوامل...	118
	ہمارا انحطاط: مطالباتِ لاالٰہ کو نظرانداز کرنے کا براہِ راست نتیجہ...	120
	استعمار... اور حقائقِ لاالٰہ الااللہ کا مسخ...	123
	ہمارا مسئلہ 'تکفیر وعدم تکفیر' سے بڑا ہے...	125
	لاالہ الااللہ... اور صورتِ موجودہ...	130
	حدیث میں مذکورہ قلبی مجاہدہ... اور ارجائی فکر...	136
	نکلنے کی راہ... یہی لاالٰہ الا اللہ...	138
	سوالات برائے اعادہ / جائزہ / سٹڈی سرکل...	162
فصل دوم	**عبادت**	167
	عبادت کا مفہوم جس بری طرح سکیڑ دیا گیا...	167
	'شعائرِ عبادت'... عبادت کی روح ہے، "کل عبادت" نہیں...	170
	یہ ہے "عبادت" جو کتاب اور سنت میں وارد ہوئی...	181
	عبادت 'نماز' سے نہیں "توحید" سے شروع ہوتی ہے...	188
	"عبادت" کی کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹتی چلی گئیں...	193
	یہ تھا سلف کا "خدا کی عبادت" کرنا...	198
	"عبادت"، سلف اور ہم... 'تو ثابت وہ سیارا'!	206
	یہاں تک کہ اَخلاق بھی "عبادت" نہ رہا!	210
	اور آخر... شعائرِ عبادت سے بھی "عبادت" کو نکال دیا گیا!	223

ہمارا یہ تصورِ عبادت... آخر اس سے حاصل کیا ہوگا؟... 243
سوالات برائے اعادہ / جائزہ / سٹڈی سرکل... 250

فصل سوم **قضاء و قدر** **253**

عقیدہ قضاء وقدر... ایک عظیم قوتِ فاعلہ... 253
قضا و قدر کا مطلب... ہم اپنے قصوروں سے بریء الذمہ؟!................ 258
خدا کی مشیئت... تو 'اسباب' کی ضرورت؟!... 260
حالات کو بدل ڈالنے کی کوشش... 'تقدیر پر اعتراض'؟!... 263
عقیدہ قضا و قدر... اور مذاہب کی اِفراط و تفریط... 268
قضاء وقدر... ایمان اور فاعلیت، نہ کہ ایک کلامی مبحث... 281
سوالات برائے اعادہ / جائزہ / سٹڈی سرکل... 285

فصل چہارم **دنیا و آخرت** **288**

"دنیا" و "آخرت"... کیا دو متصادم خط ہیں؟... 288
"دنیا کی مذمت"... کس معنیٰ میں؟... 298
ترکِ دنیا... اور 'صوفی' رجحانات... 309
"دنیا" و "آخرت" کے مابین بُعد... چند دیگر عوامل... 340
سوالات برائے اعادہ / جائزہ / سٹڈی سرکل... 343

فصل پنجم **تہذیب و تعمیرِ ارض** **347**

تمدن...: "ہدایت یافتہ انسان" کی اجتماعی سرگرمی... 347
مسلمان... "تہذیب" کا صورت گر... 352
تعیشات... تہذیب نہیں بلکہ تہذیب کا گھن ہے... 365
زمین کا فساد... تہذیب کا مرکز جب "مسلمان" نہ رہا... 368
سوالات برائے اعادہ / جائزہ / سٹڈی سرکل... 375

خاتمہ **"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا"** **378**

کتاب کے اردو استفادہ میں... ہر فصل کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا ہے، جس سے کتاب کے مباحث مزید واضح ہو جاتے ہیں۔ نیز ہر فصل کے آخر میں سوالات کا اضافہ کیا گیا ہے، جس سے مقصد تحریکی طلبہ وطالبات کیلئے اعادہ، امتحانی جائزہ اور سٹڈی سرکلز ایسے مقاصد کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔

سہ ماہی **ایقاظ** لاہور

شجرِ سلف سے پیوستہ
فضائے عہد سے وابستہ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کے لیے

- ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں
- ولاء اور براء... جو کہ مسلم شخصیت کی پہنچان ہیں...
- امت کی سطح پر وحدت اور اخوت جو ''جماعۃ المسلمین'' (مسلمانوں کے ایک ہونے) کی بنیاد بنے۔
- تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیب اور اخلاق کی افزودگی، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، تعلیم... باطل (شرک، ابتداع، فسق اور انحراف) کے جملہ مظاہر کا رد، جاہلیت سے دوبدوئی... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ترین ابواب ہیں...
- انسانی رشتوں کی حرمت، مظلوم کی نصرت، محروم کی فریادرسی اور اعلی قدروں کی ترویج... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کے لیے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک مستند اور متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کر دینا ہے اور ہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی و جہادی و سماجی عمل کو فکری و ثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کر دینا۔
- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کر دینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی۔
- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی و دعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ جماعت کو زندہ و بحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہو جانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کر کے ایک نئے سرے سے متحد و صف آرا ہوں گی اور اتحاد و یکجہتی کے وقتی و سطحی و غیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

● زرِاشتراک: 400 روپے سالانہ ● پوسٹ بکس نمبر: 10262 لاہور ● 03234031624 ●

'تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا'!

عام تصور یہ ہے کہ مسلم زندگی کا زوال انیسویں صدی میں یہاں چڑھ آنے والی استعماری آندھیوں کا نتیجہ ہے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ "مسلمان" کا زوال، استعمار کے آنے تک، اپنے بیشتر مراحل سر کر چکا تھا۔ ہمیں زیر کرنے کی 'حتمی کارروائی' بے شک یورپ کی اِس یلغار کے ہاتھوں ہوئی، مگر خود ہمارا وجود بڑے عرصے سے اِس قابل نہ رہ گیا تھا کہ یہ طوفانوں سے الجھ سکے۔ کوئی گھن تھا جو بہت پہلے ہمارے اِس وجود کو کھوکھلا کرنے لگا تھا؛ اور معاملہ از خود "زوال" کی طرف بڑھتا آرہا تھا۔ براعظموں پر پھیلا یہ برگد پھر بھی صدیوں کھڑا رہا، یہ سچ ہے۔ مگر اِس کا ماند پڑتا سایہ اور پیلاہٹ کا شکار پتے اِس کی جڑوں میں سرایت کرچکی کسی خرابی کا پتہ ضرور دیتے رہے تھے۔ اِس کے یہ پریشان کن اشارے برابر چارہ گروں کو خبردار کرتے اور دردمندوں کو تشویش دلاتے آئے تھے۔ کوئی غم خوار ایسا نہ رہا جسے اِس کے مضمحل وجود نے بے چین نہ کیا ہو۔

چارہ گروں کی بڑی تعداد تب بھی بیرونی آندھیوں سے ہی اِس کا تحفظ کرنے میں لگی رہی اور اِس کے داخلی علاج کی جانب یکسوئی نہ پا سکی۔ (بیرونی آندھیاں کبھی بھی اِس پر حملہ آور ہونے سے نہیں رکیں؛ لہٰذا ان کے خلاف مزاحمت اٹھانے کی ضرورت امت کے یہاں کسی دور میں کم نہیں ہوئی)۔ برے سے برے حالات میں بھی دشمنانِ اسلام کے خلاف ہمارا جہاد نہیں رکا اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک کبھی رکنے والا ہے۔

بہت سوں نے اس شجر کی ماند پڑتی شادابی کی جانب ٹھیک ٹھیک توجہ دی۔ اس کی صحت کی بحالی کے لیے رات دن ایک کیا اور اس کو لگ چکا گھن دور کرنے کی کچھ نہایت قیمتی اور بروقت تدبیریں کیں۔ ان کے دم سے بہت بار معاملہ پٹڑی پر

واپس آیا... اور ''زندگی'' نے صدیوں کے لیے توسیع پائی۔ یہ اپنے اپنے دور کا صالح تجدیدی عمل تھا۔

تاہم اکثریت نے اس گھن کا علاج "عمل" کی خوراکیں بڑھانے میں دیکھا! گو اِس طریقۂ علاج سے بھی ایک گونہ افاقہ ہو جاتا رہا؛ جو کہ چارہ گر کے لیے باعثِ فریب بھی ثابت ہوتا! وہ اپنے طریقۂ علاج کو کارگر پا کر اسی خوراک کا اضافہ کرتے چلے جانے میں "اسلام کا احیاء" اور "عہدِ اسلاف کی بحالی" دیکھتا؛ اور اِسی پر اپنی توانائی صرف کر ڈالتا! تاہم آخری نتیجے میں in the long run یہ اصل علاج سے توجہ ہٹا دینے کا سبب بنتا۔ بھاری بھاری اعمال اِس دین کی طبیعت سے میل ہی نہیں کھاتے؛ اور یہ درحقیقت کوئی علاج نہ تھا۔

"اعمال" کی بابت ہر طبقہ یہاں پہلے سے کچھ ترجیحات رکھتا تھا۔ اب جب 'زیادہ اعمال' کرنے میں ہی مسلم زوال کا "حل" اور اپنے دیرینہ امراض کا "علاج" تجویز ہونے لگا تو طبعی بات تھی کہ یہاں "اصلاح" کے نسخے شمار سے باہر ہونے لگتے! یہ مکاتبِ فکر "اعمال" میں اپنی الگ الگ ترجیحات رکھنے کے حوالے سے ضرور "متعدد" ہوں گے بلکہ مسلم تاریخ میں کہیں کہیں "دست و گریباں" بھی نظر آئیں گے، لیکن اصلاح کا نسخہ "اعمال پر محنت" تجویز کرنے میں درحقیقت یہ ایک ہی طرزِ فکر ہے۔ "اعمال" ہمارے دین میں واقعتاً متنوع ہیں۔ زمانۂ سلف کی نمونہ شخصیات میں بھی، کہ جب بدعت کا شائبہ نہ تھا، ہمیں "اعمال" کا تنوع بدرجۂ اتم نظر آتا ہے۔ ہاں "اعمال" جس "حقیقت" سے پھوٹتے ہیں وہ سلف کے ہاں ایک متعین چیز ہے۔ اِس باب میں؛ سلف کا تمام دور اور تمام عمل ایک ہی حقیقت کا بیان ہے!

اصل چیز دین میں ''اعمال'' نہیں بلکہ وہ ''بنیاد'' ہے جس سے ''اعمال'' جنم لیتے ہیں۔ ''اعمال'' وہ شاخیں ہیں جن کو متنوع اور کثیر الجہت ہونا ہی ہوتا ہے، اصل چیز وہ جڑ ہے جو اِس پھیلاؤ کو سنبھالتی اور اِس کے وجود اور اس کی غذا کا منبع بنی رہتی ہے۔ نیز اس کی کثیر الجہت شاخوں کو ایک ''اکائی'' بنا کر رکھتی ہے.. اسی کو گھن لگ جانا ہمارے سماجی عمل کی اصل آفت ہے۔

چنانچہ حقیقی مصلحین کی توجہ ہر دور میں اسی ایک بات پر رہی: اعمال کو ان کی اصل سے بر آمد کروانا۔ اعمال کو ان کی جڑ سے پیوستہ کرانا۔ اور یوں اس کے "تنوع" میں اس کی "وحدت" کا رنگ بھرنا۔ ہاں یہ وہ محنت تھی جس کے نتیجے میں اس درخت کا ایک ایک پتہ اس کی "اصل" کا ذائقہ دینے لگتا۔ ہر ہر عمل اِس کی تہہ میں بولتی ''حقیقت'' کی خبر دیتا۔ یہ محنت وہ حقیقی فصل دیتی جس کے لیے زمین میں اول اول اِس شجر کی کاشت ہوئی تھی۔ اس کا ثمر تھوڑا بھی بہت ہوتا۔ اور دنیا کے کچھ بڑے روگوں کا علاج ہوتا۔

"اعمال" تو آج بھی عالم اسلام میں کچھ ایسے کم نہیں۔ "باعمل" لوگ بے شک یہاں تھوڑے ہیں اور یہ تو ہمیشہ ہی تھوڑے رہے ہیں، پھر بھی مسلم دنیا کی کایاپلٹ کے لیے ان کا عشرِ عشیر کافی ہے۔ حالات کا دھارا بدلنے کے لیے ہمیشہ ایک تھوڑی سی جمعیت ہی کافی رہی ہے۔ باقی لوگ تو فضاء اور ماحول کے پروردہ ہوتے ہیں۔ اکثریت کو ٹھیک کرنے کے لیے تو "فضاء" اور "ماحول" کو ہاتھ میں کیے بغیر چارہ نہیں؛ جو کہ ایک "صالح اقلیت"[1] کے میدان میں آنے کا خودبخود لازمی نتیجہ ہے؛ اور تاریخ میں بار بار ایسا ہوا ہے۔ پس "اعمال" تو جو اس وقت ہو رہے ہیں بہت ہیں۔ ان کا عشرِ عشیر بہت ہے۔ عشرِ عشیر کا عشرِ عشیر شاید بہت ہو۔ "باعمل" لوگ آج بھی اسلام کی ابتدائی ضرورت initial need سے زیادہ ہیں۔ بلکہ بہت زیادہ ہیں۔ اصل مسئلہ وہ "بنیاد" ہے جس سے "اعمال" جنم لیتے ہیں۔ اصل ناپید چیز یہاں وہ "صالح اقلیت" ہے جو حالات کا دھارا بدلنے کی صلاحیت سامنے لاتی اور ''اعمال'' کو وہ ''بنیاد'' دلواتی ہے جو ان کو دنیا اور آخرت ہر دو لحاظ سے "صالح"[2] بنائے۔ سب سے بڑھ کر سوچنے اور پریشان ہونے کی بات اور سب سے بڑھ کر سرگرم ہونے کا محاذ آج یہ ہے... جبکہ اس محاذ پر جتنے والے آج سب سے کم بلکہ نہ ہونے کے برابر!

'کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں'؟!

یہ "بنیاد" جس پر عمل کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے... "دین کے درست تصورات" ہیں۔ عمل سے بڑھ کر عمل کی وہ "روح" ہے جو اسے اسلام کا مطلوبہ عمل بنائے۔

عمل کی شاخیں یقیناً آسمان سے باتیں کریں گی مگر اس کی جڑیں عقیدے کی زمین میں بہت گہری لے جانا ہوتی ہیں۔

یہ بنیاد اٹھانے کی اصل صورت تو یہ ہے کہ "تلاوتِ آیات و تزکیہ" اور "تعلیمِ کتاب و حکمت" کا ایک باقاعدہ ماحول ہو جو یہاں دین کا مطلوبہ انسان پیدا کرے اور پھر ایسے انسان تیار ہو ہو کر معاشرے میں اتریں۔ کتابیں بہرحال یہ کام کر کے نہ دیں گی چاہے سونے کے پانی سے لکھ لی جائیں۔ "تصنیفات" کبھی "مربیوں" کا متبادل نہ بنیں گی۔ "لائبریریاں" کبھی "معلموں" کی جگہ نہ لے سکیں گی۔ پھر بھی کتابیں معلموں اور مربیوں کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری کرتی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ راہنمائی بھی "راستہ چلنے" سے کفایت نہیں کر سکتی؛ تاہم راستہ چلنے کا عمل "راہنمائی" سے مستغنی نہیں۔

اس "راہنمائی" کے باب سے البتہ ہم کہہ سکتے ہیں... یہاں پر مطلوبہ اصلاحی عمل کو جو بنیاد زیرِ نظر کتاب فراہم کر کے دے سکتی ہے، اسلامی تصویر کے کچھ نایاب ترین گوشوں کو جس انداز سے یہ کتاب سامنے لاتی ہے، وہ اِسی کا حصہ ہے۔ محمد قطب نے یہاں پر کچھ ایسے دل انگیز تار چھیڑے ہیں جو دردمند نفوس میں تو شاید ایک کھلبلی مچا دیں... البتہ فکری 'سٹیٹس کو' کے وابستگان کے ہاں کچھ تیوریاں چڑھانے کا باعث بنیں۔

وہ گھن جو اسلام کی بنیاد کو لگتا ہے تو پورا شجر سوکھنا شروع ہو جاتا ہے... اور جس کے بعد "اعمال" اور "اخلاق" اور "سیرت" اور "کردار" اور "سنتوں" وغیرہ پر کرائی جانے والی محنت بے سمت اور بے ثمر رہتی ہے بلکہ کچھ اور ہی قسم کا ثمر دینے لگتی ہے.. اور جس کے نتیجے میں "دینداروں" کا وجود دنیا کے کسی بحران کا حل ہونے کی بجائے بذاتِ خود ایک بحران ہو جاتا ہے[3]... اور جو کہ مسلم معاشروں کا زندہ المیہ ہے... محمد قطب کی یہ کتاب اس "گھن" کی نشاندہی اور پھر اس کا ازالہ کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔

*****

''مسلم زندگی'' کی بحالی اور ''اسلامی حقیقت'' کا احیاء اس کتاب کا بین السطور موضوع ہے۔ اس چیلنج کی مقامی و عالمی جہتیں سامنے نہ رہیں تو کتاب کے اکثر مباحث آپ کو ہوا میں معلق نظر آئیں گے...

مسلم نوجوان کو ''دین کی بنیادی حقیقتوں'' کا سبق پڑھانے کے دوران محمد قطب بڑی کامیابی کے ساتھ وہ تصویر بھی دکھاتے چلے جاتے ہیں کہ ''وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا''۔ اقبالؒ نے ''نوجواں مسلم'' کو اُس کے ماضی کی وہ دلکش تصویر اگر ''جذبے'' اور ''وجدان'' کی سطح پر دکھائی ہے[4] تو محمد قطب نے عین وہی تصویر ''مفہومات'' کی سطح پر دکھائی ہے۔ اقبال کا بیدار کیا ہوا نوجوان شاید بہت دیر سے متلاشی تھا کہ دین کے ''بنیادی حقائق'' کے معاملے میں بھی (کہ جس نے اِس تاریخی واقعے کو جنم دیا تھا) کوئی اِس کا ہاتھ پکڑ کر ''دورِ آبا'' کا ایک نظارہ کروالائے اور اِس کے وہ بہت سے تجسس دور کروادے کہ ''شتر بانوں کا گہوارا'' جو صدہا صد برس سے بانجھ چلا آتا ہے کیونکر چشم زدن میں ''تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری'' ہو ٹھہرتا ہے! ہمارے خیال میں، محمد قطب نے اِس نوجوان کی یہ ضرورت بہت اعلیٰ سطح پر جا کر پوری کی ہے۔ اسلام کو خود اپنی دنیا کا جیتا جاگتا واقعہ بنانے کے لیے پریشان یہ نوجوان شاید اپنی بہت سی ''گمشدہ چیزیں'' اکٹھی اِسی ایک کتاب میں پائے۔

*****

''اسلامی اِحیاء'' اپنی کچھ مقامی و عالمی جہتیں رکھتا ہے، جن کو نظر انداز کرنے سے اسلامی زندگی کی بحالی 'فلسفہ' نما چیز بنتی ہے یا 'مطالبات' اور 'آئینی بلوں' یا 'قانونی بحثوں' سے ملتی جلتی کوئی سرگرمی! یہاں سے؛ ہمارا حالیہ تحریکی وجہادی عمل اِس موضوع کے ساتھ آجڑتا ہے۔ یہی ''تبدیلی'' اور ''جہاد'' ہے جس کی اصلاح اور جس کی نصرت و آبیاری اِس تمام محنت سے ہمارا مقصود ہے۔

خود مؤلف کی تمام زندگی، جس کا ایک حصہ زندانوں کی نذر ہوا، اسی جدوجہد میں گزری...

مؤلف ساٹھ کے عشرے سے اپنا فکر انگیز قلم تھامے ہوئے ہے اور تب سے اسلام کے تحریکی عمل کے لیے صالح غذا مہیا کرنے میں لگا ہے۔ اس کی دیگر تحریرات بھی پڑھیں تو محسوس ہوتا ہے وہ بہت پہلے اندازہ کر چکا تھا کہ عالم اسلام کا یہ 'پوسٹ کالونیل' post-colonial عہد کس کروٹ بیٹھنے والا ہے اور ابھی وہ کونسے دشت اور دریا ہیں جنہیں عالم اسلام کو صبر، حوصلے اور بہادری کے ساتھ پار کرنا ہے۔ قاری دنگ رہ جاتا ہے کہ ساٹھ اور ستر کے عشرے میں بھی، کہ جب ہر طرف کمیونزم کی آندھیاں تھیں، محمد قطب کو کیوں افق پر ''صلیبی افواج'' نظر آتی ہیں! وہ ہمیں ایک بڑی جنگ کی گرد اٹھتی بار بار دکھاتا ہے۔ 'آزادیاں'، 'حکومتیں'، 'اقتدار'، 'منزلوں کا قریب آلگنا'، 'آئینی ودستوری اصلاحات'، 'پارلیمانی امیدیں'... ان سب اوہام پر وہ ایک درد بھرے شفقت آمیز انداز میں مسکرا دیتا ہے: ''ابھی کہاں''؟! 'تختے الٹنے'، 'پھٹے اکھیڑنے'، 'مار دھاڑ' کی راہ اختیار کرنے، کسی بھی 'فوری واقعے' سے 'طویل امید' ایسے نتائج کی توقعات وابستہ کر لینے... ایسے رویوں کو پدرانہ آموزش کے ساتھ ہوش اور پختگی سے بدلتا ہے اور صورتحال کی ایک بڑی تصویر بار بار سامنے لا کر رکھتا ہے۔ عمل پسند نوجوان کو ''معاشرے'' میں اترنے کے گر سکھاتا ہے۔ دشمن کے ایسے ایسے بے رحم نشتروں سے خبردار کرتا ہے جو شاید اس نوجوان کے وہم وگمان میں نہ ہوں۔

*****

وقت آچکا ہے کہ ہم 'آزادی' اور 'مابعد استعمار' کے فریب سے باہر آئیں۔ اپنی صفیں از سر نو ترتیب دیں۔ ان رکاوٹوں کا صحیح صحیح اندازہ کریں جو ہمارے راستے میں کھڑی کر رکھی گئی ہیں۔ اِس جنگ کو، جو کہ واضح جنگ ہے اور ہر ہر سطح پر ہو رہی ہے، اس کی تمام تر جہتوں کے ساتھ دیکھیں۔ اپنے ہتھیاروں کا تعین کریں جو ہمیں یہاں ہر ہر محاذ پر درکار ہیں اور جو کہ بے حد متنوع ہیں۔ امت کو اٹھانے کے لیے وہ ''بنیادیں'' سامنے لے کر آئیں جو یہاں درکار احیائی وجہادی عمل کے لیے انفراسٹرکچر کا کام دے۔ اسلام کی لمبی چوڑی تفصیلات کی بجائے (کہ جس کا وقت

''ماحول'' پر حاوی ہو جانے کے بعد ہی آسکتا ہے) ''اساسیات'' پر ہی فی الحال امت کا پورا زور صرف کروادیں اور اسی محنت کو مطلوبہ تبدیلی کی بنیاد بنائیں۔

شاید یہی وہ چیز ہے جس کا کرب ہمیں اسامہ بن لادنؒ کی آخری تقریر میں نظر آتا ہے اور وہ امت کو محمد قطب کی اِس کتاب کی جانب خصوصی توجہ دلاتا ہے[5]۔ ملت کا یہ سربکف مجاہد جسے تمام عمر کفار اور منافقین کی دسیسہ کاریوں کا سامنا رہا اپنی طویل جہادی زندگی کا نچوڑ اسی بات میں بیان کرتا ہے کہ ہمارا ہر انقلاب چرایا جاتا رہا، ہماری ہر قربانی پر گھات لگتی رہی، ہماری ہر امید پر پانی پھر جاتا رہا، ہم پر روا رکھے جانے والے ہر ظلم، ہر استحصال اور ہر واردات کی راہ ہموار ہوتی رہی، اور اس ظلم کی راہ روکنے والا امت کا ہر حقیقی ہمدرد امت سے کاٹ کر رکھ دیا جاتا رہا... تو وہ ہمارے "عامۃ الناس" کے اسلام، خصوصاً اسلام کے رکن اول "لا الہ الا اللہ" سے ناواقف رہنے کی بدولت۔ پس جب تک امت کو اسلام کی اساسیات سے از سر نو نہ جوڑا جائے گا اور کفر کی حقیقت سے از سر نو خبردار نہ کیا جائے گا تب تک امت کو نہ صرف اس کے ایمانی بلکہ مادی استحصال سے بھی تحفظ نہ دلایا جاسکے گا۔

یہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جس نے ملتِ کفر کے ساتھ مڈھ بھیڑ کی تلخیاں عمل اور اقدام کی بلندیوں پر جا کر دیکھی ہیں۔

ایسی ہی دلدوز آہیں ہمیں سلطان عبد الحمید کے ہاں سنائی دی تھیں۔ یہ اس سے ٹھیک ایک سو سال پہلے گزرنے والی ایک شخصیت ہے جس کی تمام زندگی کفار و منافقین کے ساتھ اپنی امت کی جنگ کو ایک نہایت شدید اور پیچیدہ سطح پر لڑنے میں گزری۔ اُس کو بھی امت کی جہالت اور بے بسی کاٹ گئی۔ وہ امت کہ جس کے ''خلیفہ کی رخصتی'' اور بالآخر ''خلافت کا خاتمہ'' بھی اس کے لیے 'ریڈیو کی ایک خبر' تھی!

امت کو شعور دینا... پیچیدہ فلسفوں اور بھاری فرائض واعمال کی بجائے دین کی اساسیات پر اس کو جوتنا اور اسی پر یکسو رکھنا، خصوصاً اسلام کے فرضِ اول لا الہ الا اللہ پر اس کا علم اور ایمان پختہ کرانا... "ملتوں کا فرق" نمایاں سے نمایاں تر کرنا... نبی ﷺ کے مرتبہ اور منصب کو یہاں کا سب سے بڑا آئین ٹھہرانا... دوستی اور

دشمنی کے پیمانے بحال رکھنا... "عبادت" اور "تعمیرِ ارض" کے مفہومات درست کروانا... اور دینداری کے نام پر دنیا کے ہنگاموں سے "فرار" کی بجائے دنیا کو "آخرت کی کھیتی" بنانے پر محنت کروانا... ہماری تعمیر نو درحقیقت یہاں شروع ہوتی ہے! امت کے سب منصوبوں کے اندر جان یہیں سے پڑے گی، ان شاء اللہ۔

حامد کمال الدین

حواشی:

1 محمد قطب کی اصطلاح میں اس کا نام ''بنیادی جمعیت'' ہے۔ اس سے متعلقہ کچھ اہم مباحث مؤلف کی کتاب کیف ندعو الناس (اردو ترجمہ ''دعوت کا منہج کیا ہو'') میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں اس مغالطے کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کسی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنے کے لیے وہاں انسانوں کے ٹھٹھ ملنا ضروری ہے۔ حق یہ ہے کہ نظریے (ہماری اصطلاح میں ''عقیدے'') اور عمل کی قوت سے ڈھلی ہوئی ایک مٹھی بھر جمعیت بھی اس مقصد کے حصول کے لیے ابتداءً initially کافی ہوتی ہے۔ ہاں جہاں تک معاشرے کے ''عام آدمی'' سے ''صالح'' ہونے کی توقع کرنے کا تعلق ہے تو وہ حقیقت پسندی نہیں جب تک کہ وہاں ماحول کو ہی اپنا مطلوبہ رخ نہ دے لیا جائے۔ جب تک عوام کو پڑھانے سکھانے کا عمل انجام نہ دے لیا جائے تب تک عوام کو کوسنا بھی زیادتی شمار ہوتا ہے۔ اِس مبحث کی تفصیل کے لیے دیکھئے ہمارا مضمون: ''اصلاحِ فرد کے لیے پریشان طبقوں کی خدمت میں''۔

2 ہمارے یہاں "عملِ صالح" کا مطلب "نیک عمل" کیا جاتا ہے جو کسی حد تک صحیح ہوگا مگر یہ اس لفظ کا پورا مضمون شاید ادا نہیں کرتا۔ عربی میں کہا جاتا ہے: هٰذا الشیء لا یصلح لکذا یعنی "یہ چیز فلاں معاملے کے لیے فٹ نہیں ہے"۔ "صالح" کا مطلب: "درست" اس معنیٰ میں کہ اس سے جو غایت مقصود ہو وہ اسکو پورا کرنے والا ہو۔ "صلاح" کا مطلب "کارآمد ہونا"۔ ایک چیز کا "خراب نہ ہونا" (بہ مقابلہ "فساد" یا "فاسد" یعنی ناکارہ ہونا، بگڑ جانا، اپنے مقصود کو ادا کرنے کی حالت پر نہ رہنا)۔ جدید عربی میں بھی، جس دستاویز کی میعاد ابھی باقی ہو اس کو "صالح لمدۃِ کذا" کہا جاتا ہے۔ پس صالح کے معنیٰ ہوئے:

valid & eligible & fittest & good for the purpose it was meant for

یہاں اس وضاحت کا مقصد ہمارے ایک بنیادی مضمون کا بیان ہے: قرآنی اصطلاح ''عملِ صالح'' کا مطلب مروجہ معنوں میں 'مذہبی اعمال' نہیں بلکہ ایسا ''عمل'' ہے جو فرد اور جماعت کی زندگی میں شرائع کی مطلوبہ کسی غایت کو ادا کرنے والا ہو۔ اِس ''غایت'' پوری کرنے کا تعلق دنیا سے بھی ہوگا اور آخرت سے بھی۔ قرآن میں انسان کے لیے ''صالح'' یا ''صالحین'' کا جو لفظ آیا اس کے حوالے سے بھی مروجہ معنوں میں 'مذہبی' یا 'نیک' آدمی لینا شاید کچھ مغالطوں کا موجب رہے۔ ''صالح انسان'' کا مطلب ہوگا: شرائع کی نظر سے کارآمد انسان (ذاتی و اجتماعی اور دنیوی و اخروی ہر پہلو سے)۔ عین اُس وضع پر پایا جانے والا انسان جس کی خاطر اس مخلوق کی تخلیق ہوئی۔

[3] "دینی اعمال" اور "دینی طبقوں" کا اتنی بڑی تعداد میں پایا جانا جب دنیا کے کسی مسئلے کا حل نظر نہیں آتا تو پھر دو انتہائیں وجود میں آتی ہیں:

1. ایک بڑا طبقہ ''دین'' میں حل ڈھونڈنا ہی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد کی جانب رخ کرتا ہے۔ یہاں سے وہ فساد جنم لیتا ہے جس سے بڑھ کر زمین میں کوئی فتنہ نہیں۔ صالحین کو قرآن میں ایک دعاء سکھائی گئی ہے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ''خدایا ہمیں ظالموں کے لیے فتنہ نہ بنا دیجئو''۔ صالحین کا ظالمین کے لیے فتنہ بننا؟؟؟ اسکی بے شمار صورتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہو سکتی ہے جو اوپر ذکر ہوئی۔
2. جبکہ خود یہ دیندار طبقہ اپنی تعداد کو ناکافی جان کر اپنے جیسے (یا اپنے فرقے کے) لوگوں کا اضافہ کرنے میں مسئلے کا حل دیکھتا ہے!

یوں ہر دو طرف یہ بحران بڑھتا چلا جاتا ہے۔

[4] ؎

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارا

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

تمدن آفریں خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

5 اس حوالے سے ایک مضمون نگار باقاعدہ نوٹ کرواتا ہے کہ اس سے تین سال پیشتر کے ایک خطاب میں (توجیہات منهجية "3" کے زیرعنوان) اسامہؒ نے احیائے امت کی بنیاد کے طور پر تین کتابیں تجویز کی تھیں: ابن تیمیہ کی "کتاب الایمان"، عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ کی "فتح المجید" (شرح کتاب التوحید)، اور محمد قطب کی "مفاهيم ينبغي أن تصحح" (http://www.tawhed.ws/r?i=8daqtyne)۔ مگر آخری خطاب (http://www.muslm.org/vb/archive/index.php/t-436692.html) میں صرف محمد قطب کی یہ کتاب (مفاهيم) رکھی گئی۔ گویا اس کے خیال میں یہ اکیلی کتاب بھی کفایت کر جائے گی!

مفاهيم ينبغي أن تُصحّح

چند تصحیح طلب مفہومات

دنیائے اسلام آج اپنی تاریخ کا ایک تاریک عہد بِتا رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر اندوہناک وقت ہماری پوری تاریخ میں شاید کبھی نہیں آیا۔ ماضی میں ہم پر بہت بہت کڑے وقت آئے، پھر بھی ایسا نہیں ہوا کہ اتنی بڑی بڑی آفتیں ہمارے سبھی خطوں اور ہماری زندگی کے تمام گوشوں پر ایک ہی وقت میں اتر آئی ہوں۔ یہ گھناؤنی رات؛ یہ خواری اور یہ رائیگانی جس سے امت کا آج کوئی ایک شعبہ محفوظ رہ گیا ہے اور نہ کوئی ایک خطہ، اِس بڑی سطح پر بلاشبہ ہمیں پہلی بار دیکھنا پڑ رہی ہے۔

صرف ایک ہی مثال لے لیجئے...: سبھی کو معلوم ہے، اندلس کا سانحہ دورِ ماضی میں ہم پر گزرنے والا ایک روح فرسا واقعہ ہے۔ پھر بھی فلسطین پر آج جو بیت رہی ہے، یہ اُس سے کہیں بڑھ کر جان لیوا ہے۔ اِس لیے کہ:

مسلم شان و شکوہ کا سورج جس وقت اندلس میں غروب ہو رہا تھا عین اُسی وقت وہ عالم اسلام کے مشرقی افق پر طلوع بھی ہو رہا تھا۔ یہ عثمانیوں کی نوخیز دولت تھی جس نے جہاد کا علم تھاما تو یورپ کے اندر پیش قدمی کرتی ہی چلی گئی۔ بلکہ کچھ ہی عرصے میں رومن ایمپائر کو روندتی ہوئی اُس کے افسانوی شہرت کے پایۂ تخت 'قسطنطنیہ' پر قابض ہو گئی۔ کہاں روما کی عظمت و شوکت کی وہ قدیمی رمز "قسطنطنیہ" اور کہاں اب یہ "اسلام بول" (استنبول)، جو صدیوں تک کے لیے اسلام کا "دارِ خلافت" ہو جاتا ہے! پھر یہ عثمانی خلافت، بائزنٹائن کے اِس دار السلطنت پر ہی نہیں رکتی؛ بلکہ عالم اسلام کی مغربی سرحدوں کو مسلسل توسیع دیتی ہوئی، اپنی بلاخیز لشکر کَشی کے دوران، یورپ کے قلب "ویانا" اور "پٹرس برگ" تک جا پہنچتی ہے اور مشرقی یورپ کے ایک وسیع و عریض خطے پر تو صدہا برس تک کے لیے اسلام کے پھریرے لہرا دیتی ہے۔

تاہم فلسطین کا حالیہ سانحہ پیش آیا تو مسلم اقتدار کا سایہ ہر طرف سے سمٹ ہی رہا تھا۔ مسلم وجود زمین کے ہر ہر خطے میں چیرا پھاڑا ہی جا رہا تھا: فلپائن، ایتھوپیا، ارٹریا، چاڈ، نائجیریا، انڈیا، افغانستان، ہمارا کونسا خطہ ہے جو اِس دور میں لہولہان ہونے سے بچا رہا؟ اور اگر کمیونسٹ دنیا کو سامنے رکھیں جو کہ عالم اسلام کا ایک وسیع و عریض خطہ تھا، تو وہاں تو مسلمانوں کے پاس چناؤ ہی ایک تھا: اپنا دین چھوڑ کر کفر کا مذہب اختیار کریں یا موت کو گلے لگائیں۔ ابھی وہ دیو ہیکل منصوبے الگ ہیں جو عالمی طاقتوں اور بین الاقوامی اداروں کے زیر انتظام مسلم دنیا میں اپنے دیرینہ ارمان پورے کرتے ہوئے من مانی کا تصرف کر رہے ہیں۔ عالم اسلام کی تقسیم در تقسیم کا عمل شدت کے ساتھ جاری ہے۔ سرزمینِ اسلام کے حصے کاٹ کاٹ کر غیر مسلموں کے "گھر" بنانے کا دھندا زوروں پر ہے۔ ابھی ایک خطے میں مسلمان اکثریت میں ہوتے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ذلیل اقلیت بنا کر رکھ دیے جاتے ہیں؛ جہاں مسلمانوں کی 'جان بخشی' کا مسئلہ ہی وقت کے مسائل میں سرفہرست آجاتا ہے! ادھر، اندرونی سطح پر، اسلام کے داعی خود اپنے گھروں میں گردن زدنی اور بدترین ظلم و بربریت کا نشانہ۔ اسلام کے ملکوں میں اسلام ہی کی صدا بلند کرنا سب سے بڑا جرم! جیلیں، کال کوٹھڑیاں، تختۂ دار سب اِنہی کے لیے؛ اور اِن کا جرم صرف ایک: یہ ان حکومتوں کے وفادار نہیں جو سرزمینِ اسلام سے شرعِ اسلام کو بے دخل کر رکھنے پر مصر ہیں!

یہ زیاں جس میں عالم اسلام آج جی رہا ہے، تاریخ میں اس سے پہلے بھلا کب تھا؟

*****

کیا یہ سب کچھ بے سبب ہو گیا؟

کونسی چیز ہے جو خدا کی اِس کائنات میں بے سبب ہو جاتی ہے!؟ حیاتِ انسانی میں ہر چیز خدا کے مقرر ٹھہرائے ہوئے قاعدے اور قانون ہی کے تحت رونپذیر ہوتی ہے۔ خدا کے یہ قاعدے اور قانون اٹل ہیں اور مخلوق میں کسی کی رُو رِعایت کرنے کے روادار نہیں:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلاً (فاطر:43)

توتم ہر گز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہر گز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے

یہ خدا کا اپنا ہی دستور ہے کہ:

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّراً نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الانفال:53)

یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود نہ بدل جائیں اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے

نیز خدا کا یہ دستور کہ کسی کی رُو رعایت محض اس وجہ سے نہیں کر دی جائے گی کہ وہ نیکو کاروں کی اولاد ہے:

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ [1]

وہ زمین میں ان کو تمکین دیتا ہے، اُس وقت جب وہ خود مومن اور صالح ہوں:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً [2]

ہاں وہ لوگ جو کتابِ اللہ کو موروثی انداز میں لیں؛ کتاب اللہ کو وہ وثیقہ نہ سمجھیں جو خاص ان کی ہدایت کے لیے نازل ہوا، اور اپنی بستیوں اور معاشروں کو

---

(1) (سورۃ البقرۃ: 124) "اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی: اور میری اولاد سے؟ فرمایا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا"

(2) (سورۃ النور: 55) "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بد کردار ہیں"

اُس کا پابند نہ جانیں، تو خدائی دستور کی رُو سے یہ ناخلف ہیں جن کی، قرآن میں بنی اسرائیل کا قصہ بیان کرتے ہوئے، باقاعدہ نشاندہی ہوئی؛ تاکہ اِس امت کے لیے عبرت ہو:

فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَرِثُوا الۡكِتَابَ يَأۡخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الأَدۡنَى وَيَقُولُونَ سَيُغۡفَرُ لَنَا وَإِنۡ يَأۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِثۡلُهُ يَأۡخُذُوهُ أَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِيثَاقُ الۡكِتَابِ أَنۡ لا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الآخِرَةُ خَيۡرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلا تَعۡقِلُونَ (الاعراف:169)

پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اِسی حقیر دنیا کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بخشے جائیں گے، ہاں اگر وہی متاع دنیا پھر سامنے آتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو؟ اور یہ خود پڑھ چکے ہیں جو کتاب میں لکھا ہے۔ آخرت کی قیام گاہ تو خدا ترس لوگوں کے لیے ہی بہتر ہے، کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟

ایسا ہی سیاق ایک دوسری آیت کا ہے:

فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ أَضَاعُوا الصَّلاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيّاً (مریم:59)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آکر رہے گا۔

یہ سب خدائی دستور ہیں۔ حیاتِ انسانی کا پہیہ تمام تر انہی کا چلایا چلتا ہے۔ یہ اٹل خدائی قاعدے اور دستور نہ کبھی کسی کی رعایت کرتے ہیں اور نہ کسی بشر کی خواہش کو دیکھ کر اپنا راستہ بدلتے ہیں۔

خدا نے اِس امتِ اسلام پر کمال نعمتیں فرمائی تھیں۔ تمکین، خلافت، چین اور امن۔ آسمان اِس پر رزق برساتا تھا اور زمین اِس کے لیے سونا اگلتی تھی۔ خدا کے اُس وعدہ کا یہ بڑی صدیوں تک اپنی آنکھوں مشاہدہ کرتی رہی:

وَلَوۡ أَنَّ أَهۡلَ الۡقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرۡضِ (الاعراف:96)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

آخر یہ استخلاف، یہ تمکین، یہ چین و آرام، اور یہ رزق کی فراوانی... ذلت، بیچارگی، ناتوانی، بے خانمائی، افلاس اور مرگِ مفاجات میں بدلی، جب ان کا معاملہ عین اُس حالت کو پہنچا جس سے اِس امت کا نبیؐ اِس کو خبردار کر گیا تھا:

يوشك أن تداعى عليكم الأمم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها. قالوا : أمن قِلَّةٍ نحن يومئذ يا رسول الله ؟ قال : أنتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل .. (أخرجه أحمد وأبو داود)

قریب ہے کہ قومیں تم پر یوں چڑھ دوڑیں جس طرح کھانے والے (بھوکے) کھانے کے تھال پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: کیا یہ اس لیے کہ ہم تھوڑے ہوں گے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: تم اُس روز تعداد میں بہت زیادہ ہو گے مگر اُس خس و خاشاک کی طرح ہو گے جو سیلاب کی سطح پر اٹھ آتا ہے

*****

مسلمانوں کی اس طویل تاریخ میں بہت سے بگاڑ واقع ہوئے ہیں...

یہاں رونما ہونے والا ہر بگاڑ جلد یا بدیر اپنا اثر دکھا کر رہا؛ جیسا اور جس درجہ کا بگاڑ؛ ویسا اور اُسی درجہ کا خمیازہ۔ جس سطح کا اُس کا پھیلاؤ؛ اُسی سطح کا اُس کا انجام۔ کسی فتنہ یا انحراف کے وقت امت کے حکمرانوں کا کیا موقف رہا، علماء کا کیا کردار رہا، عوام کا کیا رویہ رہا، "اسباب" اور "نتائج" کا اٹوٹ رشتہ ہمیشہ ان حقائق کا پابند دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ بگاڑ اپنی آخری حد کو پہنچا اور اس کا انجام آج ہم بچشم سر دیکھنے لگے: ذلت، بزدلی، خوف، دہشت، بے بسی اور نارسائی.. یہیں، ہمارے اِنہی شہروں اور اِنہی ملکوں میں، جہاں صدیوں استخلاف، تمکین، فراوانیِ رزق اور امن وچین کا دور دورہ رہا تھا...!

یہ انحراف diversion جس کے نتیجے میں ہمیں یہ دن دیکھنا پڑے اور جس کے باعث ہم اپنی تاریخ کے سب سے سنگین اور سب سے جان لیوا بحران سے دوچار ہوئے... ہماری حالیہ تالیف کا موضوع ہے۔

البتہ اِس انحراف diversion کے تمام جوانب ہم یہاں زیر بحث نہیں لائیں گے [i]۔ **ہمارا موضوع اِس آفتِ عظیم کی وہ خاص جہت ہو گی جو ہمارے اِس زوال کا سب سے آشوب ناک پہلو ہے**۔ یوں سمجھئے مسلم تاریخ میں جو جو بگاڑ آیا وہ سب جمع ہوتا ہوتا، بگاڑ کی ایک خاص صورت اختیار کر گیا، اور جو کہ پیچ در پیچ آج ہمارے سامنے ہے۔ یہ **وہ بگاڑ ہے جو "سیرت" اور "کردار" کی حد پار کرتے ہوئے "تصورات" ہی کے دائرے میں قدم رکھ چکا**، اور جو کہ ہمارے اِس زوال کی سب سے بھیانک جہت ہے... اور یہی ہماری اِس کتاب کا موضوع۔

اسلام کے بہت سے مخلص داعی آج ایک عظیم مغالطے کا شکار ہیں۔ اِن کے خیال میں، ہماری آج کی یہ حالتِ زار جس ہولناک بگاڑ کی خبر دے رہی ہے وہ محض "اعمال" اور "کردار" سے متعلق کوئی خرابی ہے جس کو دور کرنے میں آج ہمیں اپنی سب محنت اور توانائیاں کھپا دینا ہوں گی! ہماری چودہ سو سالہ تاریخ کے اِس بدترین اور آشوب ناک ترین بحران کی یہ حضرات صرف اِسی قدر تشخیص فرماسکتے ہیں کہ یہاں "کردار" اور "اعمال" کی وہ تصویر مفقود ہے جو ہمارا مسلم سماج بڑی صدیوں تک پیش کر لیتا رہا ہے! لہٰذا اس بحران کا ازالہ بھی اِن نیک حضرات کے نزدیک "اعمال" اور "کردار" کی درستی سے شروع ہوتا ہے!

یہاں کے اصلاحی عمل کی پیچیدگی در حقیقت یہی ہے۔

ہم بھی مانتے ہیں، "کردار" اور "اعمال" کا یہ بگاڑ جان لیوا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی سامنے کی چیز ہے جو کسی 'نشاندہی' کی ضرورتمند نہیں رہ گئی ہے! جھوٹ، بددیانتی، منافقت، جعلسازی، نکھٹوپن، بزدلی، چاپلوسی، ذلت قبول کرنا، خدا کی نافرمانی کا چلن عام ہو جانا، غیرتِ دینی کا فقدان، بلکہ غیرتِ قومی تک کا ناپید ہو رہنا، نیز نوجوانوں کا بے قابو اور بے راہرو ہوتے چلے جانا، لوگوں میں احساس کا مادہ ختم ہو کر رہ جانا؛ فسق و فجور کو سرعام دیکھ کر بھی ٹس سے مس نہ ہونا، بدعات کی کثرت، منکرات کی بھرمار... غرض بیسیوں اوصاف اور اعمال ایسے جن کا اسلام سے دور نزدیک کا کوئی رشتہ نہیں؛ یہ سب

اوصافِ بد اور یہ سب اخلاقی گراوٹیں مسلمان کے حق میں آج ایک 'طبعی حالت' کا درجہ اختیار کر گئی ہیں!

یہ سب درست ہے ...پھر بھی "کردار" کا بگاڑ وہ واحد بگاڑ نہیں ہے جو مسلم زندگی کو آج اِس لمحے درپیش ہے۔ نہ ہی یہ وہ انحراف diversion ہے جس کو ہم "عصر حاضر کے مسلمان کے ہاں پایا جانے والا سنگین ترین انحراف" قرار دیں۔

حق تو یہ ہے کہ ہمارا انحراف diversion اگر "کردار" اور "اعمال" تک ہی محدود ہوتا تو اپنی تمام تر سنگینی کے باوجود معاملہ کہیں ہلکا ہوتا!

مسئلہ بڑی دیر سے "کردار" اور "اعمال" سے گزر کر "تصورات" اور "افکار" تک چلا گیا ہوا ہے۔ یہاں "اعمال" نہیں "مفہومات" ہی بگڑ چکے ہیں؛ اور کوئی ایک دو نہیں سب کے سب مفہومات، اور سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہی!

ایک ایسا انسان جو کردار اور اعمال کے معاملہ میں تو راستہ بھٹک گیا ہو مگر دین کی بابت وہ ایک صحیح تصور پر قائم ہو، اُس کو راہِ راست پہ لانے پر بھی ضرور آپ کو محنت صرف کرنا ہوگی... لیکن جو شخص اپنے تصورات ہی میں بھٹک کر کہیں سے کہیں جا چکا ہے اُس کے ساتھ تو آپ کو بے اندازہ جان کھپانا ہوگی؛ یعنی پہلے آپ کو اُس کے تصورات درست کرنا ہوں گے اور پھر اُس کے کردار اور اعمال کی اصلاح کرنا ہوگی۔

عالم اسلام میں "اصلاحی عمل" کو آج درحقیقت اِس چیلنج کا سامنا ہے۔

وہ مرحلہ بہت دیر پہلے گزر چکا جب بگاڑ صرف "اعمال" اور "کردار" میں پایا جاتا تھا۔ اب یہ گھن "مفہومات" تک جا پہنچا ہے۔ اسلام کے بنیادی ترین حقائق ہی اب نہ صرف روپوش ہیں، نہ صرف لاغر اور نحیف ہیں، بلکہ مسخ تک ہو چکے ہیں۔ دین کی کچھ بنیادی ترین اصطلاحات سے متعلق لوگوں کے تصورات کچھ سے کچھ ہو چکے ہیں۔ مسلم معاشرے کے روزمرہ دینی محاورے، کلمات اور تعبیرات نہ صرف اپنا اصل حقیقی مفہوم کھو چکے بلکہ اَذہان کے اندر وہ کچھ ایسے معانی اختیار کر گئے ہیں جو عہدِ اول کے مسلمان کے ہاں کبھی نہیں پائے گئے۔

یہ وجہ ہے کہ اسلام کو آج وہ غربت اور اجنبیت درپیش ہے، جس کی پیشین گوئی حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوئی ہے:

بدأ الإسلام غريبا ، وسيعود غريبا كما بدأ (أخرجه مسلم)

اسلام کی ابتدا اتھی، تو یہ اجنبی تھا، عنقریب یہ پھر اجنبی ہو رہے گا۔

اور آج... اسلام واقعتاً اجنبی ہے؛ خود اپنے لوگوں میں اجنبی؛ جو اِس کو پہچانتے تک نہیں! جبکہ اعمال اور کردار کا انحراف اس پر مستزاد! اسلام اپنے اصل حقیقی روپ میں ان کے سامنے پیش ہو تو یہ اُس کو کسی عجوبے کی طرح دیکھتے ہیں! وہ اسلام جو کتاب اللہ میں بیان ہوا، جو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سیرت میں وارد ہوا، اور جو زمانۂ اسلاف میں زمین پر ایک جیتی جاگتی چلتی پھرتی حقیقت کی مانند دیکھا جاتا رہا، اُس اسلام کو آج یہ حیران پریشان ہو کر دیکھتے.. اور سنتے ہیں!

اصلاح کے میدان میں اترنا ہے... تو معاملے کو اُس کی اصل حقیقت اور حجم میں دیکھے بغیر چارہ نہیں۔

آج... ساری محنت اگر "کردار" اور "اعمال" کی اصلاح پر لگا دی جاتی ہے، جبکہ "تصورات" کا انحراف جوں کا توں چھوڑ دیا جاتا ہے، تو اِس محنت کا کوئی بہت اعلیٰ ثمر سامنے آنے والا نہیں۔ صرف "کردار" اور "اعمال" پر کرائی جانے والی محنت امت کو۔ اس کے حالیہ انحطاط سے نکالنے کے لیے - ہرگز کافی نہیں۔ یہ غربتِ ثانیہ جس کا آج ہمیں سامنا ہے، اس کو دور کرنے کے لیے آج ایک ویسی ہی محنت درکار ہے جو اسلام کی اُس جماعتِ اولیٰ نے اُس غربتِ اولیٰ کو دور کرنے کے لیے صرف کی تھی۔

اور یہ ہے وہ گھاٹی جو ہماری "صحوة اسلامية" کو آج چڑھ کر دکھانی ہے۔

سب سے پہلا جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ ہم نہ صرف اپنے "دینی اعمال" بلکہ اپنا "دین لینے اور سمجھنے کا اسلوب" ہی درست کرلیں...

اِس دین کا فہم اور اِس کے معانی ہم نے لینے کہاں سے ہیں؟ کتاب اللہ سے؟ سنتِ رسول اللہ ﷺ سے؟ سلف کے طرز عمل سے...؟ یا اِدھر اُدھر کے اُن افکار سے، جو تاریخ کی راہداریوں سے گزرنے کے دوران ہماری دینی لغت کا حصہ بنتے چلے گئے؟

اگر ہم اپنے فہم اور تصور کا منبع درست کر لیتے ہیں... اور اس سے کام لے کر اپنے تصوراتِ دینی درست کر لیتے ہیں، نیز اپنے تصورِ اسلام سے وہ جھاڑ جھنکاڑ تلف کر ڈالتے ہیں جن سے اِن آخری زمانوں کا مسلمان 'اسلام' کے نام پر واقف ہے... تو یہ ایک نہایت کامیاب پیش رفت ہو گی۔ اسکے بعد صرف ایک مہم رہ جاتی ہے (گو اپنی جگہ وہ بھی اُتنی ہی اہم ہے)... اور وہ ہے دین کے صحیح و خالص مفہومات پر تربیت اور تزکیہ پانے کا عمل۔

تربیت وہ اصل محنت ہے جس سے حقیقی ثمر کی امید رکھنی چاہئے۔ **لیکن تربیت کا یہ ثمر اپنے اصل شجر پر نمودار ہو سکتا ہے اور وہ شجر ہے "دین کے صحیح و مستند مفہومات"۔ اِس ثمر کو کسی اور شجر پر تلاش کرنا وقت اور محنت کا ضیاع ہے۔**

الغرض... **اسلام کے کچھ بنیادی ترین تصورات** آج ذہنوں کے اندر ہی درست حالت میں نہیں رہ گئے ہیں۔ زیر نظر کتاب اِن بنیادی تصورات کو درست کرانے کی ایک کاوش ہے۔ یہاں ہماری کوشش ہوئی ہے کہ اِن مفہومات کے اندر اپنی اُس پرانی تصویر کے نقوش اجاگر کیے جائیں جو ہمیں اپنے رب کی کتاب، اپنے نبی ﷺ کی سنت اور اپنے اسلاف کے دستور و طرزِ عمل سے ملتی ہے، جبکہ وہ دھبے اِس سے ہٹا دیے جائیں جو تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے زمانے اور حالات کے ہاتھوں اِس پر لگ گئے ہیں اور جس کے باعث ہماری یہ تصویر کچھ سے کچھ ہو گئی ہے۔

یہاں؛ میں نے اسلام کے پانچ بنیادی مفہومات کو موضوع بنایا ہے: لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم، عبادت کا مفہوم، قضاء و قدر کا مفہوم، دنیا اور آخرت کا مفہوم۔ تہذیب اور تعمیرِ ارض کا مفہوم۔

کتاب کا ایک بڑا حصہ لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم نے لے لیا ہے اور دوسرا بڑا حصہ عبادت کے مفہوم نے۔ اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ اسلام کا پہلا اور سب سے

بڑا اور بنیادی رکن ہے۔ جبکہ سب سے بڑا اور سب سے سنگین انحراف بھی، جو مسلم معاشروں کے یہاں دَر آیا ہے، اِس لاالٰہ الا اللہ کے مفہوم ہی میں واقع ہوا ہے۔ اِسی طرح "عبادت" کا مفہوم ہے، جس کی ہمارے بھلے زمانوں میں کوئی حقیقت اور کوئی گونج ہوا کرتی تھی۔ اِس امت کے سب عظیم کارنامے اِسی "عبادت" کے مفہوم سے پھوٹتے تھے۔ کرۂ ارض پر اِس کی سب سر گرمی و پیش قدمی "عبادت" ہی کا ایک معنیٰ لیے ہوئے تھی۔ جبکہ آج یہ حال کہ "عبادت" کا وہ وسیع اور عظیم الشان مفہوم چند مریل اعمال کے اندر سمٹ آیا ہے۔

یہ مفہومات اگر درست ہو جاتے ہیں... یہ مفہومات اگر مسلم نفوس میں اپنی اصل زندہ حقیقت کے ساتھ عود کر آتے ہیں، اور یہاں اپنی وہ فاعلیت بحال کر لیتے ہیں جو بڑی حد تک دم توڑ چکی ہے... تو یہ راستہ چلنا بفضلہٖ تعالیٰ آسان ہو جائے گا۔ اور اُن انحرافات کا ازالہ ممکن ہو جائے گا جو ہمارے مسلم معاشروں پر اِس وقت حملہ آور ہیں۔ ان انحرافات سے جنم لینے والی یہ دگر گوں صورتحال چھٹ جانے میں بھی تب ان شاء اللہ دیر نہیں لگے گی۔

اپنی اِس ناچیز کوشش میں اگر میں کہیں پر کامیاب ہوا ہوں تو یہ محض خدا کی مدد اور توفیق ہے، جس پر میں اُسی کا شکر گزار ہوں۔ وماتوفیقی الا باللہ

محمد قطب

[i] اس کا قدرے تفصیلی جائزہ گو ہماری کتاب "واقعنا المعاصر" میں لیا گیا ہے۔

"لا الٰہ الا اللہ"

" فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ "[1]

مسئلہ لا الٰہ الا اللہ پر اس قدر زور؟

قرآن پڑھیے تو لا الٰہ الا اللہ کا بیان پورا وقت آپ کے ساتھ چلتا ہے! یہ شان کتاب اللہ میں کسی اور مسئلہ کو حاصل نہیں!

مسئلہ لا الٰہ الا اللہ کو یہ غیر معمولی اہمیت؟ شاید آپ کہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے اول اول مخاطب مشرک تھے! لیکن مدنی سورتوں میں بھی اِسی موضوع کا بار بار دہرایا جانا؟ جبکہ نفوس کے اندر عقیدہ راسخ کرایا جاچکا تھا بلکہ خود اسلامی معاشرہ وجود میں آچکا تھا۔ اور جبکہ وہ معاشرہ بھی کوئی عام سا معاشرہ نہیں؛ یہ وہ جماعت تھی جو جہاد کی چوٹی سر کر رہی تھی... پھر بھی **مدنی سورتوں میں توحید ہی کا موضوع پورے تسلسل کے ساتھ**؟ معلوم ہوا، اس مسئلہ کی اپنی ہی کوئی خاص اہمیت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ **توحید وہ چیز نہیں جسے کچھ عرصہ بیان کرلیں تو پھر آپ کسی اور موضوع کارخ کرلیں!** بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کو ساتھ لے کر ہی آپ ہر نئے موضوع کارخ کریں گے۔ کوئی ایسا وقت نہیں آئے گا جب اِس پر بات ہونا موقوف ہو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (النساء:136)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

پس لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ حیاتِ انسانی کے اندر ایک دائمی و ہمہ وقتی مسئلہ ہے۔ اِس کی طرف صرف کفار کو ہی دعوت نہیں دی جاتی کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں۔ اور صرف مشرکین کو ہی

---

1 (محمد 19) "پس جانو اس بات کی حقیقت کہ نہیں کوئی لائق عبادت ہستی سوائے اللہ"۔

اس کی طرف نہیں بلایا جاتا کہ وہ اِس پر اپنا اعتقاد درست کرلیں۔ اِس کی طرف اہل ایمان کو بھی باقاعدہ بلایا جاتا ہے: یَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا...!

اور اس میں عجیب بات کیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ ہی تمام قضیوں کا اصل قضیہ ہو!

قرآن نے اِس قضیہ کو اتنی توجہ دی تو یہ **اس وجہ سے نہیں کہ قرآن ایک 'مذہبی' کتاب ہے۔** بلکہ وجہ یہ کہ قرآن در حقیقت وہ کتاب ہے جو **زمین پر انسان کی زندگی کی باقاعدہ ایک سمت متعین کرنے** آئی ہے!

انسان کی زندگی اپنی وہ راست سمت کبھی نہیں پاسکتی جب تک یہ اُس "حق" کو نہ پالے جو تخلیقِ سماوات وارض کے پیچھے بولتا ہے، بلکہ جب تک یہ اُس "حق" کے ساتھ ہم آہنگی اختیار نہ کرلے... نہ اس سے ہٹے اور نہ اس کے تقاضوں سے باہر جائے۔

اور وہ "حق" جو آسمان وزمین کی تخلیق کے پیچھے بولتا ہے صرف ایک ہے: نہیں کوئی الٰہ مگر اللہ۔ وہ اکیلا ہے جو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اکیلا ہے جو حاجت روا ہے۔ وہ اکیلا ہے جو اختیارات کا مالک ہے۔ وہ اکیلا ہے جو تدبیرِ کائنات کرتا ہے۔ وہ اکیلا ہے جو کائنات کو تھام رکھے ہوئے ہے۔ نہ اُس کے سوا کوئی خالق، نہ کوئی رازق، نہ کسی کی تدبیر اور نہ کسی کا امر... اور یہ سب حقیقتیں تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اکیلا ہے جس کی عبادت ہو، کوئی اُس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ عبادت اور پرستش جس چیز کا نام ہے اُس کا ایک ذرہ کسی اور کے آگے پیش نہ ہو۔

اتنا ہی نہیں کہ یہ بندوں پر اللہ کا حق ہے... **بلکہ یہ انسان کا اپنا ہی قضیہ ہے۔**

کیا شک ہے کہ اللہ عزوجل خالق اور رازق اور منعم اور محسن ہونے کے ناطے یہ حق رکھتا ہے کہ عبادت صرف اُس کی ہو، اور خدائی کسی اور کے لیے تسلیم نہ کی جائے... مگر وہ اپنے بندوں اور ان کی تمام تر عبادت اور ریاضت سے غنی وبے نیاز بھی تو ہے! بندے عبادتیں کرکے اُس کی خدائی میں کچھ اضافہ کریں گے اور نہ کفر وسرکشی کرکے اُس کی خدائی میں کچھ کمی۔ پس یہ مسئلہ تو خود اِس انسان کا ہے!

يا عبادي ، لو أن مؤمنكم وكافركم ، برّكم وفاجركم كانوا على أتقى قلب رجل منكم ما زاد ذلك في ملكي شيئا ، ولو أن مؤمنكم وكافركم ، بركم وفاجركم كانوا على أفجر قلب رجل منكم ما نقص ذلك في ملكي شيئا (صحیح مسلم)

اے میرے بندو! اگر تمہارے مومن کیا کافر، نیک کیا بد، سب اُس شخص جتنے نیک ہو جائیں جو تم میں سے سب سے بڑھ کر نیک ہے، تو اس سے میری بادشاہی میں کچھ اضافہ نہ ہو۔ اور اگر تمہارے مومن کیا کافر، نیک کیا بد، سب اُس شخص جتنے بدکار ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا بدکار ہے، تو اس سے میری بادشاہی میں ذرہ بھر نقص واقع نہ ہو۔

وَقَالَ مُوسَى إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (ابراہیم:8)

اور موسیٰؑ نے کہا کہ "اگر تم کفر کرو اور زمین کے سارے رہنے والے بھی کافر ہو جائیں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے"۔

جبکہ انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے...

ایک طرف... یہ خدا کے لطف و کرم سے کوئی ایک لمحہ بے نیاز نہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ (فاطر:3)

اے انسانو! اپنے اوپر اللہ کا احسان ذہن میں لے کر آؤ کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے، اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی تو نہیں، تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو؟

تو دوسری طرف... عبادت کرنا اِس کی فطرت۔ اِس کی زندگی کا کوئی ایک لمحہ ایسا نہیں جس میں یہ کسی نہ کسی چیز کی عبادت نہ کر رہا ہو، خواہ شعوری طور پر اور خواہ لاشعوری طور پر۔[1] زندگی کا کوئی ایک لحظہ نہیں جب اِس کا معاملہ دو صورتوں سے باہر ہو: **یا یہ عبادت گزار ہو گا اللہ وحدہٗ لاشریک کا، اور یا یہ عبادت گزار ہو گا اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر ہستی کا**۔ اور جب غیر کی عبادت ہو گی تو خواہ وہ اللہ کے ساتھ ہو یا اللہ کو چھوڑ کر، ایک برابر ہے؛ قرآن اس کو شیطان کی عبادت قرار دیتا ہے کیونکہ یہ شیطان کا تقاضا پورا کرنا ہے:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (یس60 - 61)

اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، یہ ہے صراطِ مستقیم۔

اِسی طرح انسانی سرشت میں خواہشات کے ساتھ ایک گہری لگن رکھ دی گئی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.. (آل عمران14)

مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کیلئے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے، نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

اِن مرغوباتِ نفس کی جانب میلان کسی فائدے اور مصلحت کے تحت بھی رکھا گیا ہے، تاہم یہ مرغوبات اُن رخنوں کا بھی کام دیتے ہیں جہاں سے شیطان نفسِ انسانی میں در آنے کے راستے پاتا ہے اور وہاں سے اس کو اپنی ڈالی پر چڑھا کر رفتہ رفتہ "خدا کی عبادت" سے باہر لے آتا ہے۔ **خدا کی عبادت سے خروج کہیں وقتی ہوتا ہے جس کو "معصیت" کہا جاتا ہے:** لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن ، ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن..[2] **اور کہیں وہ کلی انداز کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ناطہ ہی توڑ لیا جاتا ہے، شرک کی صورت میں، یا کفر کی صورت میں، یا جحود کی صورت میں:**

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ[3]

اب کہاں وہ زندگی جو خدا کی عبادت ہو اور کہاں وہ زندگی جو شیطان کی عبادت ہو:

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبّاً عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيّاً عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ[4]

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ[5]

اللہ کا فضل اور کرم اصل میں یہ ہے کہ... **جب انسان اللہ کا حق ادا کرنے لگتے ہیں، یعنی** اُس کی ربوبیت کو تسلیم کرتے اور **اپنی نیاز اور عبادت کے جملہ افعال کو اُس کے لیے خاص**

کر دیتے ہیں اور اپنے اندر پایا جانے والا بندگی کا مادہ خالص شکل میں اُس کی عظمت پر نچھاور کرنے لگتے ہیں... تو پھر وہ احسنِ تقویم (عمدہ ترین ہیئت) میں آجاتے ہیں۔ دنیا میں اُن کی زندگی اعلیٰ ترین اور پاکیزہ ترین اور حسین ترین ہو جاتی ہے اور آخرت میں وہ بارگاہِ خداوندی میں باریابی کے اہل ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اس حقیقت کے ساتھ کفر کر لینے کی صورت میں دنیا میں اُن کا وقت گزارنا جانوروں کی طرح چرنا ہے، اور آخرت میں خدائی پاداش کا حقدار بننا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ [6]

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ [7]

یہ وجہ ہے کہ انسان کو ہر لحظہ اس لا الٰہ الا اللہ کی ضرورت ہے۔

کافر اور مشرک ہے... تو لا الٰہ الا اللہ کی ضرورت ہے کہ یہ اپنا اعتقاد بنیاد سے درست کر لے۔ اور اگر مومن ہے... تو لا الٰہ الا اللہ کی ضرورت ہے تاکہ یہ اس پر قائم رہے اور اپنے نفس میں شیطان کے راستوں کو مسدود کیے رکھے جو ہر وقت تاک میں ہے کہ وہ اِس کے عمل اور رویے کو خدائے لاشریک کی عبادت اور اطاعت سے باہر کر دے۔

پس ہر صورت میں؛ اس لا الٰہ الا اللہ کو انسانی زندگی میں ایک معیّن کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ لا الٰہ الا اللہ کوئی ایسی ''عبارت'' بہرحال نہیں ہے جو بول دی جائے اور پھر وہ ہوا میں تحلیل ہو جائے، نہ نفس میں اس کا کوئی اثر، نہ ماحول میں اس کی کوئی بازگشت، اور نہ زندگی میں اس کا کوئی مطالبہ!

مابین "ایمان"... و "ارجاء"

اب ذرا یہ دیکھتے ہیں کہ اِس لا الٰہ الا اللہ نے پہلی نسل کی زندگیوں میں کیا کردار ادا کیا تھا...

مگر اس سے پہلے یہ دیکھتے چلیں کہ مشرکین عرب نے اِس کو رد کیوں کر دیا تھا: اس کے ساتھ وہ جنگ کیوں کھڑی کر لی تھی جو تاریخ میں آج تک ذکر ہوتی ہے...؟

یہ تو معلوم ہے یہ لا الٰہ الا اللہ سب کے سب رسولوں کی دعوت رہی ہے۔ آدمؑ اور نوحؑ سے لے کر محمد ﷺ تک، انسانوں سے رسولوں کا ایک ہی مطالبہ رہا۔ ادھر جاہلیت کا اِس دعوت کے مقابلے پر ایک ہی موقف رہا: انکار۔ اعراض۔ مخالفت اور عناد۔ اب ذرا اندازہ کرتے چلئے، انبیاء کی پوری تاریخ میں نہ یہ دعوت بدلتی ہے اور نہ کبھی ایک بار اس کے مقابلے پر جاہلیت کا موقف بدلتا ہے۔

مسلسل ایک ہی مطالبہ... مسلسل ایک ہی جواب!

آخر کیا وجہ ہے تاریخ کے اِن تمام ادوار میں جاہلیت نے اِس دعوت کے مد مقابل یہ ایک ہی 'متفقہ' موقف اپنائے رکھا، خصوصاً جاہلیت کی متکبر اشرافیہ (الملأ) نے؟

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ أَنْ لا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَراً مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ (ھود25 - 27)

اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ نہ عبادت کرو مگر ایک اللہ کی، بیشک میں تم پر ایک مصیبت والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو اس کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ.. قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ (ھود50-53)

اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو کہا اے میری قوم! اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تم تو بڑے مفتری (بالکل جھوٹے الزام عائد کرنے والے) ہو... **بولے** اے ہود تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لائیں،

وَإِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحاً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوّاً قَبْلَ هَذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ
(ھود 61-62)

اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا اور اس میں تمہیں بسایا تو اس سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ، بیشک میرا رب قریب ہے دعا سننے والا، **بولے اے صالح**! اس سے پہلے تو تم ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے کیا تم ہمیں اس سے منع کرتے ہو کہ اپنے باپ دادا کے معبودوں کو پوجیں اور بیشک جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں۔

وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْباً قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ وَلا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ).. قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (ھود 84 - 87)

اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن کا عذاب کا ڈر ہے... **بولے اے شعیب**! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں ہاں جی تمہیں بڑے عقلمند نیک چلن ہو۔

عرب جاہلیت بھی کوئی نرالی جاہلیت نہ تھی۔ اِس کا بھی اُس دعوت کو جسے ہر رسول لے کر آتا رہا، وہی ایک جواب تھا۔ **آخر ایسا کیا عناد تھا جو عرب جاہلیت نے رسول اللہ ﷺ کے اس مطالبہ کے آگے ویسا ہی ایک رویہ دکھایا جو اس سے پہلے ہر جاہلیت اپنے رسول کے مدمقابل دکھاتی رہی؟**

یعنی... **یہ لا الٰہ الا اللہ کیا ایک لفظ تھا جو اُن عربوں سے بولا نہیں جارہا تھا!؟ یا اس لفظ کا کوئی مقصود اور مضمون تھا اور اس کا کوئی مطالبہ اور تقاضا تھا جو اُن کو منظور نہیں تھا؟ اور وہ چیز کیا**

تھی جو اس کلمہ کی ادائیگی کی صورت میں اُن سے طلب کی جا رہی تھی اور جو اُن کو پوری طرح معلوم ہو گئی تھی اور جس کا دے دینا اُن کو کسی صورت گوارا نہ تھا؟ اِس کلمہ کی رُو سے: زندگی گزارنے کی وہ صورت کیا تھی جس پر وہ آج تک چلے آئے تھے اور وہ صورت کیا تھی جس کی جانب اُن کو بلایا جا رہا تھا یا جس کا اُن کو اندازہ تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کی صورت میں اُن کو وہ اپنانا ہو گی؟

اِس کلمہ کو اگر **بغیر کسی مضمون اور بغیر کسی مطالبے کے ہی اُن سے 'ادا' کروالیا جانا** تھا... تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قریش اِس کے مقابلے پر یوں خم ٹھونک کر آئیں اور اِس اِتنی سی بات پر ایسی خونیں کشمکش اور ایسی لامتناہی جنگ کھڑی کر لیں! پھر دیگر عرب بھی اِس کلمہ کے ساتھ آخری دم تک لڑنے کے لیے میدان میں اتر آتے ہیں...، **تو اگر اِس کلمہ کا مطلب اُن کے آئینِ حیات کی سر تا پیر تبدیلی نہیں تھا اور معاشرے میں کوئی ہل جل اور کوئی تبدیلی لے آنا اس کلمہ کا قطعی و لازمی مدلول ہی نہیں تھا تو تمام عرب کے سردار اِس کو یوں زندگی موت کا مسئلہ بنا لینے تک کیوں چلے گئے؟**

اور خاص قریش کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ وہ ماحول ہے کہ کسی قبیلے میں ایک سر بر آوردہ شاعر پیدا ہو جائے تو اُس کا سر آسمان سے جا لگتا۔ اب اگر ایک قبیلے میں نبی پیدا ہو جاتا ہے تو مارے خوشی کے اُس کا کیا حال ہونا چاہیے؟! خصوصاً قریش کے پاس تو عرب کی مذہبی پیشوائی تھی جو اس کو عرب میں سیاسی اور اقتصادی مرکزیت دلواتی تھی۔ ایک ایسے قبیلے میں نبی ظاہر ہو جائے تو اُس کی سرداری کو تو چار چاند لگ جائیں اور اُس کی سیاسی و معاشی برتری کی تو اور بھی دھاک بیٹھے، قریش کے لیے اس میں آخر ڈرنے کی کیا بات تھی؟

خالی ایک کلمہ، نہ کوئی مضمون نہ کوئی تقاضا، دنیا بھی کھری اور آخرت بھی... آخر قریش اِس سے اتنا بدکتے کیوں ہیں؟!

صاف بات ہے زندگی کا ایک دستور وہ تھا جس پر وہ تھے اور ایک دستور وہ تھا جس کی طرف اُن کو بلایا جا رہا تھا؛ اور اِن دونوں میں زمین آسمان کا فرق۔

اِن سب قضیوں کا لب لباب یہ دو قضیے تھے اور انہی پر قرآن مجید کی تمام تر ترکیز رہتی ہے:

1. ایک یہ کہ جنسِ عبادت ایک اللہ واحد قہار کی نذر کی جائے۔

2. دوسرا، خدا کے اتارے ہوئے حلال اور حرام کی اتباع ہونے لگے:

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص4 - 5)

اور انہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا، **کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا** بیشک یہ عجیب بات ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ (لقمان21)

اور جب ان سے کہا جائے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا تو کہتے ہیں **بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا** کیا اگرچہ شیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا ہو

شرک کا یہ لب لباب جو اِن دو قضیوں میں سمیٹ دیا گیا، سورۃ الانعام اور سورۃ النحل میں یکجا بیان ہوا:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا (الأنعام148)

مشرک کہیں گے کہ اللہ چاہتا تو نہ **ہم شرک کرتے** نہ ہمارے باپ دادا نہ **ہم کچھ حرام ٹھہراتے** ایسا ہی ان کے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النحل35)

مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ **ہم ہی اسکے سوا کسی چیز کو پوجتے** اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) **اور نہ اسکے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے**۔ اسی طرح ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا۔ تو پیغمبروں کے ذمے (خدا کے احکام کو) کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

چنانچہ شرک جس مصیبت کا نام ہے وہ اپنی اعتقادی صورت میں یوں سامنے آتا ہے کہ آدمی خدا کے ماسوا معبودوں کا اعتقاد رکھے۔ اور عملی صورت میں یوں سامنے آتا ہے کہ وہ اپنی عبادت کا رخ غیر اللہ کی جانب پھیر دے، اور حلال و حرام اور صحیح و غلط کے پیمانے اللہ کو چھوڑ کر کہیں اور سے لے۔

*****

ہم یہ اشارہ کر آئے ہیں کہ "انکار" اور "مخالفت" پر مشتمل یہ موقف کچھ عرب جاہلیت کے ساتھ خاص نہ تھا؛ اس سے پہلے سب جاہلیتیں اِسی وتیرہ پر رہیں۔ سورۃ الانعام اور سورۃ النحل کی یہ آیتیں اِسی تاریخی حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہیں:

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ "اِن سے پہلے بھی اِسی طرح جھٹلاتے رہے"

كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ "اِن سے پہلوں کا بھی یہی وتیرہ رہا"

ہر وہ جاہلیت جس کی جانب رسول بھیجا گیا، ہم دیکھتے ہیں اشرافیہ پوری قوت کے ساتھ رسول کا راستہ روکنے کیلئے آگے بڑھتی ہے، پوری جرأت کے ساتھ اُسکی تکذیب کرتی ہے اور اُسے اپنے موقوف سے پھیر دینے نیز اُسکے پیروکاروں کو اُس سے برگشتہ کر دینے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر دیتی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں دبے ہوئے ''جمہور''، ماسوا ایک تھوڑی تعداد، اپنے سرداروں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُنکے ساتھ مل کر انبیاء کا راستہ روکتے ہیں۔

اِس تاریخی کہانی میں ... "جمہور" کا اخلاص اپنے معبودوں کے لیے کہیں بڑھ کر نظر آتا ہے۔ معمول اور دستور سے ان کی وابستگی زیادہ پختہ ہے۔ لکڑی اور پتھر کے یہ خدا جمہور کے اِن انحرافات کو طبعی طور پر زیادہ آسودہ کرتے ہیں۔ جمہور جب ان کے لیے بھینٹ چڑھاتے یا بندگی کے کچھ دیگر مراسم ان کے آگے بجالاتے ہیں تو اپنے اِن خداؤں کے ساتھ ایک باقاعدہ قرب محسوس کرتے ہیں۔

جبکہ اشرافیہ ذرا 'روشن خیال' واقع ہوئی ہے۔ اس کے نخرے کو بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ رسول کے ساتھ ٹکر لینے میں اِن کا جو محرک ہے وہ اِن خداؤں کی عبادت میں آسودگی پانے سے بڑھ کر اپنا "اقتدار" بچانا ہے!

اشرافیہ کی وابستگی اِن معبودوں کے ساتھ حقیقی سے زیادہ علامتی ہے۔ ان معبودوں کے تحفظ کے لیے اِن کا شور اٹھانا – خواہ اِس حمیت دکھانے میں کتنی ہی گرمجوشی کیوں نہ ہو – اس کے پیچھے ان معبودوں پر اعتقاد سے بڑھ کر جو جذبہ کارفرما ہے وہ یہ کہ یہ معبود جمہور کو غلام بنا رکھنے کا ایک کامیاب و مؤثر ذریعہ ہیں! نیز یہ معبود اشرافیہ کے 'مقدس اختیارات' کا ایک روحانی، سماجی اور اخلاقی سرچشمہ ہیں!

پس اشرافیہ کو جو مسئلہ سب سے زیادہ کھلتا ہے وہ فرمانروائی کا ہی مسئلہ ہے، یعنی یہ جمہور کس کے جاری کردہ دستور پر چلیں؟ معاشروں پر اپنا حکم و آئین یہ سردار چلائیں گے... یا اللہ، بذریعہ آسمان سے نازل شدہ شریعت؟

یہ ہے وہ اصل مسئلہ جو ہر جاہلیت میں اشرافیہ کو برانگیختہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت کے ساتھ جنگ کے لیے میدان میں نکل آتی ہے۔

اب جب ان کے پاس خدا کی جناب سے باقاعدہ ایک رسول آکر کہتا ہے: "نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، عبادت اور غلامی اُس ایک کی، اُس کے سوا عبادت اور غلامی کسی کی نہیں"... تو یہ البتہ وہ بات ہے جس کو حیران پریشان ہو کر ہی سنا جائے گا!

ٹھیک ہے اختیارات پر اشرافیہ (الملأ) کے اپنے مابین کھینچاتانی رہتی ہے اور یہ جھگڑا برابر چلتا ہے کہ ان میں سے کون جمہور کو اپنا بندہ بناتا ہے، نیز کسی وقت یہ کھینچاتانی اشرافیہ اور جمہور کے اپنے مابین ہو جاتی ہے جس کا ایک اظہار جمہوریت میں نظر آتا ہے کہ کتنا اختیار اشرافیہ کے اپنے قبضے میں رہے اور کتنے ٹکڑے جمہور کو ڈال دیے جائیں تو وہ اِس پر ریجھ جائیں گے اور اشرافیہ کا کام اشرافیہ پر چھوڑ دیں گے۔ البتہ رسول آکر جب کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ، اور اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ''عبادت اور غلامی اختیار کر لو ایک اللہ کی، نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ'' تو یہاں پورے کا پورا معاملہ ہی بدل جاتا ہے۔ **یہاں کل اختیار ہی بشر کے ہاتھ سے لے لیا جاتا ہے اور اصل مالک کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو کہ خدائے لم یزل کی ذات ہے، جس کو سزاوار ہے کہ روکے اور ٹوکے۔ تحلیل اور تحریم کرے۔**

یہاں سے اَشر افیہ کا اِس لا الٰہ الا اللہ سے تنازعہ شروع ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ سے ان کا خوف کہیں زیادہ ہے بہ نسبت اپنے دنیوی حریفوں کے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے حریفوں کو بھول کر، بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ سب ایک دوسرے کے حریف مل کر، اس دعوت کے ساتھ جنگ پر اتر آتے ہیں۔ جہاں اِس جنگ میں ان گنت ہتھیار برتے جانے ہیں وہاں ایک ہتھیار "عوام" بھی ہیں جن کو اس جنگ میں خوب برتا اور جھونکا جائے گا۔ ان کو 'معبودوں' کے واسطے دے دے کر برانگیختہ کرنے کے لیے کسی وقت حقائق سازی ہو گی تو کسی وقت اِس دعوت میں پنہاں 'خدشات' پر نگاہیں مرکوز کروائی جائیں گی:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (غافر26)

اور فرعون کہنے لگا "چھوڑو مجھے، میں اِس موسیٰؑ کو قتل کیے دیتا ہوں، اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو **مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا**، یا ملک میں فساد برپا کرے گا"

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْماً مُجْرِمِينَ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ قَالَ مُوسَى أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا وَلا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا **وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ** وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ (یونس75 - 78)

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو، **فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس** اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور **وہ لوگ مجرم لوگ تھے** پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کیا یہ جادو ہے، حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے **وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے** اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْماً فَاسِقِينَ (الزخرف54)

غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی۔ اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بے شک وہ نافرمان لوگ تھے (ترجمہ جالندھری)

* * * * *

مکہ میں بھی کہانی یہی تھی...

قریش وہ اشرافیہ (ملأ) تھی جو اِس دعوت کا راستہ روکنے کے لیے میدان میں تھی۔ درحقیقت یہ قریش اور محمد ﷺ کے مابین جنگ نہیں تھی، بلکہ یہ قریش اور اس دعوت کے مابین جنگ تھی جسے رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے پیش کررہے تھے:

فَإِنَّهُمْ لاَ يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللّهِ يَجْحَدُونَ (الأنعام33)

سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

لا الہ الا اللہ کا مضمون سمجھنے کے لیے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے:

محمد ﷺ کی ذات کے ساتھ اُن لوگوں کو کوئی مسئلہ نہیں تو پھر مسئلہ ہے کس کے ساتھ؟

یہ کشمکش جب اپنے عروج کو پہنچتی ہے تو قریش رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا ایک نمائندہ بھیجتے ہیں جو آپؐ کو پیش کش کرتا ہے کہ آپؐ بادشاہت لے لیں، دولت، اور زندگی کی سب آسائشیں لے لیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس دعوت سے دست کش ہو جائیں! خاص رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے ساتھ اُن کو کوئی پرخاش ہوتی تو یہ پیش کش آپؐ کی ذات کو کیسے ہو سکتی تھی؟ یعنی یہ آدمی تو اُن کو پوری طرح قبول ہے مگر یہ جو بات کہتا ہے وہ کسی صورت قبول نہیں اور اُس سے اِس کو دست کش کرانے کیلئے ہر قیمت دی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ دعوت ناقابل برداشت ہے۔ ہاں تو اب یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جنگ اِس شخصیت کے ساتھ بھی ہو جائے جو اِس دعوت کو لے کر چلنے پر ہی بضد ہے!

* * * * *

پھر خدا کی مشیئت ہو جاتی ہے کہ اِس لا الٰہ الا اللہ پر کچھ نفوس ایمان لے آئیں اور تاریخ کی وہ منفرد ترین جماعت ظہور میں آئے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جن نفوس نے اِس لا الٰہ الا اللہ کو قبول کیا اُن کی زندگیوں نے کیا ڈھب اختیار کیا اور ان کے ہاں اِس لا الٰہ الا اللہ کا کیا مدلول ٹھہرا؟!

کیا خالی اِس بات کی تصدیق کہ اللہ ایک ہے!؟ آسمانوں کے اوپر اُس کے سوا کوئی خدا نہیں؟! مجرد اِقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب؟!

یا یہ لا الٰہ الا اللہ اُن کے نفوس میں اور اُن کے معاملاتِ زندگی کے حق میں اس سے کہیں زیادہ بھاری حقیقت تھی؟ کہیں زیادہ بھاری، اور کہیں زیادہ گہری، اور کہیں زیادہ وسیع؟!

آیئے اس کی شہادت اُن کے گردوپیش سے لیتے ہیں...

عرب ایک بکھرا شیرازہ تھا۔ اس کو اکٹھا کر دینے والے بے شمار عوامل بڑی دیر سے موجود تھے، پھر بھی وہ اکٹھا ہو کر نہ دیتا تھا۔ عربوں کی دھرتی ایک۔ ماحول اور رسم ورواج ایک۔ زبان ایک۔ ثقافت ایک۔ تاریخ ایک۔ عقائد ہر جگہ ایک سے۔ اِس کے باوجود اس نے کبھی اکٹھا ہو کر نہ دیا تھا۔ اسلام نے اِس بکھرے شیرازے کو لیا اور اُس سے "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" بر آمد کر ڈالی!

ایسا نہیں ہے کہ جزیرۂ عرب میں صرف بت ہی وہ خدا ہوں جن کو معبود بنا رکھا گیا تھا، گو تاریخ پڑھانے والی بعض کتابیں ہمیں یہی پڑھانے پر بضد ہیں کہ عرب میں غیر اللہ کی عبادت کی بس یہی ایک صورت تھی؛ تاکہ لا الٰہ الا اللہ کا یہ پورا قضیہ عبادت کی اسی لکڑی اور پتھر والی 'ظاہری' شکل میں محصور ہو کر رہ جائے! اور نہ ایسا ہے کہ عرب میں پایا جانے والا وہ فساد جس کو یہ لا الٰہ الا اللہ ختم کرانے آیا اُن خاص اخلاقی مفاسد کے اندر محصور تھا جو شراب، جوا، زنا، دختر کشی، لوٹ مار اور سماجی ناانصافی کی صورت میں بیان ہوتا ہے، باوجود اس کے کہ تاریخ کی کتابیں آج ہمیں یہی پڑھانے پر مُصر ہیں!

یہ لا الٰہ الا اللہ نفوس سے ہر قسم کا شرک دھو کر اُن کو اجلا کرتا تھا۔ شرک وہاں کوئی ایک ہی قسم کا نہیں تھا۔ شرک کی متعدد صورتیں تھیں اور ان سب کا لب لباب یہی دو بنیادی قضیے: بہت سے خداؤں کو پوجنا، اور غیر ما انزل اللہ کی اتباع۔

- "قبیلہ" ایک رب کی حیثیت رکھتا تھا، جس کی مطلق اتباع ہوتی... جیسا کہ جاہلی شاعر کہتا ہے:

وَهَلْ أنَا إلَّا مِنْ غَزِيَّةَ ، إنْ غَوَتْ
غَوَيْتُ، وَإنْ تَرْشُدْ غَزِيَّةُ أرْشَد

میرا تو سب تعلق ہے صرف اور صرف (قبیلہ) غزیہ سے۔ وہ بھٹکے تو میں لازماً بھٹکوں گا۔ وہ بھلی راہ چلے تو میں لازماً بھلی راہ چلوں گا۔

- "آباءواجداد کا عرف اور دستور" با قاعدہ رب تھا جو بے تحاشا پوجا جاتا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (لقمان 21)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ما انزل اللہ کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریق پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی کی پیروی کریں گے

- "اھواء" اور "لذتیں" محض نفس کا بہکاوا نہیں تھیں؛ با قاعدہ ایک طرزِ اعتقاد کا نام تھا، جس کے باعث یہ ایک معبود تھیں جو خدا کے ماسوا پوجا جاتا:

ألا أيهذا الزاجري أحضر الوغىٰ
وأن أشهد اللذات هل أنت مخلدي ؟ !

اے مجھے اِس بات پر معتوب ٹھہرانے والے کہ میں میدانِ خونریزی میں اترتا ہوں اور لذتوں کے مقامات پہ پایا جاتا ہوں، (میں یہ نہ کروں تو) کیا تم مجھ کو خلود بخش دینے والے ہو؟

- پھر قریش ایسے 'برگزیدہ' قبائل وہاں پر رب بنے ہوئے تھے۔ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام ٹھہرائیں۔ نیز بتوں کے نام پر احکام جاری کرنے والے "کاہن" اور "پروہت":

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَاماً وَيُحَرِّمُونَهُ عَاماً لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ [8] فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (التوبۃ 37)

مہینوں کا آگے پیچھے کرنا کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اُس کو حرام کر دیتے ہیں، تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں اور اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيباً فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلادَهُمْ سَفَهاً بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (الانعام 140 - 136)

اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو خدا کا اور یہ ہمارے شریکوں کا تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو خدا کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ خدا کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے یہ کیسا برا انصاف ہے۔ اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اور اگر خدا چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔ اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چار پائے اور کھیتی منع ہے اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چار پائے ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے سب خدا پر جھوٹ ہے وہ عنقریب ان کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چار پایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں

(یعنی اسے مرد اور عورتیں سب کھائیں) عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ جن لوگوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور خدا پر افترا کر کے اس کی عطا فرمائی کی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ گھاٹے میں پڑ گئے وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔

شرک کی اِن تمام صورتوں کے مد مقابل، جو کہ ظاہر ہے بتوں کی پوجا میں قید نہ تھیں، سب کو ایک درجے کی بربادی قرار دیتے ہوئے، قرآن ان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے تحت شرک سے نکل آنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اِس شرک سے اور شرک کے اِن تمام مظاہر سے اُن کے نفوس کو بھی پاک کیا جانا تھا، ان کے قلوب کو بھی، وجدان اور احساسات کو بھی، رویے اور سلوک کو بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا وہ جہادِ عظیم جو مکہ میں تیرہ سال تک چلا شرک کی اِن سب صورتوں پر تیشے برسانے سے عبارت تھا۔

مر کر جی اٹھنے اور حساب کے لیے پیش ہونے کا تصور اُن کے ذہنوں میں بٹھانے پر بلاشبہ محنت ہوئی، اور قرآن نے مکہ میں مشرکین کو جو خطاب کیا اُس کا ایک بڑا حصہ اسی بعث بعد الموت کے مسئلہ نے لیا۔ وجہ یہ کہ علمِ خداوندی کی رُو سے یومِ آخرت پر ایمان ہی وہ چیز ہے جو شرک میں گڑے ہوئے اِن انسانوں کو اس دلدل سے نکال لانے اور شرک کی جملہ انواع سے اُن کو پاک کرنے کے لیے مطلوب ہے۔ جو شرک دلوں تک اترا اور ذہنوں کے اندر جما بیٹھا ہو اُس کو وہاں سے کھرچنے کے لیے ایمان بالآخرت کے سوا کیا چیز کام دے سکتی ہے۔ نفوس کو اس توحید پر برقرار رکھنے اور اس کے تقاضوں کو نفوس میں گہرا اتارنے کے لیے ایمان بالآخرت کے سوا کونسا نسخہ ہے۔ **شرک وہ جرم ہے جس کی پاداش اِس محدود جہان میں ممکن ہی نہیں۔ توحید اور اس سے پھوٹنے والے اعمال وہ خوبی ہے جس کی جزا اس فانی جہان میں سمانے کی ہی نہیں۔** یوں یہ لا الٰہ الا اللہ اِس جہان کا نہیں بلکہ ایک ابدی جہان کا مسئلہ ٹھہرتا ہے اور اِس محدود جہان سے اور اس کی خوشیوں اور غموں اور اس کی راحتوں اور اس کی مصیبتوں سے ماوراء ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ایمان بالآخرت کا مسئلہ بدستور لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ رہتا ہے۔

*****

اِس لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے نفوس کو شرک سے اور شرک کی تمام صورتوں اور تمام رنگوں سے آزاد کرالیا گیا؛ اور نفس کے وہ سب خطے جہاں شرک بستا تھا اُن میں خالص اللہ کی عبادت بھر دی گئی... تو اَب اِن نفوس میں ایک حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی، گویا یہ کوئی نیا جنم تھا۔

خالی اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب نہیں، ایک بالکل نیا جنم!

توحید، جیسا کہ ہم نے اپنی کسی اور کتاب میں ذکر کیا، نفس کے ذرات کو بالکل ایک نئی ترتیب دے ڈالنا ہے؛ عین وہ تاثیر جو لوہ چون پر مقناطیس کے عمل سے ہوتی ہے؛ لوہے کے بے جان ذرات میں ایک کرنٹ دوڑ جاتا ہے!

وہ "حق" جو زمین وآسمان کی ساخت میں بولتا ہے، اُس کی راہ پا لینے اور اُس کی جانب یکسو ہو جانے سے نفس پر ایک عجب واردات گزرتی ہے۔ جہان کی سب سے بڑی حقیقت لا الٰہ الا اللہ اس پر آشکار ہوتی ہے تو یہ اپنی اُس بے جان حالت سے نکل آتا ہے۔ وہ "حق" اِس پر بجلیاں گراتا ہے تو اِس کی سکنات چلی جاتی ہیں اور یہ زندگی، حرکت اور حرارت ایسے بے شمار مفہومات سے آشنا ہوتا ہے۔

جھوٹے ارباب اور آلہہ جو اِس نفس پر براجمان تھے، قلب پر چڑھے بیٹھے، روح پر قابض، سوچ پر حاوی اور رویے اور سلوک میں بولتے تھے... اِن ارباب اور اِن آلہہ کو یہاں سے اٹھا دینے کے بعد یہاں اللہ واحد قہار کی محبت، خشیت، طلب، چاہت اور عبادت گھر کر لیتی ہے، تو کیسے ہو سکتا ہے اِس زندگی میں ایک نیا واقعہ جنم نہ لے!

یہ جھوٹے آلہہ جیسے ہی گرے، اُن سے وابستہ سب عُرف، رواج، دستور دھڑام دھڑام گرنے لگے۔ ان کا اہتمام اور التزام کرانے کے سب آداب تہِ خاک ہوئے...

"قبیلہ" اپنی وہ حیثیت کھو گیا جو اِس لا الٰہ الا اللہ سے پہلے اُس کو حاصل تھی۔ "قومی روایات" اور "آباء واجداد کا طریقہ ودستور"[2] آسمان کی اِس روشنی میں حرفِ غلط ٹھہرا۔ موروثی عادات و رُسوم کو پرِ کاہ کی حیثیت بھی حاصل نہ رہی۔ نہ خون کے رشتے اور نہ مفادات کے رشتے، کوئی

---

(2) دورِ حاضر میں دستورِ آباء کا ایک متبادل "رائے عامہ" کے عنوان سے معروف ہے۔ (محمد قطب)

چیز ایسی نہ رہی جو اِن نفوس کو جوڑ سکے یا توڑ سکے۔ اِن کا جڑنا اب توحید کے لیے، اور ان کا ٹوٹنا اب توحید کے لیے...

اور دنیا کے یہ رشتے ہی کیا، خود یہ دنیا... اپنے سب دستوروں اور اپنے سب بندھنوں سمیت مچھر کے پر برابر حیثیت نہ رکھنے لگی۔ دنیا کی سب رنگینیاں اور سب لطافتیں اِس لا الہ الا اللہ کے مقابلے پر اپنا سب لطف اور لذت کھو دینے لگیں۔ اشیاء کے مول اور قدریں طے کرنے والی اب یہ "دنیا" نہ تھی بلکہ اس کے لیے "آخرت" کا میزان نصب تھا!

یہی لا الہ الا اللہ اجتماع کا محل اور یہی افتراق کا۔ ٹوٹنا اور جڑنا بس اب اِسی بنیاد پر... دل اس سے جڑتے ہیں تو پھر اسی کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اور پھر اِس کے ماسوا کسی چیز کے گرد جمع ہونے کے روادار نہیں رہتے۔ اور وہ جو اِس رشتے کو گلے لگاتے ہیں تو باقی سب رشتے ان کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ قوم، ملک، سلطنت، رنگ، نسل، زبان... کوئی چیز اِن کی اجتماعیت کی اساس نہیں رہتی؛ "عقیدہ" اِن سب کو ہٹا کر ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ جتھہ بندی ہو گی تو اب لا الہ کی بنیاد پر؛ اجتماع و شیرازہ بندی کی سب پرانی اشکال ہمیشہ کیلئے متروک اور کالعدم۔

پھر رسول اللہ ﷺ جو ان کو اس لا الہ الا اللہ کی راہ دکھلانے آئے اور جن کے ذریعے یہ رسالت ان تک پہنچی... طویل ساعتیں ان کو دار الارقم میں لے کر بیٹھتے ہیں، جہاں تاریخ انسانی کا وہ عظیم ترین عمل انجام پاتا ہے؛ یعنی تاریخ کے منفرد ترین جتھے کی تربیت، جس کا محور ہے مطالباتِ لا الہ الا اللہ اور اخلاقیاتِ لا الہ الا اللہ۔ اور یہاں سے تاریخ کے اسٹیج پر "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا ظہور ہوتا ہے...

"شہادت" نہ کہ محض 'اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب' !

کثیر خلقت کا خیال ہے: یہ لا الہ الا اللہ اسلام کی اُس پہلی پود سے تو اپنے اُن تمام تر تقاضوں اور اپنے تمام تر آثار کے ساتھ ہی مطلوب تھا، کیونکہ اس سے پہلے وہ تھے ہی مشرک! البتہ اگر ان کو کوئی ایسی (خصوصی) صورتحال درپیش نہ ہوتی تو اُن سے جو کل مطلوب ہوتا وہ یہی "اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب" ہوتا!!

اور یہ وہ زیادتی ہے جو "اِرجائی فکر" امتِ اسلام کے حق میں کرتا چلا آیا ہے۔ یہ وہ فکر ہے جو کچھ دیگر عوامل کے ساتھ مل کر لا الٰہ الا اللہ کو اُس کے اصل مضمون content سے خالی کر دینے کے لیے کوشاں رہا ہے؛ جس کے نتیجے میں یہ کلمہ اندر سے کھوکھلا اور روح سے سراسر خالی کر کے رکھ دیا گیا۔

قبل اس کے کہ ہم "ارجاء" کی کج فکری زیر بحث لائیں، ہم ذرا دیر کیلئے یہ جائزہ لیں گے کہ اہل ایمان کے ساتھ اِس لا الٰہ الا اللہ کی مدینہ میں کیا صورت رہی تھی۔

جیسا کہ ہم نے کہا، اِس لا الٰہ الا اللہ پر بات ہونا مدینہ جا کر موقوف نہیں ہو گیا تھا؛ کیونکہ یہ وہ بات ہے ہی نہیں جسے آپ ایک بار کہہ دیں تو پھر اگلے کسی موضوع کی طرف منتقل ہو جائیں؛ بلکہ یہ وہ بات ہے جو پہلے آدمی کو اِس راہ پر لاتے وقت بتلائی جاتی ہے، اور پھر جب ایک بار وہ راستے پر چڑھ آتا ہے تو پورا راستہ اُس کے ساتھ یہی بات چلتی ہے؛ اسے چھوڑ کر آپ نئے موضوع کی جانب منتقل نہیں ہوتے بلکہ اِس کو ساتھ لے کر ہی آپ ہر نئے موضوع کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔

اِس بات کو واضح کرنے کے لیے مدنی سورتوں سے چند نمونے دیکھ لیتے ہیں:

"البقرۃ" بے شمار موضوعات پر مشتمل ایک سورت جو قیامِ ریاست کے بعد، ایک نوخیز معاشرے کی تنظیم اور تعمیر کا آغاز کراتی ہے: اِس کی ابتداء اہل ایمان کا وصف بیان کرنے سے ہوتی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اعتقاد راسخ اور درست شکل پر تشکیل پا چکا ہے، اور جو اپنا تصور اور اعتقاد درست کر لینے کے بعد اُن عبادات کی ادائیگی پر یکسو ہیں جو خدا نے ان پر عائد فرما رکھی ہیں:

الم ذَلِكَ الْكِتَابُ لا رَيْبَ فِيهِ هُدىً لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُولَئِكَ عَلَى هُدىً مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرۃ 1-5)

الم۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے۔ خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد ﷺ) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اب یہاں جو "مومنون"، "متقون" اور "مفلحون" ہمارے سامنے آتے ہیں، جو نہ صرف "اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب" کی شرط پوری کر چکے ہیں بلکہ نماز اور زکاۃ کے معاملہ میں بھی نہایت خوب پورا اتر رہے ہیں، اور جبکہ یہی وہ دو عبادتیں ہیں جو اُس وقت تک کے لیے اُن پر فرض تھیں... ان کو 'مزید' کیا ہدایات دی جاتی ہیں؟

کیا اُن کو اب یہ کہا جاتا ہے کہ تم سے جو مطلوب تھا وہ پورا ہوا اور معاملہ ختم...؟ چلیں کچھ فرائض کو ابھی باقی مان لیتے ہیں؛ تو کیا اب اِن 'باقی ماندہ فرائض' کی کوئی فہرست اُن کو جاری کر کے دی جاتی ہے کہ مزید تمہیں اب یہ اور یہ کرنا ہے اور یہ اور یہ ذمہ داری نبھانی ہے؟

یا پھر... اُن کو کوئی ایسی بات بتائی جاتی ہے جو وہ اِس سے پہلے بہت بار سن چکے ہیں؟ تا کہ اُن کو معلوم ہو کہ حقیقتِ ایمان جس چیز کا نام ہے وہ محض 'اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب' سے پوری نہیں ہو جاتی؟ اِس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقیقت اپنی اُسی روح کے ساتھ بار بار اور مسلسل اپنے آپ کو دہرائے؛ اور اس کا اعتبار اُس وقت تک نہیں جب تک کچھ معیّن اعمال اُس کا واقعاتی ثبوت نہ بنیں:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ **أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** (البقرۃ 177)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور خرچ کرے اپنا مال اللہ کی محبت میں رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر، اور قائم کرے نماز اور ادا کرے زکوٰۃ، اور وہ لوگ کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں ثابت قدم رہ کر دکھائیں... یہی ہیں ہیں راستباز اور یہی ہیں متقی۔

پھر "آلِ عمران" ہے تو یہاں شروع سے لے کر آخر تک لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ چلتا ہے، اور جس کا آغاز ہی اِن کلمات سے ہوتا ہے:

الم اللَّهُ لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدىً لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ .. (آل عمران 1-4)

الف لام میم۔ اللہ، جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، جو الحی ہے، القیوم ہے۔ اتارنے والا تجھ پر کتاب بر حق، جو تصدیق کرنے والی ہے اس سے پہلے اترنے والی کتابوں کی، اُسی نے اتاری اس سے پہلے تورات اور انجیل، انسانوں کی ہدایت کے لیے، اور اب یہ فرقان اتارا۔

سورت میں آپ جابجا دیکھتے ہیں اصولِ عقیدہ ہی کا تقرر ہوتا چلا جارہا ہے۔ مسلسل عقیدہ کا بیان چلتا ہے؛ اسلوب نہایت زوردار اور فیصلہ کن۔ "ایمان" کے شجر سے "اعمال" پھوٹتے چلے جاتے ہیں جو کہ ایمان کے واجبات اور مطالبات کہلاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑا مطالبہ اب "قتال" کی صورت میں سامنے آتا ہے؛ اِس لا الٰہ الا اللہ کو زمین میں تمکین دلوانے کے لیے اور دھرتی پر اِس کے پیر جمانے کے لیے۔ "قتال" کا یہ سبق پیرائے بدل بدل کر جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ ہم اس آخری سبق پر پہنچ جاتے ہیں؛ جہاں عمل کو ایمان سے برآمد کرانے کی تربیتی جہتیں اپنے عروج پر چلی جاتی ہیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ رَبَّنَا

إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَاباً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ

(آل عمران 190 - 195)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تونے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔ اے پروردگار جس کو تونے دوزخ میں ڈالا اسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے اے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔ اے پروردگار تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کیے ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجو کچھ شک نہیں کہ تو خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ تو ان کے پرردگار نے ان کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا تم ایک دوسرے کی جنس ہو تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے میں ان کے گناہ دور کردوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (یہ) خدا کے ہاں سے بدلہ ہے اور خدا کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

چنانچہ یہ مومنین صادقین... جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے ہیں، اعضاء سے لے کر دل تک یہاں خدا کی تعظیم بستی ہے، صبح شام یہ آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں، اور بار بار اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں ہوا بلکہ ایک حق پر پیدا

ہوا اور حق پر قائم ہے، اور یہ حق متقاضی ہے کہ انسان نام کی مخلوق اپنے دنیوی اعمال کا حساب دینے کے لیے ایک دن مالکِ کائنات کی بارگاہ میں کھڑی ہو، یعنی لازم ہے کہ مر کر جی اٹھنا اور حساب اور جزا کے مراحل سے گزرنا پڑے، تو اب یہ لوگ دوزخ سے خدا کی پناہ مانگنے لگتے ہیں اور سرخرو ہو جانے کے لیے دعا گو ہوتے ہیں۔ اپنی دعاء میں جو وسیلہ پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ انہوں نے ایمان کی منادی کرنے والی ایک ہستی ﷺ کو محض سن کر ایمان کی راہ اختیار کرلی؛ اور اب اِس پر وہ خدا کے ہاں باریابی کے خواستگار ہیں۔ ایسے اعلیٰ پائے کے مومن، اوپر سے ایسی ایسی مناجات؛ اب جواب آتا ہے: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ "پروردگار نے ان کی سن لی"۔ مگر کس چیز کے بدلے سن لی؟ کیا محض "اقرارُ" اور "تصدیقٌ" کے بدلے؟ کیا محض تفکر اور تدبر کے عوض؟ کیا اُس ہمہ وقتی ذکر کے سبب؟ کیا اُس گریہ زاری کے عوض اور محض اُن دعاؤں اور مناجاتوں کے طفیل؟ یا کسی ایسی چیز کے عوض جو اِن سب باتوں کا ایک واقعاتی "تقاضا" اور عملی "ثبوت" ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لا أُضِيعُ **عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ** پروردگار نے ان کی سن لی کہ: میں کسی **عمل** کرنے والے کے **عمل** کو ضائع نہیں کرتا

یہاں ہے وہ تربیتی نکتہ: جو چیز خدا کو "مطلوب" ہے، اور جس پر وہ "ان کی سن لیتا ہے"، وہ یہ کہ... یہ تفکر، یہ تدبر، یہ یادِ الٰہی، یہ دعاء و مناجات اور یہ حمد و تسبیح **ایک جیتے جاگتے عمل میں ڈھلے**۔ چونکہ وہ عمل جس کا یہ سورت جابجا ذکر کرتی آئی ہے وہ جہاد ہے جو اِس لا الٰہ الا اللہ کو زمین میں تمکین دلوانے کے لیے اِس کے دعویداروں پر فرض ہے؛ لہٰذا سورت نے یہاں پر "عمل" کی اُن انواع کا ذکر کیا جو اِس سورت کے عمومی سیاق کے موافق ہو؛ چنانچہ یہاں "عمل" کے جو نمونے ذکر ہوئے وہ ہیں: وہ لوگ جو اِس لا الٰہ الا اللہ کی خاطر ہجرتوں میں لگے ہیں، جو اِس لا الٰہ الا اللہ کی خاطر اذیتیں سہہ رہے ہیں، جو اِس راہ میں مارے جا رہے ہیں اور اِس کی خاطر ہتھیار اٹھا کر کھڑے ہیں... ان کی خدا نے سن لی!

اِس وجہ سے نہیں کہ دین میں بس یہی اعمال آتے ہیں اور دوسرا کوئی بھی عمل نہ ہو تو خدا ایسے لوگوں کی سن لیتا ہے؛ بلکہ اِس وجہ سے کہ سورت کے عمومی سیاق کے ساتھ اِنہی اعمال کا ذکر ایک خاص مناسبت رکھتا ہے۔

پھر سورۃ النساء، جس میں یا أیھا الذین آمنوا کے الفاظ سے خطاب کر لینے کے بعد ایمان کا حکم دیا جاتا ہے، اور ایمان بھی اُنہی اشیاء پر جن پر وہ اس سے پہلے ایمان لا چکے ہیں... ایمان کے بہت سے عملی جوانب لے کر آتی ہے۔ یہ بتانے کے لیے کہ ایمان صرف اس چیز کا نام نہیں کہ قلب ووجدان تو ایمانی احساسات سے لبریز ہوں جبکہ رویے اور سلوک میں اور عملی تصرفات کے اندر یہ حقیقت بول تک نہ سکے؛ عمل اور سلوک میں اور معاملاتِ زندگی کے اندر وہی اھواء اور وہی قومی عرف اور دستور اور باپ دادا سے چلے آئے ہوئے طریقے اور روایات چلیں۔ تقسیم ترکہ کے احکامات نازل کیے جاتے ہیں تو اس کو ایمان کی عین اسی حقیقت کے ساتھ جوڑا جاتا ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَن يَعْصِ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ (النساء13 - 14)

یہ (تمام احکام) خدا کی حدیں ہیں۔ اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا خدا اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔

اور اِس بنیاد پر ان کو خانگی، سماجی، سیاسی، معاشی اور جنگی ہدایات دینے کا عمل جاری ہو جاتا ہے، اور اُس مرجع reference کا خصوصی ذکر، جو اِس پورے معاملے میں اصل مرکزی حیثیت رکھتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ **فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ** بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ.. (النساء59)

اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اِن سب امور کو لوٹا دینا اللہ کی طرف اور اُس کے رسولؐ کی طرف، اور سب معاملاتِ زندگی کو اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے پر چلانا... اِس کو باقاعدہ جوڑا جاتا ہے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان کے ساتھ، اور وہ بھی باقاعدہ ایک شرط بنا کر:

إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخر پر۔

پھر بتایا جاتا ہے کہ رسولوں کو وہ محض 'پیغام رسانی' کے لیے نہیں بھیجتا؛ کہ چلیں رسول نے بات پہنچادی اور معاملہ ختم، "اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب" تو ہی ہو چکا، بلکہ فرمایا کہ رسول کو وہ اس لیے بھیجتا ہے کہ زمین پر مطلق اُس کی اطاعت ہو:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ..(النساء:64)" ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے"

اور پھر اپنے بے شمار حکم اور فیصلے سنا دینے کے بعد، اور اوامر اور نواہی اور ہدایت نامے کثیر تعداد میں جاری فرما دینے کے بعد، "الذین آمنوا" کو ان کا پابند کرایا جاتا ہے تو معاملے کی سنگینی ایک بار پھر ان پر واضح کی جاتی ہے کہ ایمان محض تمنائیں اور آرزوئیں کر لینے کا نام نہیں، بلکہ یہ اُس "تصدیق" کا نام ہے جو قدم قدم پر "عمل" کی صورت میں اپنا ثبوت دیتی ہے:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءاً يُجْزَ بِهِ وَلا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيّاً وَلا نَصِيراً **وَمَنْ يَعْمَلْ** مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلا يُظْلَمُونَ نَقِيراً (النساء123 - 124)

(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص برے عمل کرے گا اسے اس کا بدلا مل کر رہے گا اور وہ خدا کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مدد گار۔

اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

اس کے بعد سورۃ المائدۃ ہے جس کی ابتدا میں ہی دین کی تکمیل ہو جانے کا اعلان کیا جاتا ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً (المائدۃ 3)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے

یہ پوری سورت اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حلال کیا ہے اور کیا حرام۔ کھانے سے لے کر پینے کی اشیاء تک، اور بیاہ سے لے کر دیگر معاملاتِ زندگی تک، "الذین آمنوا" سے مسلسل خطاب ہے اور ایک کے بعد ایک ہدایت جاری کی جا رہی ہے، شروع سورت ہی اِس لفظ سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ.. اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

اور یہ وہ سورت ہے جس میں خدا کی اتاری ہوئی شریعت کی جانب تحاکم (فیصلے لے کر جانا) کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کر لیتا ہے، اس شریعت کے سوا ہر شریعت سے دستبردار ہو جانا ایمان کا ایک سنگین ترین مسئلہ قرار پاتا ہے، بلکہ یہ بیان کر دیا جاتا ہے کہ حکم و دستور دنیا کے اندر رہیں ہی دو قسم کے؛ تیسری کوئی قسم ہی نہیں ہے: یا حکمُ اللہ ہے یا حکمِ جاہلیت؛ یا دستورِ خداوندی یا دستورِ جاہلیت:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْماً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدۃ: 50) تو کیا یہ لوگ **جاہلیت کا فیصلہ** چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک **فیصلہ کرنے میں اللہ** سے بہتر کوئی نہیں ہے

نیز یہ کہ جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی کافر، ظالم، فاسق ہیں:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدۃ: 44)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدۃ: 45)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدۃ: 47)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں

اور یہی حال باقی سب مدنی سورتوں کا ہے۔ سب جگہ "الذین آمنوا" سے خطاب ہے، یعنی... جو لوگ بہت پہلے 'اقرار اور تصدیق' کر آئے ہیں، ان پر جا بجا واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ "اقرار اور تصدیق" جو تم مکہ سے ساتھ لے کر آئے، حتیٰ کہ مکہ سے تمہارا ہجرت کر آنا، جبکہ یہ ہجرت ایمان کا ایک کٹھن فرض تھا جو تم نے نہایت خوب پورا کیا، نیز وہ انصار جنہوں نے "اقرار اور تصدیق" کا فرض بہت پہلے پورا کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تم نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے لیے اپنے گھر نہیں بلکہ دل کھول کر رکھ دیے تھے... تمہارا یہ سب کچھ کر لینا ایمان کے اِن تازہ فرائض اور ذمہ داریوں اور اِن مزید اوامر و نواہی سے کفایت کرنے والا بہر حال نہیں، بلکہ اُس سب کا معتبر رہنا اب اِس بات سے جڑ گیا ہے کہ جو کچھ خدا کی جناب سے آئے وہ تمہارے یہاں مطلق اطاعت اور تابعدری پائے... نیز یہ کہ: یہ ہے کسوٹی اُن کے "اقرار" اور "تصدیق" کو جانچنے کے لیے، اور یہ کہ ان کا یہ "اقرار" اور "تصدیق" اگر اس کسوٹی پر پورا اتر کر نہیں دیتا تو وہ "نفاق" ہے جو خدا کے ہاں قبول نہیں ہوتا بلکہ نفاقِ اکبر کی جو سزا ہے وہ تو جہنم کا بھی درکِ اسفل ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلالاً بَعِيداً... **فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً** (النساء 60-65)

اے نبیؐ! تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے

جانا چاہتا ہے... ... نہیں، اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ **وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ** وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور47 - 52)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف، تاکہ رسول ان کے آپس کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق کترا جاتا ہے۔ البتہ اگر حق ان کی موافقت میں ہو تو رسول کے پاس بڑے اطاعت کیش بن کر آجاتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں کو (منافقت کا) روگ لگا ہوا ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ ظالم تو یہ لوگ خود ہیں۔ ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور کامیاب وہی ہیں جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا (النساء145)

یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائینگے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے۔

یہ ہے "ایمان" کی وہ تصویر جو ہمیں مدنی سورتیں دکھاتی ہیں؛ اول تا آخر لا الٰہ الا اللہ کے حدود اور مطالبات۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ **جس دن یہ دین مکمل ہوتا ہے لا الٰہ الا اللہ یہاں**

زندگی کے ایک پورے منہج کے طور پر سامنے آجاتا ہے، اس کا ایک گوشہ اعتقاد ہے۔ ایک گوشہ عبادت ہے۔ اور ایک گوشہ عمل اور سلوک اور رویہ اور اخلاق۔

مکی سورتیں اگر اِس لا الٰہ الا اللہ کے اعتقادی جوانب پر زیادہ زور دیتی ہیں مانند اللہ، آخرت، ملائکہ، کتاب، انبیاء، اور قدر پر ایمان، نیز لا الٰہ الا اللہ کے اخلاقی جوانب اور مکہ میں اب تک فرض ٹھہرا دیے جانے والے شعائرِ عبادت پر توجہ مرکوز کرواتی ہیں... تو مدنی سورتیں مسئلۂ حاکمیت پر خاص زور دیتی ہیں اور خدائی شریعت کو دستور بنا رکھنے اور غیر اللہ کی شریعت سے مطلق دستبرداری کروا دینے پر توجہ مرکوز کراتی ہیں؛ بلکہ اس کو ایمان کی کسوٹی ٹھہراتی ہیں؛ اور اس کے ساتھ اخلاقی جوانب پر زور صرف کرواتی ہیں اور تفصیلِ احکام کے ساتھ ساتھ مدینہ میں مشروع ٹھہرائی جانے والی عبادات پر توجہ مبذول کرواتی ہیں...

تاہم یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ حاکمیت کا یہ مسئلہ مدینہ میں جا کر ہی بیان ہونے لگا۔ حاکمیت یعنی تشریع کا حق ایک اللہ کو ہے، حلال اور حرام کا تقرر صرف اُس کو سزاوار ہے۔ روکنا اور ٹوکنا صرف اُس کو سزاوار ہے اور کوئی بشر اِس میں اُس کا شریک نہیں، اور یہ کہ اُس کے اتارے ہوئے کی جگہ پر تشریع کرنا اور انسانوں کے لیے روا و ناروا کے پیمانے صادر کرنا اُس کے ساتھ شرک ہے، نیز "ما أنزلَ الله" سے متصادم تشریع کرنے والوں کی اطاعت کا دم بھرنا اللہ کے ساتھ شرک ہے...

یہ سوچنا ایک بہت بڑی غلط فہمی ہوگی کہ خدا کے اِس حق کا مسئلہ، جسے ہم نے حاکمیتِ خداوندی کہا ہے، مدینہ میں جا کر سامنے آیا جہاں تشریعات نازل ہونے لگی تھیں اور مسلمانوں کی زندگی کو ایک خاص ڈھب پر چلائے جانے کا عمل اپنے بے شمار پہلوؤں سے انجام پانے لگا تھا۔ حق یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایک نہایت صریح اور فیصلہ کن انداز میں مکہ کے اندر ہی سامنے لے آیا گیا تھا اور ایک سے زیادہ مکی سورتوں میں اس کا بیان امر کر دیا گیا تھا، اور وہ بھی باقاعدہ اصولِ اعتقاد کی صورت میں، اور لا الٰہ الا اللہ کے اخص الخاص معانی کے بیان کے سیاق میں، نہ کہ فضائل اور سلوک کے ضمن میں۔

اب یہ ایک مکی سورت ہے:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ (الأعراف: 3)

لوگو، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو

یہ آیت کیا معنٰی دیتی ہے؟

یہی کہ لوگ دو حالتوں سے باہر نہیں؛ ایک ایمان ہے اور دوسری شرک۔

ایمان کا حکم دیا جاتا ہے: اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

اور شرک سے ممانعت: وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

اِسی سورۃ الاعراف میں پھر یہ آیت آتی ہے:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الأعراف:54) آگاہ رہو! تخلیق بھی اُس کی حکم بھی اُس کا

اِس آیت میں حصر restriction کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور جبکہ "امر" کا لفظ مطلق آیا ہے؛ یعنی آسمانوں میں بھی حکم اُس کا اور حیاتِ انسانی میں بھی حکم ایک اُسی کا۔ اور اس کا تعلق براہِ راست اُس کے خالق ہونے کے ساتھ ہے؛ یعنی جس نے اِس مخلوق کو پیدا کیا ہے وہی اس مخلوق کو حکم بھی دے سکتا ہے، اُس کے سوا نہ کوئی پیدا کرے اور نہ حکم دینے کا حق رکھے۔

اور یہ سورۃ الشوریٰ، جو کہ ایک مکی سورت ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (الشوریٰ: 10) تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے وہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں

یہ آیت بھی اُسی اصول کا تقرر کرتی ہے؛ یعنی سب انسانی نزاعات کو خدا کی جانب لوٹایا جانا، اور فرمایا "من شیءٍ" یعنی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز کیوں نہ ہو، علی الاطلاق، "فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ"، حکم اور فیصلہ خدا کا۔ کسی چیز کا حلال ہونا، حرام ہونا، مباح یا مکروہ یا مستحب ہونا، شریعت کی رو

سے طے ہو گا۔ اِس سے متصل پہلے کی آیت بھی عین وہی مبحث بیان کرتی ہے جو پیچھے سورۃ الاعراف کی آیت میں گزرا:

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الشوریٰ: 9) تو کیاان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر سرپرست پکڑ لیے ہیں، تو پھر اللہ ہی ہے سرپرست، اور وہی ہے مردوں کو زندہ کر لینے والا، اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

پس حکم اور قانون کا معاملہ ہر ہر چیز میں اللہ کی طرف لوٹا دینا ایمان ہے، اور اس سے سرتابی کرنا اللہ کے ماسوا سرپرست پکڑ لینا، جو کہ شرک ہے، اور نرا باطل ہے، کیونکہ اللہ ہی ہے سرپرستِ برحق، جو مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور قادرِ مطلق ہے۔

پھر اسی سورت میں ذرا آگے چل کر یہ مقام آتا ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (الشوریٰ:21) کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں جنہوں نے اِن کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اِذن نہیں دیا؟

تاہم سورۃ الانعام کی آیات شاید اس سے کہیں زیادہ مفصل ہیں:

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَماً وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ **إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ** وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيراً لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْأِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْأِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ وَلا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ **وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ** (الأنعام 114 - 121)

تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے؟ اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے)

کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اور اے محمدﷺ! اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ در حقیقت تمہارا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے۔ پھر **اگر تم لوگ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو** تو جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُس کا گوشت کھاؤ۔ تم کھلے گناہوں سے بھی بچو اور چھپے گناہوں سے بھی، جو لوگ گناہ کا اکتساب کرتے ہیں وہ اپنی اس کمائی کا بدلہ پا کر رہیں گے۔ اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ، ایسا کرنا فسق ہے شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں لیکن **اگر تم نے اُن کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔**

اِس مقطع کا آغاز ہی اِس انکاری سوال سے ہوتا ہے: **أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَماً** یعنی "کیا میں اللہ کے ماسوا کسی کو فیصل مان لوں"؟ جس کا مطلب ہے، حاکمیت ہے ہی اللہ کی۔ وہی ہے جس کو فیصل مانا جائے گا، اور کسی اور کی یہ حیثیت نہیں کہ کسی مسئلے میں اُس کی بجائے کسی اور کے فیصلے کی طرف رجوع ہو۔ پھر یہ سوال اٹھانے کے بعد آیت کہتی ہے: **وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً** "جبکہ وہ ہستی ہے جو تمہاری طرف کتاب کو مفصل صورت میں اتار چکی ہے"، جس کے بعد کسی کے پاس کوئی حجت ہی نہیں رہ جاتی؛ یہ مفصل کتاب ہے، اس نے کوئی چیز بیان کرنے سے چھوڑی ہی نہیں ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ یہ ایک مکی سورت کی مکی آیت ہے؛ جبکہ مکہ میں وہ سب کے سب احکام اور تشریعات نازل ہی نہیں ہوئے تھے جو لوگوں کو اپنی روزمرہ حیات میں درکار ہیں، بلکہ یہ بیشتر احکام اور تشریعات مدینہ میں جا کر نازل ہوئے ہیں۔ پس وہ تفصیل جس کی طرف مذکورہ بالا آیت اشارہ کرتی ہے تفصیلِ احکام (یعنی تفصیلِ فروع) نہیں ہے؛ بلکہ یہاں پر اشارہ اُس عظیم تر مسئلے کی تفصیل کی جانب ہے جس کو ہم نے خداوند

لاشریک کی حاکمیت کہا ہے، اور جو کہ اصلِ اعتقاد کا مسئلہ ہے۔ جس کی رو سے آدمی کا اعتقاد ہی درست تسلیم نہیں ہوتا جب تک وہ ہر اُس بات کی اِلزامی binding حیثیت اصولاً تسلیم نہ کر لے جو خدا کی جانب سے آئی ہو، خواہ وہ بات تھوڑی ہو یا زیادہ، اعتقاد سے متعلق ہو یا اخلاق سے یا احکام اور معاملات سے۔

اگلی آیت یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ کا فرمان ہی فیصلہ کن ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ یہی مطلق سچائی ہے اور یہی مطلق عدل، اور وہ جو کلمات بول دے کوئی ان کو تبدیل کر دینے والا نہیں۔ اور اس کے بعد کی آیت بتاتی ہے کہ جو شخص خدا کے فیصلے سے اعراض کرتا ہے وہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور وہ محض گمان کا پیروکار ہے جس کو کسی صورت ہدایت یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔

اور یہ سب ابھی مقدمات ہیں جو اس کے بعد آنے والی بات کے لیے بنیادیں ڈالنے اور قواعد اٹھانے کا کام کر رہے ہیں، جبکہ وہ مسئلہ جس کی بنیادیں ڈالی جا رہی ہیں یہ ہے کہ تحلیل اور تحریم اللہ کا حق ہے اور یہ فیصلہ کرنا اُس کا اختیار ہے۔ یہی مسئلہ اہل ایمان کی پوزیشن بھی متعین کرتا ہے اور یہی مسئلہ اہل شرک کی پوزیشن بھی متعین کرتا ہے۔ **یعنی یہ مسئلہ باقاعدہ طور پر انسانوں کو مومن اور مشرک میں تقسیم کرتا ہے۔** وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ کیونکہ انہوں نے ایک جاہلی تشریع کی اطاعت کی ہے جس کی اللہ نے کوئی سند اور حجت نازل نہیں فرما رکھی۔

یہاں سے واضح ہوا، حاکمیتِ خداوندی کا یہ مسئلہ مدینہ میں جا کر بیان ہونا شروع نہیں ہوا گو عملاً تشریعات مدینہ میں جا کر زیادہ نازل ہوئیں۔ واضح طور پر؛ یہ مسئلہ مکہ میں ہی بیان ہونے لگا تھا جب نفوس میں اِس عقیدہ کی بنیادیں ڈالی جا رہی تھیں۔ ہاں مدینہ میں جا کر اس سے متعلقہ "احکام" بیان ہوئے ہیں جو ایک صریح و قطعی شکل میں صادر فرمائے گئے۔

*****

لا الٰہ الا اللہ کا یہ مسئلہ خدائی بیان میں اوپر ہم دیکھ آئے۔ آیئے ذرا اِس پہلو سے دیکھتے چلیں کہ اسکو قبول کرنے والوں کی زندگی میں اس کی عملی و تطبیقی صورت کیا رہی؟

اہل ایمان کے اِس پورے گروہ میں کوئی ایک شخص ایسا دیکھنے میں نہیں آیا جس کو یہ پوچھنے کی حاجت پیش آئی ہو کہ: یہ جو احکاماتِ خداوندی ہیں، چاہے وہ قرآن میں بیان ہوئے ہوں یا سنت میں، کیا ان کی حیثیت اِلزامی binding ہے؟! کیا اِن پر عمل پیرا ہونا ایمان کی تعریف (مسمیٰ) میں داخل ہے یا یہ اس پر اضافہ ہے؟! کیا اس کی خالی تصدیق کر دینا اور اس کو سچا مان لینا کہ واقعتاً یہ خدا کا ہی حکم ہے اور برحق ہے، کافی نہیں؟! کسی ایک شخص کو پوچھنے کا یارا نہ ہوا کہ خدا کے اتارے ہوئے حکموں کی "تصدیق" کر دینے کے ساتھ ساتھ کیا ان کو "نافذ" کر دینا بھی ضروری ہے؟! اور کیا اُس شخص کو بھی مومن کہا جائے گا جو احکامِ شریعت میں سے کسی ایک بھی چیز پر عمل کرنے والا نہ ہو؟!

اس قسم کے سوالات وہ اہل ایمان تو کیا کرتے جن کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی، وہ منافقین بھی، جو محض ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے اور اندر سے پکے کافر تھے، ایسا سوال پوچھنے کے نہ ہوئے۔

وہ بھی اور یہ بھی... ہر دو یہ جانتے تھے کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کوئی ایسا لفظ بہرحال نہیں جس کو آپ زبان سے ادا کر لیں اور اس کے بعد معاملہ ختم۔ ہر دو یہ جانتے تھے کہ یہ ایک کلمہ ہے جس کے کچھ مطالبات ہیں؛ بلکہ ہر دو یہ مطالبے عملاً ادا کرتے تھے، فرق یہ تھا کہ اہل ایمان دل سے ادا کرتے تھے اور اس سے ان کا مقصود خدا کی رضا کو پانا اور جنت کا حقدار بننا تھا، جبکہ منافقین اوپر اوپر سے ادا کرتے تھے جس میں اُن کی بددلی کا ظاہر ہو جانا ایک طبعی امر تھا، مگر وہ لا الٰہ الا اللہ کے اِن تقاضوں کو ادا بہرحال کرتے؛ کبھی اس سے جان بھی چھڑواتے تو اس کے لیے باقاعدہ حیلے تلاش کرتے۔ لا الٰہ الا اللہ کے اِن عملی تقاضوں کو یوں صاف چھوڑ دینا منافقین تک کے لیے ممکن نہ تھا...:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلاً (النساء142)

یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ در حقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيداً وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزاً عَظِيماً (النساء72 - 73)

ہاں، تم میں کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو قتال سے جی چراتا ہے، اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں اِن لوگوں کے ساتھ نہ گیا۔ اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو کہتا ہے اور اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا تو کوئی تعلق تھا ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑا کام بن جاتا۔

غور تو کیجئے؛ منافقین بھی... لاالٰہ کے عملی تقاضوں سے جان نہیں چھڑا سکتے!

یعنی... یہ تو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھا، مومن تو مومن کسی منافق کے تصور میں نہ تھا کہ، وہ لا الٰہ الا اللہ کے الفاظ محض زبان سے بول دے تو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ لے سکتا ہے! لا الٰہ الا اللہ کے کسی ایک بھی مطالبے پر عمل نہ کرے اور مسلمان مانا جائے، یہ بات مدینہ کے اُس معاشرے میں تصور سے باہر تھی!

اندر سے کوئی شخص مسلمان ہے یا منافق — خدا کی جانب تحاکم کرنے والے اس مسلم معاشرے میں — ایک شخص دین کے کسی ایک بھی فرض پر عمل پیرا نہیں اور وہ "مسلمان" کہلانے کا حق رکھے، یہ کسی کے تصور میں ہی نہیں۔

کم از کم پانچ وقت نماز کا مسئلہ تو ہے ہی...! اس مسلم معاشرے میں، جو کہ اپنے تمام فیصلے خدا کی شریعت کی طرف لوٹاتا ہے، کوئی ایک شخص ایسا نہیں جو مسلسل تین روز تک نماز چھوڑ کر رہے اور اس کے لیے سزائے موت تجویز نہ ہو! (از روئے قولِ جمہور)

نیز اللہ کی شریعت کے حاکم ہونے کا مسئلہ؛ صرف ایک اس کی طرف تحاکم کرنے اور اس کے سوا کسی شریعت کی جانب تحاکم نہ کرنے کا قضیہ۔ ایک شخص کے مسلمان معتبر ہونے کے

لیے یہ تو کم از کم ہے۔ ورنہ... ایک مسلم معاشرے میں شریعت آسمانی کے خلاف خروج کر لینے یا اُس کی کسی ایک بھی بات کا انکار کر لینے کے بعد وہ مسلمان کیسے رہ سکتا ہے، اور وہ مرتد ہونے سے کیسے بچا رہ سکتا ہے ؟!

پس یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایک مسلم معاشرہ ہو اور وہاں کوئی شخص اسلام کے کسی ایک بھی عمل کا روادار نہ ہو، لیکن پھر بھی وہ مسلمان تسلیم کیا جائے اور اُس کو وہاں پر 'مسلمان' کے قانونی حقوق حاصل ہوں! **'مسلمان' کے قانونی حقوق تو ایک طرف وہاں تو سوال یہ ہوگا کہ ایسے شخص کو وہاں زندہ رہنے دیا جائے یا نہیں**؟ کیونکہ یہ ایک مسلم معاشرہ ہے یعنی خدائے واحد قہار کا فرماں بردار معاشرہ۔ ایسی بے کار بحثیں تو کچھ جاہلی معاشروں میں اٹھ سکتی ہیں جہاں پورا معاشرہ اسلام کا خالی دعویٰ کرتا ہو۔ ہاں وہاں ارجائی فکر کے اٹھائے ہوئے یہ نکتے بہت کارآمد ہو سکتے ہیں؛ جہاں اسلام اپنی اصل روح کے لحاظ سے معاشرے کے لیے اجنبی اور معاشرہ اسلام کے لیے اجنبی!

مرجئہ گمراہی: "لا الٰہ پر ایمان" کا مطلب: بس اقرار اور تصدیق کر دینا!

یہ موضوع ہے مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ...؛ اِس اہم و سنگین مسئلہ کو ہم تین جہتوں سے دیکھیں گے، اور یہ تینوں جہتیں بالآخر ہمیں ایک ہی نتیجے تک پہنچائیں گی:

پہلی جہت سے بات شروع کرتے ہوئے... ہم سوال کرتے ہیں: اللہ اپنے رسولوں کو انسانوں کی طرف بھیجتا کیوں ہے؟

ایسے عظیم الشان سوال کا جواب ظاہر ہے ہم اپنے پاس سے نہ دیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب سے لیں گے:

وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا **لِيُطَاعَ** بِإِذۡنِ ٱللَّهِ (النساء64) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ **لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ** وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحدید:25) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی **تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں**، اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اُس کو دیکھے بغیر اس کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے

اِس آخری رسالت کی تو خیر بات ہی اور ہے، ہم ذرا اِن دو آیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے آسمانی رسالتوں کے حوالے سے نوحؑ تا محمد ﷺ کچھ اصولی حقائق پر غور کر لیتے ہیں:

ان میں سے ایک آیت یہ واضح کرتی ہے کہ رسولوں کا بھیجنا محض اس لیے نہیں تھا کہ وہ پیغام پہنچادیں اور چلتے بنیں؛ یعنی آدمی کہے ہاں مجھے معلوم ہو گیا اور میں نے اسکی تصدیق کر دی۔ بلکہ مطلوب یہ ہے کہ آدمی کہے رسول نے مجھے بات پہنچادی، مجھے معلوم ہو گیا اور میں اُسکا فرمانبردار ہوا۔ **یہ ہے رسول کو ماننا**۔ اور یہ ہے اُس مقصد کو پورا کرنا جس کیلئے رسول مبعوث ہوتا ہے۔

دوسری آیت عین یہی مقصد بیان کرتی ہے مگر اس کی پہچان کچھ زیادہ واضح انداز میں کرواتی ہے۔ رسول مبعوث ہوتے ہیں تاکہ حیاتِ انسانی اس "قسط" پر قائم ہو۔ قسط ایک مختصر مگر جامع تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں دیگر آیاتِ قرآنی نیز سنتِ مطہرہ سے ملتی ہے؛ اور اس کی تفسیر بھی انسانی اھواء وخواہشات پر چھوڑ نہیں دی گئی ہے۔

اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا اتارنا محض "تبلیغ" کے لیے اور "مطلع" فرما دینے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ زمین میں باقاعدہ ایک مقصد پورا کرانے کے لیے ہے؛ اور وہ یہ کہ لوگوں کی زندگی اللہ کی شریعت اور منہج پر قائم ہو؛ اِس شریعت کی وساطت یہاں خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہو؛ اور اِس راہ سے لوگ اِس "قسط" پر قائم ہو جائیں۔ تو **پھر زمین پر کوئی ایسا عمل مطلوب ہے جو اِس "تصدیق" اور "اقرار" کے بعد انجام پانا ہے؛ اور اس کے بغیر رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کا مقصد ہی پورا نہیں ہوتا**؛ اس کے بغیر

دین کچھ عبارتوں کا نام رہ جاتا ہے یا کچھ خیالوں اور آرزوؤں کا؛ جس سے زمینی عمل کو کچھ فرق نہیں آتا؛ اور حیاتِ انسانی میں کوئی ذرہ بھر تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ آیت میں اس کے بعد "لوہے" اور "زور" کی جانب اشارہ ہے اور اللہ اور اُس کے رسولوں کی نصرت کا ذکر ہے؛ جو کہ صریح دلالت ہے کہ وہ اعمال جو یہاں مطلوب ہیں اُن میں باقاعدہ جہاد فی سبیل اللہ آتا ہے لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ "تاکہ لوگ قسط پر قائم ہوں"۔

اگر یہ معنٰی ہر رسالت کے اندر پایا جاتا ہے؛ کیونکہ آیت میں سب رسالتوں ہی کی بابت ایک اصول بیان ہوا ہے؛ تو پھر یہ آخری رسالت تو رسالتوں کی معراج ہے اور اس میں عائد ہونے والے فرائض کی تو شان ہی اور ہے۔

سابقہ رسالتوں اور ان کے پیروکاروں کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البينة ـ5)

اور نہیں حکم دیا گیا تھا اُن کو مگر یہ کہ عبادت کریں وہ اللہ کی، پورے دین کو اُس ایک کے لیے خالص کر لیتے ہوئے، یکسو ہو کر، اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکاۃ، اور یہی ہے سیدھا ٹھیٹ دین۔

اگر پہلی رسالتوں میں مسئلہ اس جامعیت کے ساتھ مطلوب ہے کہ دین (اطاعت، بندگی، گرویدگی اور زندگی کا تمام تر رخ) ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے خاص کر دیا جائے، اور نماز اور زکاۃ تو اس میں باقاعدہ نام لے کر ذکر ہوئے ہیں، تو پھر اس خاتمی رسالت میں تو یہ بات بالاولیٰ درکار ہوئی۔

خدا نے مشیئت فرمائی کہ محمد ﷺ کے بعد اب وہ زمین پر کوئی رسول نہ بھیجے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب4)

(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

ألا إنه ليس بعدي نبي (أخرجه الشيخان)

خبردار رہو، یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے

خدا کی مشیئت ہوئی کہ وہ اپنے دین کو اِس خاتمی رسالت پر مکمل کر دے اور پھر یہ رسالت تمام انسانیت کے لیے ٹھہرے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً (المائدۃ 3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل فرما دیا، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا، اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمالیا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً (سبأ 28)

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر تمام انسانیت کے لیے، خوشی سنانے والا اور ڈر سنانے والا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً (الأعراف 158)

کہو اے انسانو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف

اور میں بھیجا گیا ہوں جملہ اقوام کی طرف۔ (أخرجه الشيخان)

اِن سب حقائق کا تقاضا ٹھہرا کہ اِس خاتمی امت کو، جس کی رسالت خاتمی ہے، دو چیزوں کا مکلف کیا جائے نہ کہ صرف اُس ایک چیز کا جس کی تمام مومن امتیں اس سے پہلے مکلف رہی ہیں: سابقہ امتیں اس بات کی مکلف رہی ہیں کہ وہ "اللہ کی عبادت کریں دین کو اُس ایک کے لیے خالص کر لیتے ہوئے، یکسو ہو کر"، خاص اپنے دائرے میں رہ کر۔ یہ خاتمی امت بھی اِس بات کی تو ویسے ہی مکلف ہے، مگر اس پر مستزاد یہ اس بات کی بھی مکلف ہے کہ اِس دین کو یہ پورے روئے زمین پر پھیلائے، اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کرے؛ اِس کے جہاد کا میدان یہ پورا گلوب ہے؛ یہاں تک کہ دین ایک اللہ کے لیے ہو جائے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران 104)

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہئے جو اِس خیر کی دعوت دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الأنفال 39)

اور ان سے لڑو؛ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کیلئے نہ ہو جائے۔

اِس مشن کا تقاضا یہ ہوا کہ اِس امت سے جو کام مطلوب ہے وہ "تصدیق" اور "اقرار" سے بہت بڑھ کر ہے۔ پہلی امتوں سے جو مطلوب تھا وہ بھی "تصدیق اور اقرار" سے بڑھ کر تھا، مگر اِس امت سے جو مطلوب وہ تو اس سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔

تصور تو کریں، اِس لا الٰہ الا اللہ کے حوالے سے "تصدیق اور اقرار" سے بڑھ کر کچھ مطلوب نہ ہوتا اور دیکھتے ہی دیکھتے خانہ کعبہ بتوں سے پاک ہو جاتا! اور پھر ایک خانہ کعبہ ہی نہیں، صرف مکہ ہی نہیں، صرف جزیرہ عرب ہی نہیں جہان کا ایک بڑا حصہ بتوں کی نجاست سے پاک ہو جاتا، شرک کی پلیدی دور دور تک باقی نہ رہتی اور چہار دانگ عالم اسلام کا ڈنکا بجنے لگتا، درحالیکہ اِس لا الٰہ الا اللہ کے لیے – بطورِ شرطِ نجات – کوئی تکلیف درکار تھی، نہ زحمت نہ مشقت اور نہ جہاد... کچھ مطلوب نہ تھا!

اِس لا الٰہ الا اللہ کے حوالے سے صرف "تصدیق اور اقرار" ہی مطلوب ہوتا تو کیا مدینہ میں اسلام کو کوئی دولت میسر آتی؟ اس لا الٰہ الا اللہ کے لیے ہجرتیں کرنا، گھر چھوڑنا، رشتے قربان کرنا اِس پر "ایمان" کی تعریف میں ہی نہیں آتا؛ "ایمان" اِن سب مصائب کو گلے لگائے بغیر بھی معرضِ وجود میں آجاتا ہے اور جنت اِن سب جان جوکھوں کے بغیر بھی کھری ہے تو اِس دعوت اور اِس نبیؐ پر جان نچھاور کرنے اور اس کی خاطر عرب و عجم کی دشمنی مول لے آنے کا تصور ہی کہاں سے آگیا؟ چند برس کے اندر اندر جزیرۂ عرب کا اسلام کی قلمرو بن جانا، اور پھر "ایمان" کے اِس سیلِ بلاخیز کا پورے جہان کو تہ آب لے آنا اور نصف صدی کے اندر اندر بحر ابیض تا بحر اوقیانوس تا بحر ہند اِس دین کے ڈنکے بجنا... یہ سب تو رہا ایک طرف؛ اِس نبیؐ کی اکیلی جان کو پناہ ملنا ہی کہاں متصور ہے؛ اِس کی "تصدیق" کرکے ہم فارغ تو ہو چکے؛ باقی تکلیفیں اٹھانا کہاں "ایمان" کی تعریف میں شامل ہے؟!

یعنی مسلمانوں نے اگر یہ سمجھا ہوتا کہ اِس لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے کا مطلب ہے بس اس کی تصدیق اور اقرار کرنا... تو مدینہ میں اِس شجر کو خون کون دیتا؟ یہودی اِس دین اور اِس نبی کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو کرتے رہیں، باہر سے مشرکین قریش اس کی اینٹ سے اینٹ

بجا دینے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں، جزیرۂ عرب میں اِس نوخیز ریاست کے پائے مضبوط کرنے ہیں، اور روم اور فارس کی دیو ہیکل شہنشاہتوں کو صفحۂ ہستی سے ختم کر کے کرۂ ارض پر اِس لا الٰہ الا اللہ کے پھریرے لہرانے ہیں، اور اسلام کی اِس شریعت اور اِس تہذیب کو روئے زمین کا مرکزی ترین واقعہ بنانا ہے... تو یہ سب ہو تا رہے؛ آخر ہم سے تو اِس لا الٰہ الا اللہ کے حوالے سے "اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب" ہی مطلوب ہے نا جس کے بدلے میں نجات اور جنت کا ہم سے وعدہ ہے؛ پورے روئے زمین کو ہلا کر دینے سے ہمارے اِس لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا تعلق ؟!

*****

اب ہم **دوسری جہت** سے بات کرتے ہیں؛ اور جو کہ پہلی جہت سے پیوستہ ہے...

وہ سب کام اور محنت جو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کے سلسلہ میں انجام دیتے رہے، آیا آپؐ اور اصحابؓ کی طرف سے ایک رضاکارانہ عمل تھا؛ آپ پر واجب نہیں تھا؟ کیا یہ سب کام اور محنت "ایمان" پر ایک اضافہ تھا؛ بجائے خود "ایمان" نہیں تھا؟

تو اَب ہم پوچھتے ہیں... شریعت کی آئینی و اصولی پابندی، یعنی جو کچھ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنت میں وارد ہوا اُس کا اپنے آپ کو اور کل مخلوق کو پابند جاننا؛ حیاتِ انسانی کے جملہ معاملات کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹانا... کیا یہ تطوُّع (رضاکارانہ عمل) تھا جسے اسلام کی نسلِ اول نے اختیار کیے رکھا، وہ اِس کے مکلف نہیں تھے؟

خدا کی راہ میں اپنے گھربار چھوڑنا، وطن قربان کرنا اور لا الٰہ الا اللہ کے خلاف بر سرِ قتال قوتوں کے خلاف میدانِ جہاد میں اترنا، تطوُّع (رضاکارانہ عمل) تھا، وہ اِس کے مکلف نہ تھے؟

ایک ''امت'' بن کر رہنے کا عملی تصور پیش کرنا، جس میں تکافلِ اجتماعی (ایک دوسرے کا بوجھ اٹھانا) بھی آتا ہے، ایمانی اخوت اور ولاء و براء بھی، تعاون علی البر والتقویٰ بھی، اور مسلم جان مال عزت آبرو کی حرمت کی پاسداری کرنا... یہ سب تطوُّع تھا، وہ اِس کے مکلف نہیں تھے؟

زمین پر عدل اور انصاف کا ربانی نقشہ پیش کرنا تطوع تھا، یہ اُن پر فرض نہیں تھا؟

لا الٰہ الا اللہ کے سب اخلاقیات کی پاسداری کرنا، تطوُّع تھا، فرض نہیں تھا؟

عہد کو پورا کرنا اور اجتماعی ذمہ داریاں نبھانا تطوّع تھا، واجب نہیں تھا؟

اور جس دوران صحابہؓ یہ سب اعمال انجام دے رہے تھے، صاف سمجھ رہے تھے کہ وہ "ایمان" کے علاوہ کوئی چیز سرانجام دے رہے ہیں؟! یعنی وہ سمجھتے تھے کہ "اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب" کر کے "ایمان" نام کی کارروائی سے تو وہ کب کے فارغ ہو چکے، اب تو وہ ایمان سے "زائد تر" کچھ امور انجام دے رہے ہیں؛ یعنی یہ سب کچھ اگر وہ نہ بھی کریں تو "ایمان" کا فرض تو پورا ہو ہی چکا!

یا پھر اُن کے نفوس اِس حقیقت کے ادراک سے لبریز تھے اور عین یہی بات اُنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے سمجھی تھی کہ اِن فرائض پر پورا اترنا اِس حقیقت پر ایمان کا براہِ راست مطالبہ ہے کہ "نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر ایک اللہ، اور محمد ﷺ اُس اللہ کے پیغمبر ہیں"... اور وہ اس کو ایمان کا اقتضا جان کر ہی اس کی بلند ترین چوٹیاں سر کرنے کے لیے کوشاں تھے؟

اور کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ اسلام کی "عملی تصویر" اسلام کی حقیقت سے "زائد تر" کوئی چیز ہو؟ اور "اسلام" کی تعریف میں تو آ ہی نہ سکتی ہو؟

اور اگر ایسا مان لیا جائے تو اس کے بعد... اس دین کی وقعت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ اور حیاتِ انسانی میں اِس کا مشن اور کردار ہی کیا باقی رہ جاتا ہے؟!

اور کیا اللہ رب العزت کا کتابیں نازل فرمانا، رسول بھیجنا، رسولوں اور ان کے پیروکاروں کو صبر، ہمت، برداشت، استقامت اور جہادِ پیہم کی ہدایات دیتے چلے جانا... اس کا ماحصل بس یہ ہے کہ **دلوں کے نہاں خانے میں اس کی 'تصدیق' کا عمل انجام پالے اور زبانیں ایک آدھ بار اس کا اقرار کر لیں، باقی زمین پر اس سے ایک پتہ بھی نہ ہلے، نہ حق کا اِحقاق ہو اور نہ**

باطل کا اِبطال، نہ معروف کا قیام اور نہ منکر کا اِنکار... کتابوں کے نزول اور رسولوں کی بعثت کا اصل مقصد پورا ہوا!

اور یہ امتِ خیر البشرؐ بھی اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب کے لیے برپا کی گئی ہے؟!

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ **تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ** بِاللَّهِ

(آل عمران 110)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے؛ کہ تم **امر بالمعروف کرنے والے، نہی عن المنکر کرنے والے**، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے

تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ اِس امت کے برپا کرائے جانے کی جو اصل غایت ہے وہ اس کو سونپے جانے والے کام سے "زائد تر" ایک چیز ہو؛ یعنی وہ غایت پوری ہو تب نہ پوری ہو تب اس سے "اصلِ ایماں" کو کوئی فرق نہ پڑتا ہو؟! ایمان کی "اصل حقیقت" بہر حال اس کے بغیر پوری ہو جاتی ہو؟!

یا پھر یہ کہیں گے کہ لا الٰہ الا اللہ کو اور اس کے عملی تقاضوں کو یوں لازم وملزوم رکھنا خاص صحابہؓ والی نسل کے حق میں تھا۔ البتہ ان کے بعد آنے والی نسلوں کے حق میں ایمان بس "تصدیق اور اقرار" کا نام ہے؟!

اور اس پر دلیل؟ کتاب سے؟ یا سنت سے؟ یا چلیے کسی عقلی منطق سے ہی؟!

کیا کوئی منطق یہ تسلیم کرتی ہے کہ ایک نسل کے لیے تو نجات اتنی مشکل کر دی جائے کہ لا الٰہ الا اللہ ان سے باقاعدہ عملی تقاضوں کے ساتھ مطلوب ہو، البتہ باقی نسلوں سے عملی تقاضوں کے بغیر؟ باقی نسلوں سے صرف یہ مطلوب ہو کہ وہ زبان سے 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کہہ دیں اور دل سے اس کی تصدیق کر دیں؛ اور بس اِس پر ایمان کا سرٹیفکیٹ پا لیں؛ "ایمان کی تعریف" ان کے حق میں مکمل، اگر باقی کچھ ہے تو وہ ایمان سے "زائد تر" کوئی چیز ہے؛ جسے وہ اپنی مہربانی سے کر دیں تو بہت خوب، نہ کریں تو "ایمان" تو بہر حال پورا ہے!

ہاں یہ واقعہ اپنی جگہ کہ اسلام کی نسلِ اول لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کو، خود اپنی ذات کی سطح پر بھی اور اپنے ماحول اور سماج کی سطح پر بھی، اُس اعلیٰ معیار پر پورا کرتی رہی جو تاریخ میں پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ بعد کی نسلیں اِن تقاضوں سے جان چھڑاتی چلی گئیں؛ معاملہ ایک تسلسل کے ساتھ نیچے آتا رہا اور کچھ صدیوں میں ہم اُس بلندی سے اِس پستی کو آپہنچے۔ 'ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا'۔ تاہم اس کا یہ سبب نہیں کہ نسلِ اول سے تو یہ لا الٰہ الا اللہ اپنے تقاضوں کے ساتھ مطلوب تھا اور مابعد نسلوں سے بغیر تقاضوں کے!

پہلی پود (صحابہ) کے کچھ خصائص یقیناً ہیں؛ جن کے باعث وہ تاریخ کی منفرد ترین پود ٹھہری۔ یہ وہ پود ہے جو جاہلیت میں ایک زندگی گزار آئی تھی، اس کے بعد اس کو نعمتِ اسلام ملی تو رات اور دن کا وہ فرق جس طرح اس پر واضح تھا کسی پر نہ ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اُن کے مابین موجود تھے؛ یہ آپؐ سے براہِ راست وحی کی تعلیم لیتے؛ آپؐ کی ہمہ وقت نگرانی میں تربیت پاتے؛ تو پھر لازم تھا کہ جس قدر بلندی پر جانا انسانی بس میں ہو یہ اُن چوٹیوں کو سر کر کے آتے۔ بعد کے لوگوں کو ایک بنی بنائی چیز ملی لہٰذا اِن کا معاملہ پہلوں جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ سب درست ہے۔ مگر ہماری بات لا الٰہ الا اللہ کے تقاضوں کی بابت ہو رہی ہے: اسلام کے یہ بنیادی ترین فرائض بہر حال جوں کے توں رہیں گے؛ نسلوں اور زمانوں کا فرق یہاں اثر انداز نہیں ہو گا۔

*****

اب ہم <u>**تیسری جہت**</u> سے بات کرتے ہیں: نفسِ انسانی کی دنیا میں... کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی کسی چیز پر "ایمان" رکھتا ہو مگر اس کا تمام تر عملی رویہ اُس ایمان کے تقاضوں کے مخالف اور اس سے متعارض چلتا چلا جائے؟

نفسیاتی معالج ہمیں schizophrenia نامی ایک خطرناک مرض بتلاتے ہیں، جس میں آدمی کی شخصیت دو صاف متعارض رویوں کے مابین بٹتی چلی جاتی ہے۔ ابھی اُس پر پیار اور میلان حاوی تھا کہ یکدم نفرت جوش مار اٹھتی ہے۔ آدمی پر بے بسی کی ایسی ایسی کیفیات گزرتی

ہیں کہ وہ مرفوع القلم ہو جاتا ہے۔ لیکن اِس حالت میں بھی اُس میں "رویہ" اور "سلوک" ظاہر ضرور ہوتا ہے!

لیکن وہ فرضی حالت جس کی ہمیں مرجئہ خبر دیتے ہیں... یعنی انسان بالکل اپنی طبعی حالت میں ہے، بقائمی ہوش و حواس ہے، باطن میں وہ کسی چیز پر "کامل ایمان" رکھتا ہے لیکن وہ چیز اُس کے جملہ تصرفات میں کبھی ایک بار بھی ظہور نہیں کرتی۔ اس پر کسی کا غلبہ اور قہر (اکراہ) ہو، تو چلیں اور بات ہے اور وہاں تو آدمی دل کی بات اپنے تصرفات میں ظاہر نہیں ہونے دیتا، مگر یہ شخص پوری طرح آزاد اور خود مختار ہے، لیکن پھر بھی وہ چیز کبھی اپنا اظہار نہیں کرتی... تو یہ فرضی و خیالاتی حالت جس کا ہمیں مرجئہ انکشاف کر کے دیتے ہیں، نفس انسانی کے حوالے سے البتہ ایک ایسی چیز ہے جس کا آج تک کہیں وجود نہیں پایا گیا!

ہاں جو چیز مانی جاسکتی ہے وہ یہ کہ ایک چیز پر آدمی کا "ایمان" ہو لیکن ظاہر میں اُس سے متعارض بعض تصرفات پائے جائیں۔ یہ ایک طبعی حالت ضرور ہو سکتی ہے، بلکہ عالمِ بشر میں غالب ترین حالت یہی ہے کہ آدمی دل سے کسی چیز پر اعتقاد رکھتا ہو مگر عمل اور رویے میں وہ اُس پر پورا نہ اتر پا رہا ہو اور اپنے اُس اعتقاد سے متعارض بعض رویے اُس سے سرزد ہو جاتے ہوں۔ گو یہ چیز بھی بلا سبب نہیں اور اس کی اپنی ایک دلالت ہے۔

جہاں تک اسکے بلا سبب نہ ہونے کا تعلق ہے تو وہ یہ کہ نفس انسانی میں فوری خواہشات کی جانب ایک قوی میلان پایا جاتا ہے اور ان فوری خواہشات سے وہ کسی وقت شکست بھی کھا جاتا ہے۔ ایک عہد یا ذمہ داری نبھانا نفس کے میلانات پر یک گونہ قید ہے اور نفس اِن قیود سے فرار بھی کرتا ہے۔ لیکن اس نفسیاتی تجزیہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ "ایمان" فطرت ہے؛ لہٰذا نفس انسانی کا کسی چیز پر ایمان ہونا خود بھی ایک قید ہے؛ یعنی ایک مومن شخص کا خواہشات کے پیچھے بھاگنے میں "ایمان" با قاعدہ ایک رکاوٹ بھی بنتا ہے۔ پس جہاں ایمان کے راستے میں خواہشات و رغبات ایک قید ہے وہاں خواہشات و رغبات کے راستے میں ایمان ایک قید ہے۔ اور یہاں سے ان دونوں کی کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے جو کہ نفس انسانی کی بابت ایک سچی ترین حقیقت ہے۔ انسانی نفس انہی

دو قوتوں کی کشتی کا اکھاڑا بنتا ہے؛ گو ہر نفس کی صورتحال اس معاملہ میں دوسرے سے مختلف ہے۔ کہیں کوئی پلڑا بھاری ہے تو کہیں کوئی۔ البتہ مرجئہ ہمیں جو صورتحال فرض کرکے دیتے ہیں، یعنی اعمال اور تصرفات میں ایمان والا پلڑا اصفر ہو پھر بھی ان کی تعریف کی رُو سے اس کا نام 'ایمان' ہے، عجیب و غریب بات ہے۔ یعنی ایمان کا ہونا نہ ہونا "عمل" کے حق میں ایک برابر ہو!

یہ ہے نفس انسانی کی وہ طبعی حالت (جس کو نہ مرجئہ صحیح طرح سمجھ سکے اور نہ خوارج)۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نور کی مدد سے اِن اشیاء کو دیکھنے والے علماء کا یہ کہنا رہا ہے کہ إن الإيمان يزيد وينقص.. ينقص بالمعاصي ويزيد بالطاعات "ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے .. نافرمانی کے اعمال سے گھٹتا ہے اور اطاعت کے اعمال سے بڑھتا ہے"

"دین" جس کو انسان شعوری انداز میں اختیار کرتا ہے بذاتِ خود ایک قید ہے، جو کہ خواہشات کے اُس دائرے کو جسے ہم مباحات کہتے ہیں مقید کرتا ہے اور خواہشات کے زور اور رفتار کو ایک کنٹرول میں لاتا ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز مت کرو (البقرة 229)

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے قریب مت پھٹکو (البقرة 187)

خواہشات تو نفس کے لیے یقینا مزین کی گئی ہیں: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا "مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کردی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے" (آل عمران 14)

لیکن ایمان بھی ایسی غیر حسین حقیقت تو نہیں جس کا پلڑا کبھی بھی ان پر بھاری نہ پڑے!

وَاللّٰهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ "اور لوٹنے کا عمدہ ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے" (آل عمران 14)

اِسی طرح فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلالاً طَيِّباً وَلا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرة168)

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے

وَلا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ (البقرة221)

اور شرک والی عورتوں سے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں نکاح نہ کرنا؛ بیشک مسلمان لونڈی مشرک شریف زادی سے اچھی ہے **اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو**

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ **مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ** (النساء24)

اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) **مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی**

یعنی "ایمان" وہ مہار ہے جو خواہشات کو حد میں لاتی ہے۔

"حلال" اور "حرام" کا تصور ہی یہ ہے کہ خواہشات کو ایک قید میں لایا جائے؛ یعنی بندگی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ "فرائض" کا تصور آجاتا ہے جیسے نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور تمام اخلاقیاتِ لا الٰہ الا اللہ، اور سب سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ۔ **یہ سب کچھ ہے ہی نفس کو قید میں لانا اور اس کو اللہ کے آگے جھکانا۔**

نفسِ انسانی میں یہ جو "خواہشات" اور "محرکات" رکھے گئے ہیں، یہ خدا نے عبث نہیں رکھ دیے۔ اسی طرح؛ اِن خواہشات کی راہ میں جو "قیود" رکھے وہ بھی بے مقصد نہیں...

اللہ رب العزت جانتا تھا کہ **زمین میں انسان کی** جو خلافت (**جانشینی**) ہے اور جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے، **زمین پر اس کی یہ مہم پوری ہونا اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے اندر کچھ محرکات ہوں جو اس کو یہاں عمل، حرکت اور پیدآوری پر اکسائیں** جس سے زمین پر آبادکاری ہو۔ زمین پر انسان کے پائے جانے سے یہ چیز بھی مقصود ضرور ہے اور یہ اس منصوبے کا باقاعدہ حصہ ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرة30)

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں

هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (ھود 61)

اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمہاری آباد کاری کی

اسی طرح یہ "خواہشات" اُس "متاع" (کچھ دیر کے لیے فائدہ دینے کی چیز) سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع ہیں جو زمین پر انسان کو اتارتے وقت مذکور ہوئی:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرۃ 36)

زمین میں تمہارا ایک مستقر ہے اور ایک متاع ہے، خاص وقت کے لیے

دوسری جانب یہ وہ نقطۂ آزمائش ہے جس کے لیے اس انسان کی تخلیق ہوئی ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (الکھف 7)

روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی آرائش بنایا ہے کہ ہم انہیں آزمالیں کہ ان میں سے کون عمدہ تر اعمال والا ہے

یہ تو رہی خواہشات اور مرغوبات کی بات۔ رہ گئی قیود اور ضابطوں کی بات، تو یہ بھی زمین پر انسان کی اس خلافت (جانشینی) کو درست طور پر سرانجام پہنچانے کے لیے ضروری ہیں، یعنی جو اس خلافت کو خلافتِ راشدہ بنائیں یا کم از کم اس بلند سطح کی طرف لے کر چلیں۔ وجہ یہ کہ ان خواہشات اور مرغوبات کا معاملہ اگر ایک مخصوص حد سے آگے گزر جائے تو یہ انسان کے حق میں مہلک ہے؛ اِس سے یہ اُس بلندی پر نہیں رہتا جو خدا نے اس کے لائق رکھی ہے اور جس کو وہ "احسنِ تقویم" کہتا ہے اور جس کی بدولت یہ حیوان سے ممیز ہوتا ہے، اور جس کے بل پر یہ اُس "امانت" کو اٹھانے کے لیے نامزد ہوا جس کا سن کر آسمان اور زمین اور پہاڑ کانپ گئے تھے اور اس کو اٹھانے سے صاف مکر گئے تھے مگر انسان نے اس کو اٹھالیا تھا...

یہ "قیود" انسان کی زندگی میں دہرا کردار ادا کرتی ہیں:

1) یہ مرغوبات کی 'مناسب مقدار' کا تعین کرتی ہیں جبکہ اس کی خواہشات انہیں بے تحاشا لینا چاہتی ہیں؛ نتیجتاً نفس کی سب توانائی شہواتی عمل کی نذر نہیں ہوتی۔

2) پھر اس توانائی کو یہ ایک ایسے عمل میں صرف کرواتی ہیں جسے ہم اپنی زبان میں "اقدار" کہتے ہیں اور جس کے دم سے یہ اشرف المخلوقات ہے، اور جو کہ دراصل وہ "امانت" ہے جس کے باعث یہ حیوانات سے ممیز ہے۔

اِس طریقے سے؛ ایک جانب ''محرکات'' آجاتے ہیں اور ایک جانب ''ضوابط''؛ یوں **انسان کی زندگی کو ایک توازن مل جاتا ہے؛ جس سے اس کے وجود کی غایت پوری ہونے لگتی ہے جس کو ہم حالت کے اعتبار سے احسنِ تقویم کہتے ہیں اور غایت کے اعتبار سے خلافت یا امانت۔**

ہاں یہ سچ ہے کہ یہ توازن ہر وقت، ہر حالت میں، اور بدرجۂ اتم قائم نہیں رہتا؛ اس میں اونچ نیچ مسلسل رہتی ہے؛ اور ہر کیس دوسرے سے مختلف ہوتا ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً (طٰہٰ 115)

اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے عہد سونپا تھا تو وہ بھول گیا اور **ہم نے اسکا قصد نہ پایا**

كل بني آدم خطاء ، وخير الخطائين التوابون (أخرجه أحمد وأبو داود وابن ماجه والدارمي)

ہر بنی آدم خطاکار ہے، اور خطاکاروں میں بہترین وہ ہیں جو کثرت سے لوٹ آنے والے ہیں

یہاں سے؛ گناہ کا تصور سامنے آتا ہے... گناہ، یعنی معصیت، نافرمانی...

یہ (نافرمانی) دو میں سے کسی ایک سبب کا نتیجہ ہوتی ہے، اور کسی وقت ہر دو سبب کا... کسی لمحے محرکات شدید ہو جاتے ہیں، اور کسی لمحے قیود میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے، اور کسی وقت یہ دونوں واقعے ایک ساتھ ہو جاتے ہیں، اور نافرمانی ہو جاتی ہے۔ یہ ہیں نافرمانی کے عوامل؛ ان میں جس درجہ کا اشتراک ہوگا یہ اُسی درجہ کا نتیجہ پیدا کر کے دیں گے... جس وقت "محرک" کمزور ہو، اُس وقت کمزور سی "قید" بھی اُس کو روکنے کے لیے کفایت کرے گی؛ ہاں جس وقت "محرک" شدید اور منہ زور ہو اُس وقت ایک نہایت قوی ارادہ درکار ہو گا جو اس کو "قید" ڈال سکے۔ قوتِ ارادی پوری ہو تو وہ اس کو قابو کر لے گی اور نافرمانی واقع نہ ہو گی، اور اگر ہو گی تو نہایت وقتی سی اور وہ بھی یوں جیسے ایک چیز آدمی کی گرفت سے کھسک گئی ہو؛ اسی کو قرآن میں

"لَمَم"[3] کہا گیا ہے۔ ہاں جس وقت ارادے کی قید بالکل بودی ہو تو وہ ایک منہ زور خواہش کے آگے جواب دے جاتی ہے اور خواہش سب بند توڑ جاتی ہے۔

''روزِ آخرت پر ایمان'' وہ قوی ترین قید ہے جو خواہشاتِ نفس کو قابو کے اندر لانے میں مددگار ہوتی ہے۔ جتنی زوردار اس کی گرفت ہو گی اتنا ہی نفس خدا کی مقرر کردہ حدود میں رہے گا؛ یعنی اس کے اندر سے اطاعت اور فرماں برداری بر آمد ہو گی اور یہاں خدا کے عائد کردہ فرائض کی پابندی ہو گی۔ ایسا بھی نہیں کہ انسان اپنی بشریت سے نکل جائے گا اور فرشتہ بن جائے گا جو خدا کی معصیت کر ہی نہیں سکتا! مقصد یہ ہے کہ اطاعت (خدا کی حدوں کی پابندی، فرائض کی انجام دہی) انسان کی زندگی میں ''معمول'' کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور کبھی کبھی اس سے نکل جانا اور نافرمانی میں قدم دھر لینا ''خلافِ معمول''۔ یہ ہے وہ حالت جو اللہ رب العزت نے متقین کے حوالے سے بر سبیل ستائش بیان فرمائی ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران 135 - 136)

> اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

ہاں جب ایمان بالیوم الآخر کمزور پڑ جائے—اور جیسے جیسے کمزور پڑے—ویسے ویسے اس کی مخالف حالت "معمول" کی حیثیت اختیار کرنے لگتی ہے اور اللہ کی فرماں برداری پر قائم رہنا "خلافِ معمول"۔

---

(3) لَمَمٌ (النجم: 32) قصور سا سرزد ہو جانا

مگر اِن تمام احوال میں "ایمان" کی کارکردگی صفر پھر بھی نہیں ہوتی۔ اس کا ہونا نہ ہونا عملاً ایک برابر ہو؛ یعنی آدمی اسلام اور فرماں برداری کا کوئی ایک بھی رویہ اختیار نہ کرتا ہو، یہ بہر حال ناممکن ہے۔

نافرمانی - اجماعِ علماء کی رو سے - آدمی کو اسلام سے خارج بہر حال نہیں کرتی۔[4]

اسلام سے جو چیز اس کو خارج کرتی ہے وہ ہے استحلال، یعنی معصیت کو روا ٹھہرالینا اگرچہ وہ عملاً اس معصیت کے قریب بھی نہ پھٹکتا ہو۔ جبکہ یہ استحلال خالی گناہ میں پڑنے سے مختلف چیز ہے۔

خالی گناہ میں پڑنا "کمزوری کا لمحہ" گنا جاتا ہے؛ جو کہ مخلوق انسانی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ آدمؑ پر حملہ آور ہوا اور اُس وقت آپؑ کا عزم آپؑ کا ساتھ نہ دے سکا۔ "کمزوری کا لمحہ" وہ ہے جب "ایمان" آدمی سے کہیں گم ہو جاتا ہے؛ ایمان آدمی کے پاس ہوتا ضرور ہے مگر وہ موقع پر آدمی کو مل نہیں رہا ہوتا۔ شاید یہی وہ معنیٰ ہے جس کی جانب حدیث میں اشارہ ہوا ہے **"نہیں زنا کرتا زانی، جس وقت کہ وہ زنا کر رہا ہوتا ہے، اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔ نہیں چوری کرتا چور، جس وقت کہ وہ چوری کر رہا ہوتا ہے، اس حال میں کہ وہ مومن ہو"** (صحیحین) تاوقتیکہ وہ جاگ اٹھتا ہے اور اس کا شعور بحال ہو جاتا ہے، اور تب وہ خدا سے معافیاں مانگنے لگتا ہے، اور خدا معاف کر دینے والا ہے!

رہ گیا استحلال، یعنی ایک نافرمانی کے کام کو روا کر لینا... تو یہ خدا کی عبادت سے استکبار ہے اور اس کے حکم کے آگے جھکنے سے کھلی سرتابی۔ ایسا انسان بزبانِ حال یا بزبانِ قال کہہ رہا ہوتا ہے کہ خدا جو مرضی کہتا رہے مگر میرا فیصلہ کچھ اور ہے۔ یہ عصیان (نافرمانی) کی وہ حالت ہے جو شیطان نے علی الاعلان کیا تھا:

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (سورۃ ص 76) کہنے لگا: میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اور اُس کو گارے سے بنایا۔

---

(4) اِس اجماع سے صرف خوارج نے خروج کیا ہے، جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

نیز کہا: لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ (الحجر33) میں ایسے بشر کو سجدہ کرنے والا ہرگز نہیں جس کو تونے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا

اور یہ وہ نافرمانی ہے جس کو خدا کبھی معاف نہیں کرتا کیونکہ یہ شرک ہے:

إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء116)

اللہ ایک شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے سوا وہ جس چیز کو چاہے بخش دے

سوال یہ ہے کہ ایک مسلم معاشرے میں خدا کی "نافرمانی" ہو جانے کی حدود کیا ہیں؟

کیا ایسا ہو سکتا کہ یہ نافرمانی پھیلتے پھیلتے پورے معاشرے کو اپنی زد میں لے لے، نیز اسلام کے "جملہ اعمال" تک چلی جائے، اور اس کے بعد بھی معاشرہ مسلمان کا مسلمان، کیونکہ 'تصدیق اور 'اقرار' باقی ہے؟!

کیا خیال ہے اگر آپ کے پاس ایک ایسا معاشرہ ہو جائے جہاں ہر شخص ایسا ہی ایک (مرجئہ کی تعریف کردہ) "مسلم" اور "مومن" پایا جانے لگے؟!

کیا وہاں پر رسولوں کے بھیجے جانے اور کتابوں کے اتارے جانے کا کوئی ایک بھی مقصد پورا ہو گا؟

یاددہانی کے طور پر، ہم وہ ہدف آپ کے سامنے رکھتے چلیں جو بعثتِ رُسل اور نزولِ کتب سے خدا کا مقصود ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ **لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ** (الحدید:25)

بے شک ہم نے رسولوں کو بھیجا، بینات دے کر، اور ان کے ساتھ اتاری کتاب اور میزان، **تاکہ لوگ قائم ہو جائیں قسط پر**

یہاں (مرجئہ کے دم قدم سے)... رسولوں کا "اقرار" بھی ہو گیا اور "تصدیق" بھی... تو کیا رسولوں کی بعثت کا کوئی مقصد پورا ہوا؟ کتاب اور میزان جو رسولوں کے ساتھ نازل کی گئی تاکہ لوگوں کی زندگی اس قسط پر قائم ہو... تو یہاں کونسا قسط قائم ہوا؟!

یاددہانی کے طور پر، ہم اس آیت یا آیات کا ایک بار پھر ذکر کرتے چلیں جن میں اس امت کے برپا ہونے کی غایت بیان ہوئی:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران 110)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (البقرة 143)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الحج 78)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اُس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اِس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مدد گار

"تصدیق" اور "اقرار" ہو گیا، مگر... مذکورہ غایتوں میں سے کونسا کام پورا ہوا؟!

کیا اِسی انداز کے زعم اور رویے سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا قصہ سناتے ہوئے ہمیں باقاعدہ خبردار نہیں فرمایا تھا؟

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلا تَعْقِلُونَ (الأعراف 169)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا وہ اس دنیائے فانی کا مال متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع آنے لگے تو اس کو بھی لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں، اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں سمجھتے

یا پھر "فرائض" اور "مکلف" ہونے کا تصور بنی اسرائیل کے لیے تھا ہماری "امتِ مسلمہ" کے حق میں نہیں ہے۔

غالباً ایسے ہی کسی زعم کا ازالہ صحابیِ رسولؐ حذیفہ بن الیمانؓ نے یہ کہہ کر فرمایا تھا:

نعم الإخوة لكم بنو إسرائيل إن كان لكم كل حلوة ولهم كل مرة[9]

بنی اسرائیل تمہیں اچھے بھائی مل گئے، میٹھا میٹھا تمہارا کڑوا کڑوا اُن کا!!

پھر کیا عجب (مرجئہ کے) "ایمان" اور مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کی بابت دیے ہوئے اِس تصور پر قائم معاشرہ وہ غُثَاء (خس و خاشاک) ہو جس سے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دار فرمایا تھا۔

آج آپ دیکھ سکتے ہیں کس طرح دنیا بھر کی قومیں اِس خس و خاشاک[5] پر ٹوٹ پڑی ہیں جو صرف "تصدیق اور اقرار" پر قانع ہے اور اس کو "ایمان" سمجھتا ہے!!

رہ گیا وہ مسلم معاشرہ جس میں خدا کی شریعت راج کرتی ہے، تو خدا کی نافرمانی کے افعال وہاں بھی ہو جاتے ہیں، لیکن دو کام تو کبھی بھی، کسی بھی صورت، کسی بھی شخص کے حق میں موقوف نہیں ہوتے۔ "مسلمان" تسلیم ہونے کے لیے دو کام تو وہاں ہر شخص کرے گا خواہ درپردہ منافق کیوں نہ ہو، اس کا باقی حساب اللہ کے ذمے۔ ایک، دن میں پانچ بار خدا کے آگے

---

[5] (حدیث پیچھے گزر چکی ہے) قال : أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل!:
آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، تم اُس روز تعداد میں بہت زیادہ ہوگے، مگر تم وہ خس و خاشاک ہوگے جو سیلاب کی سطح پر ابھر آتا ہے

سجدہ ریز ہونا۔ دوسرا، خدا کی شریعت کی طرف تحاکم کرنا[6]۔ یہ دو باتیں تیرہ سو سال تک مسلم معاشرے کے بدیہیات میں شامل رہی ہیں؛ مسلمانوں میں خواہ کتنا ہی انحراف کیوں نہ در آیا ہو اِن دو چیزوں کے بغیر مسلمان ہونے کا تصور نہیں تھا۔ ان دو چیزوں کو علی الاعلان ترک کر رکھنا اور پھر بھی 'مسلمان' کہلانے کا پورا پورا حق رکھنا، یہ رجحان اِس آخری صدی میں ہی پروان چڑھا ہے۔ 'مسلمان' کی یہ قسم اِس بڑی سطح پر آج ہی دریافت ہوئی ہے!

مرجئہ کے دلائل!

ان لوگوں کی کیا دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تصدیق اور اقرار ہی ایمان میں کل مطلوب ہے اور یہ کہ اعمال بلندیِ درجات کا سبب تو ضرور ہیں لیکن اگر نہ پائے جائیں تو بھی تصدیق اور اقرار کے ہوتے ہوئے "ایمان" پورا موجود ہے؟

ظاہر ہے یہ مرجئہ اور ان کے ہم نواؤں کا قول ہے۔ تاریخ کا ذرا مطالعہ کر لیں تو آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قول جو کہ اسلام کی روح سے صاف متصادم ہے کب اور کہاں سے اسلام میں داخل ہوا۔ یہ بیج قدیم مرجئہ کے ڈالے ہوئے ہیں جس سے جدید مرجئہ آج اپنی کاشتکاری میں مدد پاتے ہیں؛ اور اب یہ اسلام میں 'مسلمان' کی ایک ایسی فصل کاشت کر چکے ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب میں آپ کو مل سکتی ہے اور نہ کسی رسول کے ہاں۔ اسلام بغیر فرائض! اور اگر آپ کہنا چاہیں تو اسلام بغیر اسلام!

قدیم یا جدید مرجئہ نے کہاں سے یہ مسئلہ لیا کہ "ایمان" ثابت ہو جانے کے لیے دنیا میں صرف اقرارِ لسانی درکار ہے اور آخرت میں اقرارِ لسانی اور تصدیقِ قلبی؟

ان کی پہلی دلیل ان کے خیال میں ایمان کا لغوی مطلب ہے۔ ایمان کا مطلب 'تصدیق' ہے۔ نیز یہ کہ "عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" قرآنی آیات میں "آمَنُوْا" پر معطوف آتا ہے، یعنی دونوں کے

---

[6]تحاکم الی الشرع: یعنی سب معاملات شریعت کی طرف لوٹانا، سب فیصلوں کے لیے شریعت کے پاس جانا۔

درمیان "وَ" آتا ہے اور "وَ" کا اقتضا ہے کہ اس سے پہلے اور بعد کے الفاظ میں مغایرت ہو۔ پس ایمان ایک شےء ہوئی اور عملِ صالحات ایک اور شےء۔ دونوں ایک دوسرے کی جنس سے ہیں اور نہ ایک دوسرے میں داخل۔

شرعی اصطلاحات کی تفسیر محض لغت کی بنیاد پر! مرجئہ کی اصل الجھن تو یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔

قرآن نے کچھ الفاظ کو باقاعدہ اصطلاح کے طور پر اپنے کچھ خاص مفہومات اور تصورات کو ادا کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جیسے ایمان، صلاۃ، زکاۃ وغیرہ... تو اس کا لغوی عموم ایک حد تک ہی درخورِ اعتنا رہتا ہے، لغت کے ایک لفظ کو اسلام جب اپنے کسی خاص مفہوم کے لیے استعمال کر لیتا ہے تو اُس لفظ کو لغت سے زائد تر ایک مفہوم بھی اس کے ساتھ ہی مل جاتا ہے، جس کے بعد اُس کا لغوی معنٰی اس سے اسلام کی کل مراد متعین کرنے کے لیے فیصلہ کن نہیں رہ جاتا۔

اب مثلاً صلاۃ ہے، جس کا لغوی مفہوم ہے دعاء۔ تو کیا اسلامی اصطلاحی استعمال میں ہم صلاۃ کو مجرد دعاء کے معنٰی میں لینا شروع کر دیں گے؟ یعنی بس دعاء؛ خواہ وہ 'دعاء' اس معروف قیام، رکوع، سجود، تلاوت، طہارت، دخولِ وقت، استقبالِ قبلہ اور دیگر ضوابط کی پابند ہیئت سے ہٹ کر ہی کیوں نہ ہو؟

اسی طرح... ''ایمان'' لغت میں تصدیق ہے، مگر وہ شرعی اصطلاح میں ''تصدیق'' کی ایک خاص ہیئت ہے جو باقاعدہ اپنی کچھ شروط اور تقاضے رکھتی ہے؛ جس میں محبت، خشوع، انابت، خشیت، اذعان، تسلیم، خدا کی بات کو ہر ہر معاملے میں اٹل ماننا، خدا کے روا کردہ کو ہی اپنے لیے روا رکھنا اور خدا کے حرام کردہ کو ہی اپنے لیے ناروا رکھنا، نیز اپنے عمل اور جوارح سے اس بات کا ثبوت دینا، عملی رویے میں اخلاقیاتِ لا الٰہ الا اللہ کی پابندی کرنا سب ''ایمان'' میں آتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الأنفال 2-4)

ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں؛ ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً (النساء65)

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں اور کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء59)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، **اگر تم ہو ایمان رکھتے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر**

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (المومنون 1-10)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے جو: اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ لغویات سے دور رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں

کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں۔ جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ سب کچھ اِس 'تصدیق' کے ساتھ جڑا ہوا ہے؛ اور جب یہ لفظ ایک باقاعدہ قرآنی اصطلاح بن گئی ہے تو خالی لغت پر اکتفاء کرتے ہوئے اس کا معنیٰ متعین کر دینا درست نہیں رہتا؛ بعینہٖ جس طرح صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور دیگر اسلامی اصطلاحات کا معنیٰ و مفہوم متعین کرتے ہوئے مجرد لغت کو نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ اُن اضافی معانی کو ساتھ شامل رکھا جائے گا جو ان کے اصطلاحی مفہوم نے ان کو بخش دیے ہوتے ہیں۔

رہ گیا یہ استدلال کہ "عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" کا لفظ "آمَنُوْا" پر معطوف آتا ہے، یعنی دونوں کے درمیان "وَ" آتا ہے اور "وَ" کا اقتضا ہے کہ اس سے پہلے اور بعد کے الفاظ میں مغایرت ہو... تو یہ بھی اتنا ہی بودا اور بے بنیاد استدلال ہے جتنا کہ اس سے پہلے والا استدلال (محض لغت کی بنیاد پر ایک اصطلاح کی گرہ کشائی کرنا)۔

قرآن کی یہ آیت پڑھ لیجئے: (مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ (البقرۃ: 98) "جو ہو دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا تو پھر اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے") اب کون نہیں جانتا کہ جبرائیل اور میکائیل ملائکہ میں سے ہی ہیں اور ملائکہ کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا، پھر بھی یہ دونوں اس پر معطوف آتے ہیں۔ یہاں "وَ" سے آخر کونسی مغایرت آگئی ہے؟ یہ ایک معلوم قاعدہ ہے کہ جزء اپنے کل پر معطوف آسکتا ہے اور ایک خاص اپنے عام پر معطوف آسکتا ہے؛ قرآن میں یہ بلاغی اسالیب معروف ہیں۔

ایک دوسری آیت پڑھ لیجئے: الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ (غافر 7) "وہ جو عرش کو اٹھانے والے ہیں اور جو اس کے گرداگرد ہیں، تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں"

یہاں ایمان معطوف ہے تسبیح پر جو کہ مقتضیاتِ ایمان میں سے ہے، کیونکہ کل مؤخر، جزء مقدم پر عطف ہو سکتا ہے اور اس سے بہت سے بلاغی معانی ثابت ہوتے ہیں۔ اس کو اقترانِ احتواء کہتے ہیں یعنی ایک چیز کا دوسری پر مشتمل ہونا، پھر بھی دوسری کا پہلی پر معطوف ہونا؛ اور یہ "مشتمل" ہونا کل اور جزء کی ترتیب سے بھی ہو سکتا ہے اور عموم و خصوص کی ترتیب سے بھی۔

"ایمان" اور "عمل صالحات" کے مابین واوِ عطف سے دونوں کی مغایرت پر استدلال کرنا اور یہ نکتہ کشید کرنا کہ ایک دوسرے کے معنیٰ و مفہوم میں آ ہی نہیں سکتا، بوجوہ باطل ہے۔ کئی آیات ایسی ہیں جہاں یہ دونوں ایک دوسرے پر معطوف **نہیں** آتے بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ مثال کے طور پر: (وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً **قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ** فَأُولَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى (طہ 75-76)" اور جو خدا کے پاس آیا مومن ہو کر **کہ صالح اعمال کر لیے تھے**، تو ایسوں کے لیے بڑے ہی اونچے درجے ہیں، ہیشگی کے باغات جن کے تلے نہریں بہتی ہیں؛ یہ ہمیشہ رہنے والے اس میں؛ اور یہ ہے بدلہ اس شخص کا جو پاکیزگی پا گیا ہو") یہاں پر **قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ** کا جملہ غور طلب ہے جو کہ دو میں سے ایک معنیٰ کا محتمل ضرور ہے: یا تو "عملِ صالحات" ایمان کا مقتضیٰ اور مضمون ہو؛ جس کا مطلب ہو گا کہ جو شخص مومن ہے وہ لازماً اس حالت میں ہے کہ اُس نے عملِ صالحات کیے ہوں۔ اور یا یہ کہ عملِ صالحات – ایمان کے ساتھ مل کر – دخولِ جنت کی شرط ہے۔ ہر دو حال میں "ایمان" اور "عملِ صالحات" باہم منسلک و لاینفک ہیں؛ یا تو مبدأ[7] کے لحاظ سے یا انجام کے لحاظ سے، یا ہر دو لحاظ سے۔

کہنے کو مرجئہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں "عملِ صالحات" شرط ہے "الدَّرَجَاتُ الْعُلَى" پانے کے لیے نہ کہ مجرد دخولِ جنت کے لیے؛ جبکہ مجرد دخولِ جنت کیلئے شرط "تصدیق اور اقرار" کے سوا کچھ نہیں... تو ان کے اِس یہ دعویٰ کو سورہ نساء کی یہ آیت باطل کر دیتی ہے:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلا يُظْلَمُونَ نَقِيراً (النساء124)

---

7 ۔ بلحاظ مبدأ" سے مراد: ایمان کی تشکیل میں ہی عمل صالح کا حصہ ہے۔ "بلحاظ انجام" سے مراد ہے: ایمان وہ جزاء پائے گا جس میں عمل صالح شامل ہو۔ (مترجم)

اور جو **نیک عمل کرے گا**، خواہ مرد ہو یا عورت، **بشرطیکہ ہو وہ مومن**، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی

واضح طور پر؛ یہاں عملِ صالحات کا ذکر اصل کے طور پر آیا ہے اور پہلے آیا ہے جبکہ "وَهُوَ مُؤْمِنٌ" پر مشتمل جملہ حالیہ شرط یا قید کے طور پر آیا ہے؛ اور ذکر ہے مجرد دخولِ جنت کا نہ کہ "درجاتِ عُلیٰ" کا!

اسی طرح اللہ رب العزت کا یہ فرمان:

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً حَسَناً (الکہف 2)

اور (تاکہ) ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کو خوش خبری دے دے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے

یہاں بھی؛ معاملہ دو صورتوں سے باہر نہیں: یا تو یہ معنیٰ ہے کہ "مومنین" کی تعریف یہ ہے کہ وہ "عمل صالحات" کرنے والے ہوں۔ یا یہ کہ "اچھا اجر" پانے کے لیے "ایمان" کے ساتھ "عمل صالحات" شرط ہے۔

سب آیات یہ معنیٰ دینے میں واضح ہیں کہ ایمان اور عمل صالحات کو اٹوٹ نہ جاننے اور دخولِ جنت کیلئے خالی تصدیق اور اقرار کو کافی جاننے والا یہ ارجائی مذہب سراسر باطل ہے۔

*****

مرجئہ نے **"معصیت" سے بھی استدلال** کرنے کی کوشش کی ہے...

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ جوارح میں واقع ہو جانے والی معصیت آدمی کو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔ یہاں سے مرجئہ نے عمارت کھڑی کرلی کہ دیکھا ایمان ایک قائم بخود حقیقت ہے جو عمل سے ہٹ کر کوئی چیز ہے؛ ورنہ لازم تھا کہ معصیت کے مرتکب سے ایمان کی صفت ہی زائل تصور ہوتی اور اسکو مومن سمجھنا ہی موقوف ہوتا!

یہ بھی ویسا ہی ایک مغالطہ ہے۔ معصیت بلاشبہ آدمی کو ایمان سے خارج نہیں کرتی: مگر یہ ایمان پر اثرانداز ضرور ہوتی ہے!

معصیت کا انسان کی حالت پر اثر انداز ہونا ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس کو ثابت کرنے پر زور لگانا غیر ضروری ہے۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا بیان کافی ہے؛ وہ ہستی ﷺ جو حقیقتِ ایمان سے سب سے بڑھ کر واقف ہے اور قلبِ بشری سے متعلقہ حقائق سے سب سے بڑھ کر آگاہ:

إن العبد إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة ، فإذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه ، وإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه ، وهو الران الذي ذكره الله تعالى : "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ . كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْن ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْم" (رواه مسلم ومالک فی الموطأ)

بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک دھبہ پڑ جاتا ہے۔ اگر تو وہ اس سے دستبردار ہو جائے؛ استغفار کرلے اور تائب ہو جائے تو اس کا دل اجلا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو وہ دھبہ گہرا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے؛ اور یہ وہ زنگ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ . كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْن ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْم ہرگز نہیں، بلکہ دراصل اِن لوگوں کے دلوں پر اِن کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ ہرگز نہیں، بالیقین اُس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے۔ پھر یہ جہنم میں جا پڑیں گے

اب اس پر تو سب متفق ہیں کہ دل ہی ایمان کا محل ہے... تو ایک دل جو سیاہ ہے اس کا اور ایک ایسے دل کا جس کی سفیدی قائم ہے معاملہ ایک برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

اور یہی تو وہ بات ہے جو علماء (اہلسنت) نے کہی ہے: کہ ایمان نیکیوں سے بڑھتا ہے اور گناہوں سے گھٹتا ہے۔ اب یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ دل اپنی اُس حالت میں جب ایمان بڑھ رہا ہو اور اُس حالت میں جب ایمان گھٹ رہا ہو، ایک سا ہو!

پھر اس کے ساتھ ساتھ، معصیت کا یہ دائرہ کتنا ہی کھلا کیوں نہ، لازم ہے کہ اس کی کچھ حدود مانی جائیں۔ یہ حدود ظاہر ہے ہم اپنے پاس سے نہیں وضع نہیں کرلیں گے بلکہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے ہی اخذ ہوں گی...

لہٰذا معصیت ایک چیز ہے اور استحلال (اُس معصیت کو روا کرلینا) اور چیز۔ اور جہاں تک اِس استحلال (معصیت کے عمل کو روا کرلینا) کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ ایمان سے خارج کرنے والا ہے چاہے آدمی گناہ کا وہ فعل نہ بھی کرتا ہو۔

اس استحلال کے حوالے سے...:

مجرد "معصیت" میں وہ افعال نہیں آتے جو "اصلِ ایمان" (ایمان کو بنیاد سے) ڈھانے والے ہوں۔ جبکہ تشریع بغیر ما انزل اللہ (غیر اسلامی شرائع کو آئین بنادینا) نواقضِ ایمان میں سے ہیں؛ یعنی یہ اُن افعال میں سے ہے جو اصلِ ایمان ہی کو ڈھادیتے ہیں۔

نیز... یہ چیز بھی مجرد "معصیت" میں نہیں آتی کہ آدمی لا الٰہ الا اللہ کے سب کے سب تقاضوں کو مکمل خیرباد کہہ چکا ہو۔ اعراض[10] کی یہ حالت مجرد "معصیت" کی نسبت سنگین تر ہے۔

*****

پھر مرجئہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اسلام میں داخلے کے لیے شہادتین بول دینے کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے؛ اور شہادتین بولنے کے ساتھ ہی وہ شخص مسلمان شمار ہونے لگتا اور اُس پر مسلمان والے سبب ظاہری احکام لگ جاتے، جبکہ اُس کا حساب اللہ پر چھوڑ دیا جاتا۔

ایک نہایت کام کی بات کی ہے، مگر اس سے ایک نہایت غلط بات ثابت کی جارہی ہے۔ مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کی بابت اس سے بڑھ کر غلط فہمی اور غلط گوئی کوئی نہ ہوگی...

اس میں کیا شک ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر یہ اعلان کر دیتا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اِس کے رسول ہیں" (یا اس کی ہم معنیٰ عبارت) تو بلا تاخیر وہ مسلمان شمار ہوتا، **اگرچہ اُس نے یہ الفاظ ازراہِ نفاق ہی کیوں نہ بولے ہوں۔**

تاہم... اُس کا یہ "گواہی" دینا ایک ملت کو خیرباد کہہ آنے اور دوسری ملت کو اختیار کرلینے کا واضح اعلان ہوتا۔ "گواہی" دینے کی یہ جہت مرجئہ گول کرگئے، جبکہ وہ پورے جزیرۂ عرب پر

واضح تھی، اور ماحول میں اس کی دلالت نہایت معلوم تھی، اور لگے یہ ثابت کرنے کہ 'دیکھا، دو لفظ بول دینے پر آدمی مسلمان مان تو لیا جاتا تھا'!!!

ایک ایسی عظیم بات... مگر مرجئہ کو کیا سوجھی، یہ اس سے استدلال کرنے چل پڑے کہ یہ تو دو لفظوں کی مار ہے! اسلام کا وہ سرٹیفکیٹ دو کلمات بول دینے پر مکمل ترین انداز میں آدمی کو دے دیا جاتا تھا (اور کیا شک ہے کہ واقعتاً دے دیا جاتا تھا!) اور موقع پر اُس سے کسی اور چیز کا مطالبہ نہ کیا جاتا، بلکہ اُس کا حساب خدا پر چھوڑ دیا جاتا۔

مرجئہ وہ اصل بات گول کر گئے جو کہ "شہادت" کی اصل دلالت ہے؛ یعنی کفر کی ملت سے برأت، اور اللہ کی غلامی اور محمد ﷺ کی تابعداری کا واضح دوٹوک اعلان...

تو پھر آیئے اصل فیصلہ کن بات پر آجاتے ہیں: کیا خیال ہے اگر ایک ایسا آدمی جو بدستور لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے، ارتداد کا مرتکب ہو جائے...؟

اب یہ شخص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پڑھتا ہے؛ مگر صاف بات ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے کسی مضمون یا کسی مقتضا کا انکار کرنے لگا ہے؛ مثلاً نماز کا منکر ہو گیا ہے، روزے کا منکر ہو گیا، یا کہتا ہے کہ میں زکاۃ یا حج کو نہیں مانتا، یا مرجئہ کی تعریفِ استحلال کو پورا کرتے ہوئے وہ حاکمیتِ شریعت کو رد کر گیا ہے... مگر "کلمہ" وہ برابر پڑھتا ہے... تو کیا اس کو مرتد نہیں کہیں گے؟ اور اُس کی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں دائمی جہنم نہیں ہے؟

کیا یہ عجیب نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک آدمی کی سزا قتل رکھے اور آخرت میں دائمی جہنم، ایک ایسی بات پر جو اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہی نہیں ہے؟!

تو کیا یہ ثابت نہ ہوا کہ **أشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمدا رسول الله کسی "حقیقت" کا اعلان تھا نہ کہ دو لفظ۔** ورنہ اگر یہ محض دو لفظ ہیں، تو جہاں اس حقیقت کو توڑ دیا گیا وہاں (خود مرجئہ کے ہاں بھی) یہ دو لفظ کیوں کام نہ آئے؟

پس یہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کچھ التزامات (پابندیوں) کا ہی اقرار ہے۔ لہٰذا ایسے اقرار کا اعتبار کیوں نہ کیا جائے؟ پس آدمی کے اقرر کا یہ اعتبار اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ اُس کا

اپنے اُس اقرار کو صریح حد تک توڑ دینا ہمارے سامنے آجائے، مثلاً لا الٰہ الا اللہ کے نواقض میں سے کسی ایک بات کا ارتکاب۔

بنابریں... **آدمی کے** أشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمدا رسول الله **بولنے میں ہی یہ بات ضمناً شامل ہے کہ "خدا کی جانب سے آنے والی ہر چیز مجھ کو قبول ہے اور اس کی اتاری ہوئی شریعت میری زندگی کا واحد دستور ہے"**۔ اور جب یہ بات اُس کے "اقرارِ لا الٰہ" میں شامل ہے تو جیسے ہی وہ اپنے اِس حلف سے پھرے گا اور شریعتِ خداوندی کے ماسوا کسی چیز کو اپنا آئین بنائے گا تو اُس کا وہ "اقرارِ لا الٰہ" ہی کالعدم قرار پا جائے گا۔ ہاں اب اُس کا وہ "اقرارِ لا الٰہ" اُس کے حق میں نہیں بلکہ اُس کے خلاف حجت ٹھہرے گا۔

پس مرجئہ کی یہ دلیل صرف اس صورت میں معتبر ہوگی اگر اِس کو معنیٰ اور دلالت سے خالی ایک کلمہ مان لیا جائے... ظاہر ہے "لا الٰہ الا اللہ" کی بابت اس سے بڑھ کر کوئی بیہودہ اور لغو بات نہیں ہو سکتی۔

اِس "لا الٰہ الا اللہ" کو (محض ایک لفظ کے طور پر) کافی جاننے کے مسئلہ کو مرجئہ دراصل **اُس فضا اور اُس ماحول** سے کاٹ کر لیتے ہیں **جس میں ایک شخص کا "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دینا اپنی زندگی کی سمت تبدیل کر لینے کے حوالے سے واقعتاً ایک نہایت کافی اعلان تھا**۔ اور یہیں سے یہ لوگ امت کو بڑی بڑی گمراہیاں پیدا کر کے دیتے ہیں...

اس میں ادنیٰ شک نہیں کہ "لا الٰہ الا اللہ" رسول اللہ ﷺ کی پوری دعوت کا عنوان ہے اور اِس لا الٰہ الا اللہ کو قبول کر لینا دراصل رسول اللہ ﷺ کی پوری دعوت کو قبول کر لینا ہے اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری میں دے دینا۔ "اسلام" کی بابت یہ واضح ترین حقیقت مرجئہ پر واضح ہو جائے تو یہ پورا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے...

جس دن سے محمد ﷺ کے ہاتھوں کرۂ ارض پر مسلم معاشرہ اپنی ایک مستقل بالذات حیثیت میں قائم ہوا ہے... اُس دن سے یہ دین، یہ ملت، یہ امت، یہ معاشرہ اپنی ایک معلوم صورت، اپنی ایک معلوم ساخت، اور اپنا ایک معلوم دستور رکھتا ہے۔ کوئی فرضی اور وہمی چیز

نہیں جو کتابوں اور بحثوں کے اندر ڈھونڈی جائے! یہ ایک معلوم دعوت ہے۔ ایک معلوم معاشرہ ہے۔ ایک معلوم مطالبہ اور معلوم تقاضا ہے۔ "انسان سے محمد ﷺ کا مطالبہ" کسی ایک دن اوجھل نہیں ہوا۔ "لا الٰہ الا اللہ" اس کا محض عنوان ہے۔ کوئی ایک شخص دنیا میں ایسا نہیں، نہ دورِ نبوی میں اور نہ آج تک، جو "لا الٰہ الا اللہ" کے اِس دروازے کے پیچھے کسی عمارت کے وجود سے لاعلم ہو۔ یہ صرف مرجئہ کی جدلیات ہیں جو "دروازے" کے پیچھے "عمارت" کو گول کر جاتی ہیں اور 'بحثوں' کی نوبت لے آتی ہیں؛ ورنہ عقول اور بدیہیات یہ قبول کرنے سے ہی ابا کرتی ہیں کہ ایک "دروازہ" لازماً کسی "احاطے" میں نہ کھلے۔ مرجئہ ہمیں ایک ایسے دروازے کی خبر دینے پر بضد ہیں جس کے پیچھے کوئی چار دیواری ہے اور نہ کوئی حدود اور نہ قیود! ایک چوپٹ دنیا؛ جس کی جانب ان کی 'کلمہ گوئی' کا یہ دروازہ کھلتا ہے! محمد ﷺ کی لائی ہوئی دعوت، عالمِ انسان سے آپؐ کا مطالبہ، آپؐ کا قائم کردہ معاشرہ، اور اس معاشرے کا دستور اور آئین اس سے کہیں واضح اور کہیں برگزیدہ ہے کہ یہ 'دو لفظوں' کی مارہو؛ جس کے پیچھے نہ کوئی حقیقت، نہ دلالت، نہ عہد، نہ التزام، نہ واجبات اور نہ فرائض اور نہ پابندی! دورِ نبوت سے آج تک ہر کسی کو محمد ﷺ کے دین میں آنے کا یہ مطلب پیشگی معلوم ہے کہ یہ پورا ایک دین ہے؛ اور یہ کہ جو شخص آپؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے اُس کو دن میں پانچ بار خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے، رمضان کے تیس دن صبح سے شام تک خدا کی تعظیم میں بھوک پیاس سہنا ہے۔ اپنے مال کا ایک حصہ نکال کر ہر سال خدا کی راہ میں پیش کرنا ہے، اور حسب استطاعت زندگی میں ایک بار خدا کے گھر کا طواف کرکے آنا ہے، خدا کے نازل کردہ احکام کو اور اس کے ٹھہرائے ہوئے حلال اور حرام کو اپنے لیے آئین ماننا ہے اور حق وباطل اور درست نادرست اور رواوناروا کی بابت خدا جو فرمادے یا اُس کا رسول جو فرمادے اُس کو حتمی وآخری تسلیم کرنا ہے۔ دینِ محمدؐ کی بابت ہر کس وناکس پیشگی جانتا ہے کہ یہاں اِن باتوں کی پابندی ہے؛ اور اس کے "مسلمان" ہونے کا آپ سے آپ یہ مطلب ہوگا کہ وہ ان باتوں کا پابند ہے۔ اب یہ سب جانتے ہوئے... وہ اِس میں داخل ہونے کا اعلان کرتا ہے: أشهد أن لا اله الا الله

وأشهد أن محمدا رسول الله۔ بتایئے یہاں کیا ابہام باقی ہے؟ حتیٰ کہ اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس دین سے پھر جانے اور اس کے نواقض کا ارتکاب کر لینے کی سزا قتل ہے، پھر بھی وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اس دین کو قبول کرتا ہے؛ اور جبکہ اُسے معلوم ہے کہ محمد ﷺ کے ہاتھوں یہ دین زمین میں عملاً قائم ہو چکا ہے اور اس کے ہاتھ میں وہ تلوار آچکی ہے جو اس دین سے مرتد ہو جانے اور اس کے نواقض کا ارتکاب کر لینے والے کا سر قلم کر دے۔ یہ سب جانتے بوجھتے ہوئے وہ اپنے آپ کو اس دین میں آنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ جبکہ مرجئہ کے خیال میں اُس نے تو کسی بات کی پابندی ہی اختیار نہیں کی صرف دو لفظ بولے ہیں اور ہم نے تو محض ان دو لفظوں کی وجہ سے (نہ کہ ان دو لفظوں کے زیر عنوان ایک حقیقت کو قبول کر لینے اور اس کی پابندی کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے باعث) ہم نے اس کو مسلمان اور صاحبِ "کامل ایمان" مان لیا ہے! حالانکہ اس آدمی نے ایک ایسے دین کو قبول کر کے جس کی عائد کردہ پابندیوں کا اس کو پیشگی علم ہے اور جو کہ زمین پر بالفعل قائم ہے اور اپنے فرائض و محرمات کو بزور لاگو کروانے اور اپنے نواقض کے مرتکب کا (توبہ کا موقع دے دینے کے بعد) سر قلم کر دینے کے لیے تلوار پاس رکھتا ہے... اس کی پابندیوں کو اور اس کی شریعت کی حتمی حیثیت اور اس کے دستور کی حاکمیت کو قطعی طور پر قبول کر لیا ہے؛ اس کا أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله کہنا تو اِس پوری حقیقت کا محض ایک اظہار ہے! پھر بھی کوئی کہے کہ أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله کہنے میں "شریعت کا دستور نہ توڑنے کی پابندی" کہاں ہے... تو اس کی سمجھ کا ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

ہم یہ وہ بات کر رہے ہیں جو دینِ محمدؐ کی بابت ایک معلوم حقیقت ہے اور ہر کس و ناکس اس سے واقف ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک عام آدمی دین کے بہت سے فروعی احکام سے جاہل نہیں ہو سکتا۔ بے شک اسلام کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو صرف اس دین کے فقہاء کو ہی معلوم ہیں۔ مگر وہ چیز جس سے کوئی شخص جاہل نہیں ہو سکتا وہ یہ کہ خدا کے ہاں سے نازل ہونے والی شریعت کی پابندی اِس امت کا دین اور دستور ہے اور ہر ہر شخص اس کا مخاطب اور

پابند، اور یہ کہ اِس پابندی کا قلادہ گلے میں ڈالنا أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله کہنے کا براہِ راست مقتضا اور مفہوم ہے۔

اسی لیے تو مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کے بیان پر ہم اس قدر زور دیتے ہیں!

ایک آدمی کو اسلام میں داخل کرواتے وقت صرف لا الٰہ الا اللہ پڑھوایا جاتا تھا اور عین اس موقع پر اس سے یہ عہد نہیں لیا جاتا تھا کہ وہ نماز پڑھے گا، روزہ رکھے گا، زکاۃ دے گا، حج کرے گا، شریعت کو اپنا دستور مانے گا، اور اللہ ورسولؐ کے فرمائے کی حتمی حیثیت تسلیم کرے گا... اس لیے کہ یہ سب کچھ "معلوم من الدين بالضرورة" ہو چکا تھا (یعنی وہ امور جن کا دینِ اسلام میں سے ہونا ایک معلوم واقعہ ہے)۔ "معلوم من الدین بالضرورۃ" کی یہ اصطلاح علمائے عقیدہ کی زبان پر آئی ہی اس لیے ہے۔ "تعلیم" کا وہ ابتدائی مرحلہ جو رسول اللہ ﷺ نے آغازِ دعوت میں گزارا، اس نے یہی تو کام کیا تھا کہ **لا الٰہ الا اللہ کسی معلوم حقیقت کا عنوان ہونہ کہ محض دو لفظ**۔ اب قیامت تک کے لیے اس کی یہ شان بن گئی ہے کہ یہ اپنے پیچھے ایک دین، ایک عقیدے، ایک ملت، ایک معاشرے، ایک دستور، اور فرائض و محرمات کے پورے ایک پیکیج کی خبر دے، جس کی کسی بات کو توڑنا کفر ہو گا تو کسی بات کو توڑنا فسق اور کسی بات کو توڑنا محض گناہ۔ یہ ہے "معلوم من الدین بالضرورۃ"۔ اور تو اور، منافق جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ کم از کم مطالبہ جس کو پورا کرنے پر آدمی کی جان بخشی ہوتی ہے وہ محض دو کلمے بہرحال نہیں ہیں! یہ "دو کلمے" ایک ضابطے میں آنے کا نام ہیں اور اِن "دو کلموں" کا یہ تعارف کروانے کے لیے ہی آپؐ کی یہ ساری محنت ہوئی تھی۔

کیا یہ بات غور طلب نہیں کہ دین کے قائم کردہ اس معاشرے میں... مومن اور منافق کے مابین فرق کرنے والی اصل بات یہ نہیں کہ ایک نماز پڑھتا ہے اور دوسرا نماز نہیں پڑھتا۔ ایک شریعت کو اپنا دستور مانتا ہے اور دوسرا شریعت کو اپنا دستور نہیں مانتا۔ کیونکہ نماز نہ پڑھ کر، اور شریعت کے سوا کسی چیز کو اپنا دستور مان کر تو وہ ظاہر میں بھی مسلمان نہیں رہتا۔ پس اِن دونوں میں فرق کرنے کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے میں یہ سرے سے نہیں۔ یہ

نہیں کریں گے تو پھر تو تلوار ہے؛ اور یہ وہ آدمی نہیں جس کا حساب ایک مسلم معاشرے میں اللہ پر اور یومِ آخرت پر چھوڑا جائے گا۔ **پانچ وقت خدا کے آگے سجدہ ریز ہونا اور خدا کی شریعت کو اپنا دستور اور آئین ماننا، یہ تو مسلم بھی کرے گا اور منافق بھی**۔ ہاں فرق دونوں میں یہ ہے، اور یہی بات فیصلہ کن ہے، کہ ایک یہ کام کرے گا ایمان، تصدیق، اطاعت اور تقربِ خداوندی کے جذبے سے، جبکہ دوسرا یہی کام کرے گا منافقت سے اور اپنی جان بچانے کے لیے۔

اسلام کا سرٹیفکیٹ جس "ظاہر" پر ملتا ہے، اور جس پر مسلم معاشرے میں آدمی کی جان بخشی ہوتی ہے، وہ "ظاہر" نہیں جس میں نہ "نماز" اور نہ "التزامِ دستورِ شریعت"۔ ایسے "ظاہر" کے لیے تو مسلم معاشرے میں "تلوار" ہے نہ کہ حقوقِ مسلمانی؛ اور بہت ظالم ہے وہ شخص جو ایسے "ظاہر" کو خدا پر چھوڑنے کو "وحسابہ علی اللہ" سے استدلال کرنے پر زور لگاتا ہے۔

تیرہ صدیوں تک یہ امت ایسے ہی ایک اسلام سے واقف رہی ہے جس میں ایک منافق تک کو کچھ قاعدوں اور ضابطوں کا پابند رہ کر دکھانا ہوتا ہے۔

*****

پھر یہ **واقعہ اسامہ بن زیدؓ سے استدلال** کرتے ہیں، جب انہوں نے دورانِ جہاد ایک آدمی کو اُس وقت قتل کر دیا جب اُن کی تلوار نے اُسے پوری طرح زیر کر لیا تھا، اور جس پر رسول اللہ ﷺ اُن پر شدید غضب ناک ہوئے، یہاں تک کہ آپؐ بار بار دہراتے جا رہے تھے "کیا اُس کے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کے بعد تم نے اُس کو قتل کر ڈالا؟" اور اسامہؓ کا یہ عذر تسلیم نہ کیا کہ اُس نے محض تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا نہ کہ ایمانی طور پر، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: "کیا تو نے اُس کا دل نہ چیر لیا کہ دیکھ لیتا واقعتاً اُس نے کلمہ پڑھا یا نہیں"۔

اس واقعہ سے بے شمار اشیاء ثابت ہوتی ہیں سوائے اُس ایک بات کے جو مرجئہ اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں...

اِن کی اس بات میں ضرور کوئی وزن ہوتا اگر اسلام میں منافق کے کوئی احکام ہی نہ ہوتے!

اُس شخص کی بابت، جو اسامہؓ کی تلوار سے قتل ہو گیا اور جس پر رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے، بدترین احتمال یہی ہو سکتا ہے کہ اس نے دل سے نہیں بلکہ اوپر اوپر سے یہ کلمہ پڑھ لیا ہو، تاکہ وہ اپنی جان بچالے۔ منافق جس کو شریعت میں چھوڑ دینے کا حکم ہے، آخر یہی تو کرتا ہے! **لیکن یہی منافق، جب نماز کا وقت ہو جائے تو اپنی وہی جان بچانے کے لیے جو اس کو پیاری ہے نماز بھی پڑھتا ہے! اپنی اسی پیاری جان کو بچانے کے لیے وہ شریعت کی رِٹ بھی تسلیم کرتا ہے!** اب یہ کام وہ اپنی جان بچانے کیلئے کرے یا خدا کی خوشنودی کے لیے، ہمیں اس سے سروکار نہیں ہے (یہ ہے "وحسابه على الله" کا صحیح معنیٰ)۔ ہم اُس سے جس چیز کی پابندی کرانے کے مکلف ہیں وہ اُس نے کر دی ہے، اس میں مرجئہ کے مذہب کو ثابت کرنے والی دلیل کہاں ہے؟

آدمی کا لا الٰہ الا اللہ کہہ دینا موقع پر اس سے تلوار کو رفع کرا دیتا ہے، یہ بات طے ہے، لیکن کیا اسلام کا سرٹیفکیٹ پانے کیلئے اُسکو زندگی میں بس یہی کارروائی کرنی ہے اور کچھ اور دیکھا جانا باقی نہیں ہے؟ اصل التباس واقعہ اُسامہؓ میں یہاں پیدا کر کے دیا جاتا ہے۔

یعنی... جھڑپ میں اُس نے لا الٰہ الا اللہ خواہ جان بچانے کے لیے ادا کیا ہو؛ یہاں پر واقعتاً اس کو چھوڑ دینا ہی بنتا ہے، لیکن اس کے بعد اگر وہ احکامِ اسلام کی وہ کم از کم پابندی نہیں کرتا جو کہ ایک مسلم معاشرے میں بہر حال طلب کی جاتی ہے... تو بھی کیا اُس کے ساتھ مسلمان والا معاملہ کیا جائے گا؟ مثلاً... نماز کا وقت آگیا ہے مگر وہ نمازیوں کی صف میں آکھڑا ہونے کا روادار نہیں، کیا تب بھی اُس کو چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ اُس نے "لا الٰہ الا اللہ" تو پڑھ لیا ہے!!؟

پس یہ تو اس کو ایک موقع دینا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں اُس نے جو دعویٰ کیا ہے، عمل کی کم از کم حد اختیار کر کے وہ اپنے اِس دعویٰ میں سچا ہونے کا ثبوت دے لے (ظاہری ثبوت کم از کم دے؛ باطنی ثبوت کا معاملہ خدا کے ساتھ)۔ اب اگر وہ لا الٰہ الا اللہ کا طلب کردہ کوئی ایک بھی عمل کرنے کا روادار نہیں، تو اس کے لیے ہمارے پاس ارتداد کی حد ہے نہ کہ اس کی کلمہ گوئی کے اعتبار میں اس کے جان اور مال کی عصمت۔

پس قاعدہ یہ ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ ادا کر دینے کی صورت میں جو شخص بھی ہمارے سامنے اسلام کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتا ہے ہم اس کو جان ومال کی امان دیتے ہوئے پورا موقع دیں کہ وہ اپنے دعوائے ایمان کو۔ عمل کی کم از کم سطح پر۔ ثابت کر لے... تاوقتیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ یہ شخص لا الٰہ الا اللہ کے طلب کردہ "عمل" کی کم از کم حد کو بھی پورا نہیں کر رہا؛ جس کے بعد اُس کے خلاف بحقِ شریعت کارروائی ہوگی؛ اور جس میں سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔ اِس واقعۂ اسامہ میں مذہبِ مرجئہ کے لیے دلیل کہاں ہے؟

*****

پھر یہ اس لونڈی کے واقعہ سے دلیل لیتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ اُس سے پوچھتے ہیں: "اللہ کہاں ہے؟" تو وہ آسمان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر آپؐ پوچھتے ہیں: "میں کون ہوں؟" تو وہ جواب دیتی ہے: "اللہ کے رسول"۔ تب آپؐ فرماتے ہیں: اسکو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے"۔ مرجئہ یہاں یہ نکتہ پیش کرتے ہیں کہ "ایمان" کو ثابت کرنے کیلئے شہادتین کو بول دینے سے بڑھ کر کوئی چیز مطلوب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اُس لونڈی کے حق میں ایمان کی گواہی نہ دیتے، پس ثابت ہوا کہ یہ دو کلمے بول دینا آدمی کا ایمان ثابت کر دینے کے لیے بہت کافی ہے!

یہ وہ سب سے بڑی دلیل ہے جو قدیم اور جدید مرجئہ اپنے مذہب کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں جو کل مطلوب ہے وہ ان دو کلموں کو بول دینا ہے، اور آخرت کے حوالے سے کل مطلوب: ان کو بول دینے کے ساتھ دل سے سچا جاننا۔

جبکہ ہمارے علماء قدیم زمانے سے ان کے اس استدلال کا رد کرتے آئے ہیں...

اس کے جواب کے لیے چاہیے ہم امام شاطبیؒ کے اصول کو بنیاد بنائیں جو کہتے ہیں کہ عینی واقعات نص کو بے اثر کر دینے کے لیے بنیاد ہی نہیں بنائے جاتے؛ کیونکہ نص اپنی دلالت میں کہیں زیادہ قوی اور محکم ہوتی ہے۔ ایک واقعہ اپنے آپ میں صحیح ہوتا ہے لیکن نص کے مقابلے میں وہ قاعدہ دینے کے لیے بنیاد نہیں بنایا جاتا کہ جس پر دیگر سب امور قیاس کر لیے جایا کریں[11] ...

اور چاہے اس کے لیے امام ابن تیمیہؒ کے جواب کو بنیاد بنایا جائے اور وہ یہ کہ:
ادائے شہادتین کو **دنیوی امور سے متعلقہ فوری اجرائے احکام کے لیے** تو ایک کافی بنیاد مانا جائے گا، جبکہ ''آزاد کرنا'' دنیوی احکام میں ہی آتا ہے، تاہم **ایمان کے ثبوت کے لیے** یہ کافی نہیں[12]...

چاہے ہم شاطبی کی دی ہوئی بنیاد اختیار کریں اور چاہے ابن تیمیہؒ کی دی ہوئی بنیاد... **اصل قضیہ ایک ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص آپ کے سامنے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے رہا ہے اس کی بابت دین میں لازماً یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ اُس نے مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کا پابند ہونا اختیار کر لیا ہے،** موقع پر تو اس کے سوا کوئی اور چیز فرض کی ہی نہیں جاتی، کیونکہ یہ ضروریات دین (معلوم من الدين بالضرورة) میں سے ہے، اور چونکہ ہم نے اس کی بابت فرض کر لیا ہے کہ آج سے وہ اسلام کا پابند ہے، تو اس لیے آج سے اس کو اسلام کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل ہو گیا ہے؛ یعنی اُس ضمنی پیمان کے موجب جو اُس کے لا الٰہ الا اللہ بول دینے سے آپ سے آپ لازم آ گیا ہے۔ ہاں اب اگر وہ اِس پابندی سے پھر جاتا ہے، اور پابندی کی وہ کم از کم سطح بھی برقرار نہیں رکھتا جو کہ ہر کلمہ گو سے لازماً طلب کی جاتی ہے، تو تب اگرچہ وہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو وہ اسلام سے مرتد قرار پائے گا اور اس پر یہ حکم لگ جانے سے اُس کو یہ چیز بھی نہیں بچائے گی کہ وہ کہے 'مجھے پتہ نہیں تھا'!

*****

نیز مرجئہ اس **حدیث سے حجت پکڑتے ہیں:** من قال لا إله إلا الله دخل الجنة" جس نے کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ وہ جنت میں جائے گا"، یا اسی معنیٰ کی کچھ احادیث۔

ان احادیث کے حوالے سے یہ وضاحت تو غیر ضروری ہے کہ یہ نصوص اُس وقت کہی گئیں جب اسلام کا آغاز تھا اور فرائض ابھی نازل نہیں ہوئے تھے؛ اگرچہ بعض علماء نے ان احادیث کی یہی توجیہ کی ہے...

حافظ منذریؒ لکھتے ہیں:

عظیم اہل علم کا ایک فریق اس رائے کی طرف گیا ہے کہ نصوصِ شریعت میں پائے جانے والے اس طرح کے اطلاقات کہ جو شخص کہہ دے لا الٰہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہوگا، یا اُس کو آگ پر حرام ٹھہرا دیا جائے گا، وغیرہ، ابتدائے اسلام میں صادر ہوئے جب دعوت ہی خالی اس بات کی تھی کہ توحید کا اقرار کر لیا جائے۔ بعد ازاں جب فرائض نازل ہوئے اور حدود مقرر ہوئے تو وہ پچھلے اطلاقات منسوخ ٹھہرے۔ اس کے دلائل کثیر ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دینے والے ہیں۔ اس قول کی جانب گئے ہیں ضحاکؒ، زہریؒ، سفیان ثوریؒ ودیگر۔ جبکہ ایک فریق کا کہنا ہے کہ اس پر نسخ کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے کیونکہ وہ سب امور جو ارکانِ دین اور فرائضِ اسلام میں آتے ہیں وہ خود بخود اقرارِ شہادتین کے لوازم اور تتمہ جات ہیں؛ لٰہذا اگر وہ شخص ادائے فرائض سے دست کش رہتا ہے خواہ منکر ہو کر یا خالی بے عمل رہ کر۔ جس پر اختلاف کی اپنی ایک تفصیل ہے۔ تو تب اُس پر ہم کفر اور عدم دخولِ جنت کا حکم لگا دیں گے۔[13]

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

توحید بندے کا مجرد یہ اقرار کر لینا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے، جیسا کہ بتوں کے پجاری بھی اس اتنی سی بات کے اقراری تھے اور بدستور مشرک رہے۔ بلکہ توحید جو معتبر ہے اس میں اللہ رب العزت کے لیے محبت وگرویدگی بھی آتی ہے، اُس کے آگے جھک جانا اور ذلت اختیار کر لینا اور مطلق اطاعت اختیار کر لینے کی صورت میں اپنی نکیل اُس کو تھما دینا بھی آتا ہے، عبادت کے جملہ افعال کو اُس کے لیے خاص کر دینا بھی آتا ہے، اور اپنے سب اقوال اور افعال اور لوگوں کے ساتھ اپنی محبت اور بغض اور کسی کو دینے اور کسی کو نہ دینے ایسے تمام امور میں خدا کا چہرہ پانے کے ارادے اور مقاصد رکھنا؛ یہ سب توحید میں آتا ہے اور جو کہ آدمی کے اور ان اسباب کے مابین حائل ہو جاتا ہے جو اُس کو خدا کی نافرمانی کی طرف کھینچنے اور اُس پر پختہ کر دینے والے ہوں۔ جس شخص کو عبادت کا یہ معنیٰ سمجھ آ گیا ہو اُسی کو نبی ﷺ کے اِس فرمان کا صحیح مطلب سمجھ آ سکتا ہے کہ { إن الله حرّم على النار من قال لا إله إلا الله **يبتغي بذلك**

وجہ اللہ اللہ نے جہنم پر ایسا آدمی حرام ٹھہرا دیا ہے جو کہے نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ اور **اس سے اُس کا مقصد اللہ کا چہرہ پانا ہو**،{ نیز آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ: }لا یدخل النار من قال لا إله إلا الله نہیں داخل ہو گا دوزخ میں جس نے کہہ دیا ہو نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ{۔ یا اسی طرح کی کچھ دیگر احادیث جن کی بابت لوگوں کی ایک کثیر تعداد اشکال کا شکار ہوئی ہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض یہ توجیہ کرنے لگے کہ یہ احادیث منسوخ ہیں، اور بعض کو توجیہ کرنا پڑی کہ یہ احادیث دراصل فرائض اور محرمات کے نزول سے پہلے کی ہیں جب شریعت اپنی اس حتمی حالت میں موجود ہی نہیں تھی۔ جبکہ بعض اس کی یہ توجیہ کرنے کی طرف گئے کہ یہاں آگ سے مراد وہ آگ لی جائے گی جو مشرکین اور کفار کے لیے مختص ہے۔ بعض نے آگ سے مراد دائمی آگ لیا۔ غرض اسی طرح کی غیر تسلی بخش توجیہات۔ جبکہ یہ معلوم ہے کہ شارع ﷺ نے اِس چیز کو مجرد زبانی الفاظ کی جزا قرار ہی نہیں دیا، کیونکہ یہ بات دین کے معلوم حقائق سے ہی متصادم ہے؛ورنہ منافقین بھی زبان سے تو یہ لفظ بولتے ہی ہیں جبکہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں جانے والے ہیں...

پس معلوم ہوا کہ یہ قول جس پر نجات ہے دل کا قول بھی ہو اور زبان کا قول بھی۔ اب جب ہم نے کہا کہ یہ دل کا بھی قول ہونا چاہیے، تو اس میں ضمناً یہ بات خود بخود آگئی کہ دل میں اس حقیقتِ لا الٰہ الا اللہ کی معرفت بھی ہو اور تصدیق بھی اور اس بات سے آگاہی بھی کہ یہ کس چیز کی نفی ہے اور کس بات کا اثبات، نیز وہ حقیقتِ الوہیت سے واقف ہو جس کی وہ غیر اللہ سے نفی کر رہا ہے اور جس کو وہ اللہ کے لیے خاص کر رہا ہے، اور جو کہ غیر اللہ کے لیے مختص رکھی ہی نہیں جا سکتی۔ اب جس دل میں ایسے معانی قائم ہو چکے ہوں یعنی یہاں حقیقتِ لا الٰہ الا اللہ کا علم بھی ہے، معرفت بھی، یقین بھی، اور کیفیت بھی، تو یہ بات خود بخود اس بات کی موجب ہے کہ ایسا آدمی دوزخ پر حرام ٹھہرا دیا جائے۔ اب ذرا یہی دیکھتے چلو کہ وہ شخص جو سو آدمیوں کا قاتل تھا اُس کے دل میں جب ایمان کے حقائق موج زن ہوتے ہیں تو اُس کا عملاً حال کیا ہوتا ہے، یہ شخص صالحین کی بستی کی جانب عازمِ سفر ہو اٹھتا ہے تو کسی مانع کو اپنی راہ میں آنے نہیں دیتا، یہاں تک کہ سکرات الموت کے وقت بھی یہ اپنے سینے کے بل کھچ کھچ کر قریۂ صالحین کی جانب جھکتا ہے۔ یہ ایک ایمان ہی اور طرح کا ہے اور معاملہ ہی اور ہے؛ پھر کیا عجب کہ ایسے شخص کا انجام صالحین ہی کے ساتھ ٹھہرا دیا جائے۔[14]

ہاں یہ بنیادی حقائق بیان کر دینے کے بعد ہم یہ کہیں گے: خدا کا وہ فضل و بخشش اپنی جگہ جو کسی چیز کی پابند نہیں۔ آخر وہ وقت آئے گا جب وہ دوزخ سے ایسے شخص تک کو نکال لے گا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا تھا اور اس کے دل میں ذرہ بھر خیر موجود تھی؛ اور یہ خالصتاً خدا کی مرضی اور اختیار ہے۔ کوئی گناہگار ابتدا میں بخشا جائے گا، کوئی عذاب بھگت کر نکلے گا اور تب جنت میں داخل ہو گا، خاص اللہ کے فضل سے، نیز رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے، جن لوگوں کے حق میں آپؐ شفاعت فرمانا پسند کریں۔ مگر کیا یہ وہ چیز ہے جس کو معیار بنا کر آدمی آخرت کی تیاری کرے؟!

شفاعت تو دراصل اللہ کے فضل اور رحمت کی ایک صورت ہے، اور ہمیں اس کی خبر دی گئی ہے تو اس لیے کہ ہم کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں... مگر اس سے مرجئہ کا بتایا ہوا وہ اسلام کب سے ثابت ہو گیا جس میں نہ فرائض ہیں اور نہ ذمہ داریاں، نہ حدود اور نہ قیود؟

یہ ہے دراصل مرجئہ کا دیا ہوا تصورِ اسلام:

≈ دنیا میں: غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيل. وہ خس و خاشاک جسے قومیں اپنے پاؤں تلے روندتی پھریں اور مرجئہ پھر بھی اِنہیں تسلیاں دلائیں کہ تمہارا ایمان تو بالکل صحیح ہے!

≈ اور آخرت میں: وہ درجہ جہاں 'آخر تو ایک دن دوزخ سے نکل آئیں گے'!

ذرا تصور کریں اگر پورا معاشرہ مرجئہ کے دیے ہوئے تصورِ ایمان پر قائم ہو! پورا معاشرہ اپاہجوں پر مشتمل! مرجئہ کے تصورِ دین پر قائم معاشرہ کیا دشمنانِ اسلام کا ایک بھی وحشیانہ تھپیڑا سہہ سکے گا؟!

یقیناً یہ برحق ہے کہ ایک تناور درخت پر بھی کچھ پتے ایسے ہوتے ہیں جو زرد اور مرجھا چکے ہوں۔ بعض شاخیں تک ایسی ہو سکتی ہیں جو خشک اور بے جان ہوں، اس کے باجود وہ درخت اپنا بہترین پھل اور بہترین سایہ دے رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس درخت کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس کا ہر پتہ اور ہر شاخ اِس فکر میں ہو کہ وہ اپنے صحیح سلامت ہونے کی دلیل اس

بات سے دے کہ وہ اس سوکھے بوسیدہ درخت کے ساتھ لٹک تو رہا ہے! کیا ایسے درخت کو موت اور فنا سے کوئی چیز بچا سکتی ہے؟

*****

البتہ ہمارا اصل سروکار اُس پیشرفت سے ہے جو مرجئہ جدید کے ہاتھوں انجام پائی!

مرجئہ جدید کے ہاتھوں مفہومِ لاالٰہ کا مسخ

مرجئہ قدیم نے لا الٰہ الا اللہ کا جتنا بھی مفہوم بگاڑا، مگر دو مسئلوں کا وہ پھر بھی اِس قدر تیاپانچہ نہیں کر سکے۔ نماز کو بھی اس آسانی سے خارج از حساب نہیں کر پائے؛ نظری طور پر اگرچہ وہ کہتے رہے کہ عمل پورے کا پورا مقتضائے ایمان سے خارج ہے، پھر بھی فقہ کے ابواب میں وہ "نماز" کو دین کے ناگزیر ترین اعمال ہی میں گنتے۔ جبکہ "شریعت کی حاکمانہ حیثیت" کو چھیڑنے کی تو خیر نوبت ہی نہ آئی تھی...

مگر مرجئہ جدید کو اپنے رکنے کے لیے کوئی حد معلوم نہیں تھی...

یہ پیدا ہی ایک ایسے معاشرے میں ہوئے جو شریعت کا محکوم نہیں، اور جہاں نماز بھی کم ہی کہیں پڑھی جاتی ہے (باقی عبادات کا تو خیر ذکر ہی کیا!)۔ ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی اور اس پر دھڑا دھڑ اِرجائی فکر کی خوراکیں! یہ (مرجئہ جدید) بڑھتے بڑھتے تمام مطالباتِ لاالٰہ تک چلے گئے۔ نماز کا کام بھی تمام، اور فصیلِ شریعت بھی کالعدم! اور اب آپ ان سے سنیں گے کہ **وہ معاشرے جہاں معاملات کے فیصلے شریعت نہ کر رہی ہو وہ بھی خیر سے اسلامی معاشرے ہی ہوتے ہیں!** اسلام کے جملہ فرائض چھوڑ رکھنے والے لوگ بھی مسلم ہوتے ہیں؛ شرط صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ زبان سے کہتے ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ!

مرجئہ جدید کا ذکر ہوا ہے تو ہم ذرا اس حدیث کے ذکر پر دوبارہ آجاتے ہیں: من قال لا إله إلا الله دخل الجنة "جو شخص کہہ دے لا الٰہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہو گا"۔ جس پر پیچھے ہم کچھ گفتگو کر آئے۔ البتہ یہ کہنا باقی ہے کہ کچھ احادیث نے اِس حدیث کی تخصیص کر دی ہے اور یہ وہ احادیث ہیں جن میں شرک سے براءت کا ذکر ہے، اور جو کہ موت تک رہنی چاہیے:

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

ما من عبد قال لا إله إلا الله ثم مات على ذلك إلا دخل الجنة [15]

ہیں کوئی بندہ جو کہے "نہیں کوئی الٰہ سوائے اللہ" پھر وہ اسی پر موت پائے، مگر وہ جنت میں داخل ہو گا۔

نیر فرمایا:

من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة [16]

جو شخص موت پائے اس حال میں کہ وہ شریک نہ کرتا تھا اللہ کے ساتھ کچھ، وہ جنت میں داخل ہو گا۔

اِن سب احادیث کو جمع کر کے پڑھیے، یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ شرک سے براءت کر رکھنا لا الٰہ الا اللہ کے قبولِ اخروی کے لیے شرط ہے۔ خود قرآن مجید سے یہ بات واضح ہے:

إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء 116)

اللہ تعالیٰ شرک کو تو کبھی معاف نہیں کرے گا اور اسکے ماسوا جسے چاہے معاف کر دے۔

شرک ایک قسم کا نہیں۔ اس کی کچھ اقسام ایسی ہیں جن کو خطیب اور واعظ بیان کرتے ہیں، کیونکہ اربابِ اقتدار اس پر خفا نہیں ہوتے۔ تاہم کچھ اقسام ہیں جو بیان تک نہیں ہو رہیں۔

غیر اللہ کے آگے دعاء، یا استعانت، یا استغاثہ، یا نذر یا ذبیحہ ایسی کوئی بھی عبادت بجا لانا شرک ہے، یہ اعتقاد کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے جو رزق دیتا ہے، نفع اور نقصان پہنچاتا ہے، شرک ہے... یہ شرک کچھ نہ کچھ بیان ہونے میں آجاتا ہے۔

خدا کی اتاری ہوئی شریعت سے ہٹ کر تشریع کرنا (روا و ناروا ٹھہرانا)، اور اس تشریعِ غیر اللہ پر راضی ہو جانا، شرک ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن لوگ اِس صدی میں شرک کی اِس قسم سے لاعلم ہیں، یا لاعلم کر رکھے گئے ہیں؛ اور آج یہ حال ہے کہ وہ معصیت اور شرک کے مابین فرق کرنے کے روادار نہیں رہے۔ شرک کی یہ صورت اب ان کے خیال میں بس ایک گناہ ہے؛ جس کی بخشش ہے؛ بلکہ 'گناہ' بھی یہ تب ہو گا جب یہ عمل ناگزیر نہ ہو؛ ورنہ اصل تو یہ ہے کہ غیر

اللہ کی شریعت چلانا فی الوقت ایک "ضرورت" ہے؛ اور جبکہ اس کو 'ترقی'، 'روشن خیالی' اور 'تہذیبی پیشرفت' کہنے والے بھی کم نہیں!

*****

یہ نوبت کیونکر آئی؟!

صلیبی فاتحین آئے تو اسلام کے جس جس ملک میں ان کے غلیظ قدم پڑے وہاں وہاں انہوں نے شریعت کو برطرف کر ڈالا۔ پھر لوگوں کو سمجھایا گیا کہ یہ کوئی ایسی بڑی بات تھوڑی ہے؛ آخر نماز روزہ تو تم کرتے ہی ہو؛ لٰہذا تم ہو تو مسلمان؛ شریعت سے فیصلے نہیں کراتے تو کیا ہے!

لیکن صلیبی (اور درپردہ یہودی) تدبیر کے اصل رنگ تو ابھی ہم نے دیکھے ہی نہ تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہاں وہ ہوائیں چلیں کہ ہمارا نماز روزہ بھی اڑ کر کہیں سے کہیں چلا گیا! پھر سمجھایا گیا کہ یہ کوئی ایسی بڑی بات تھوڑی ہے؛ آخر تم لا الٰہ الا اللہ تو کہتے ہو؛ بفضلِ خدا مسلمان تو ہو!

یوں پورے اسلام سے ایک یہی 'کلمہ گوئی' کا دھاگہ ہمارے ہاتھ میں بچا؛ اور یہ بھی دن بدن کمزور اور بوسیدہ ہوتا گیا۔ ارے یہ دور اور لا الٰہ الا اللہ کے تقاضے اور مطالبے؟! یہاں مرجئۂ جدید میدان میں آئے؛ اور حق یہ ہے کہ اِس نئی بساط پر جو استعمار نے یہاں بڑی محنت سے بچھائی، کمی ہی ان کی تھی۔ مسلم معاشروں سے اب مرجئۂ جدید کا خطاب شروع ہوتا ہے: آخر بڑی بات کیا ہے؛ ایمان کی 'مستند' تعریف ہی یہ ہے کہ 'اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب'! جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا وہ مومن ہے، بے شک اُس سے ایمان کا کوئی ایک بھی عمل اور رویہ ظاہر نہ ہو اور وہ شرک کے کیسے ہی افعال کیوں نہ کرتا اور کراتا ہو؛ بھائی یہ "عمل" کی بنیاد پر لوگوں کے ایمان کو مطعون ٹھہراتے پھرنا خارجی عقیدہ ہے جو کہ بڑا فتنہ ہے!

*****

ہم اپنی بات کا اعادہ نہیں کریں گے؛ ایک اہم اصول کی یاددہانی کرائیں گے: **آدمی کا لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہوا معتبر رہتا ہے جب تک کہ شرک سے آدمی کا دامن پاک ہو**۔ اب ہم کچھ دیر کے لیے 'اعمالِ ایمان' کی بحثیں بھی نہیں کریں گے؛ کیونکہ **نوبت مرجئۂ جدید کے ساتھ بات**

کرنے کی آچکی ہے۔ یہ 'کلمہ گو' ایمان کے اعمال نہیں کرتا، یہ مسئلہ تو اب بہت چھوٹا رہ گیا ہے، یہ 'کلمہ گو' تو صاف شرک کے افعال کرتا ہے، تو کیا اب بھی اس کا کلمہ نہیں ٹوٹا اور اس کا عہدِ توحید برقرار ہے؟

آدمی نے جب افعالِ شرک ہی کا ارتکاب کر لیا تو بھی اُس کا لا الہٰ الا اللہ باقی ہے؟

آج ہم جن بڑے مصائب میں مبتلا ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم لوگوں کو وضوء کے نواقض (وضوء کو توڑ دینے والے امور) تو بتاتے ہیں اور مدارسِ دینی میں سو سو بار اس سبق کی دہرائی کرواتے اور اس پر سینکڑوں صفحات پر مشتمل تالیفات لکھتے ہیں... لیکن لا الہٰ الا اللہ کے نواقض ان کو کبھی بتاتے اور پڑھاتے نہیں۔ کبھی تعلیمِ عقیدہ دینے بیٹھیں گے تو بھی 'اعتقادی شرک' کا بیان ہو گا اور 'عبادات' والے شرک کا تذکرہ ہو گا۔ رہا "اتباع" اور "اطاعت" والا شرک تو وہ 'کفرِ عمل' ہے جو ملت سے خارج کرنے والا نہیں!

حضرت عدی بن حاتمؓ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے جبکہ آپؐ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: }اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهاً وَاحِداً لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ(التوبۃ 31) انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا ہے، خدا کے ماسواء، اور مسیح بن مریم کو بھی؛ جبکہ ان کو حکم تھا کہ نہ عبادت کریں مگر ایک الہٰ کی، نہیں ہے کوئی الہٰ مگر وہ، پاک ہے وہ اس سے جو یہ شریک کرتے ہیں{ تو عدی بن حاتمؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا ایسا نہ تھا کہ وہ ان کے لیے ناروا کو روا کر دیتے، اور روا کو ناروا، اور وہ اس پر ان کے پیچھے چل پڑتے تھے؟ عدیؓ نے عرض کیا: یہ تو تھا! فرمایا: یہی تو ہے ان کا ان کی عبادت کرنا![17]

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان، اور یہ ہے اس کی تفسیر جو رسول اللہ ﷺ نے خود فرما کر دی... لیکن پھر بھی اِن کا کہنا ہے کہ یہ 'کفرِ عمل' ہے اور 'کفرِ عمل' ملت سے خارج کر دینے والا نہیں!!

*****

پیچھے ہم یہ بیان کر آئے کہ تشریع (روا و ناروا کے ضابطے جاری کرنا) کا مسئلہ عقیدہ کے بنیادی مسائل میں سے ایک ہے، اور یہ کہ مکی سورتوں نے یہ مسئلہ اُس وقت بیان کر کے دیا جب وہ تفصیلی احکام ابھی نازل ہی نہ ہوئے تھے جو بعد ازاں مسلم معاشرے کو چلانے کے لیے ایک ایک کر کے نازل ہوتے رہے۔ یہ بات مکہ میں کہی گئی جب لوگوں کو اسلام بیان کر کے دیا جارہا تھا:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (الأعراف 3)

لوگو، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (الشوری 21)

کیا یہ لوگ کچھ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں جنہوں نے اِن کے لیے دین کی نوعیت رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے اِذن نہیں دیا؟

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ (الشوری 10)

تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے وہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

جبکہ اہل ایمان کو مکہ میں ہدایت جاری کی گئی:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ **وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ۔** (الأنعام 121)

اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ، ایسا کرنا فسق ہے شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں لیکن **اگر تم نے اُن کی اطاعت قبول کرلی تو یقیناً تم مشرک ہو۔**

پھر جب مدینہ میں جا کر تفصیلی احکام نازل ہوئے، اور اسلام نے عملی نفاذ کی ایک صورت دھار لی، جس میں عبادات ہی نہیں، بلکہ حلال (روا) وہ تھا جس کو اللہ روا ٹھہرا دے اور حرام

(ناروا) وہ تھا جس کو اللہ ناروا ٹھہرادے... تو یہاں (دورِ مدینہ میں) ایک نئے مسئلہ نے جنم لیا اور یہ تھا منافقین کا وجود جو ظاہر میں اسلام کو قبول کیے ہوئے تھے مگر نفوس احکامِ خداوندی کے آگے جھکے ہوئے نہیں تھے، جن کی بابت بتایا گیا کہ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ (النساء 60) "چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں"۔ (جبکہ ہر وہ دستور جو اللہ کا دستور نہیں طاغوت ہے)، یہ تھے منافقین جو چاہتے تھے کہ روا اور ناروا کے پیمانے ان کے حسبِ خواہش چھوڑ دیے جائیں یا اُن کے عرف اور دستور پر چھوڑ دیے جائیں نہ کہ اُس قاعدہ اور دستور کے پابند جو اللہ رب العزت کے ہاں سے نازل ہوا۔

تو اب اِن (منافقین) کی بابت صریح فیصلے اترتے ہیں:

فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً (النساء65)

نہیں، اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ (النور 47 - 48)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ اور رسول کی طرف، تاکہ رسول ان کے آپس کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق کترا جاتا ہے۔

اِس پورے بیان سے نہایت واضح کر دیا گیا کہ اب جب دین مکمل ہو چکا تو ایمان کے سچا ہونے کی کسوٹی یہ ہے کہ عقیدہ کی درستی اور ادائے عبادات کے ساتھ ساتھ سب معاملاتِ زندگی شریعت کی طرف لوٹائے جائیں اور شریعت کا فیصلہ ہر حال میں تسلیم کیا جائے۔ محض "عقیدہ ٹھیک ہونا" ہرگز کافی نہ رہا۔ "عقیدہ" ٹھیک ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی شخص 'مذہبی عبادات'

بھی ادا کرتا ہے، یہ بھی ہرگز کافی نہ رہا۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کے تقاضے عملی صورت میں اب اِس کثرت کے ساتھ مشروع ٹھہرا دیے گئے تھے کہ یہ مکہ والی صورت نہیں تھی جب شریعت کے احکام اور قوانین اس مفصل صورت میں موجود ہی نہ تھے اور "اعتقاد" کی حد تک ہی شریعتِ خداوندی کی حاکمیت پر ایمان رکھنا تھا۔ اِس لا الہٰ الا اللہ پر ایمان لانے کا ایک ہی مطلب ہے: ہر اُس چیز کی پابندی جس کا یہ لا الٰہ الا اللہ آدمی سے تقاضا کرے گا (ہاں اُس نافرمانی کا واقع ہونا ممکن ہے جو اِس "پابندی" کو سرے سے ختم نہ کردے)۔ پس **ابتدائے دعوت میں** جس وقت اِس لا الہٰ الا اللہ کا مطالبہ ہی صرف یہ تھا کہ آدمی اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے، اور اس بات پر ایمان لائے کہ اُس نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے اپنا یہ رسول بھیج رکھا ہے، وغیرہ؛ تو وہاں **کل مطلوب ہی یہ تھا کہ اِن حقائق پر ایمان لا کر آدمی اللہ کے دین میں داخل ہو جائے**۔ پھر جب کچھ عبادات فرض ٹھہرائی گئیں تو لا الہٰ الا اللہ کا مطلوب اب یہ ہو گیا کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے، رسول کی بعثت پر ایمان لائے، وغیرہ؛ اور **اس کے ساتھ اُن عبادات کی ادائیگی کرے**۔ پھر جب مدینہ جا کر عبادات بھی پوری ہوئیں اور احکام بھی مکمل ہوئے تو اب لا الہٰ الا اللہ کا مطلوب یہ ہوا کہ **اللہ اور رسول پر اور وحی کی بیان کردہ دیگر حقیقتوں پر بھی ایمان لائے، جو عبادات فرض ٹھہرا دی گئیں ان کی ادائیگی کرے، اور شرعِ خداوندی کی پابندی کرے**... **اب وہ وقت نہیں تھا کہ اِن تینوں میں سے کوئی ایک کیا جائے تو وہ دوسرے سے کفایت کر دے**۔

تاہم **منافقین نہ تو توحید کے مسئلے پر بحث کرتے، نہ ہی عبادات کے مسئلے پر بحث کرتے** (اگرچہ ان کے ادا کرنے میں سستی اور بددلی دکھاتے)۔ **مگر سوسائٹی سے متعلقہ احکام اور ضابطوں سے، جو "شریعت" کی صورت میں اتارے جا رہے تھے، ان کی جان جاتی**۔ یہاں؛ وہ "اعراض" کرتے۔ یہ (سماجی) زنجیریں سب سے گراں تھیں۔ اِس سے بھاگنے کی وہ پوری کوشش کرتے اور طاغوت کے حکم اور دستور کی جانب لوٹنے کی ہر صورت نکالتے۔ (دوبارہ بتاتے چلیں، طاغوت سے مراد: ہر وہ دستور جو اللہ کا دستور نہیں)۔ چنانچہ مدینہ کے اندر قرآنی آیات منافقین کے تذکروں کے دوران بے شمار پہلوؤں سے حکم بما انزل اللہ کے مسئلے کو

لے کر آتی ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ **اُس وقت کا 'برننگ ایشو' یہی تھا: سوسائٹی میں رائج ضابطے اور دستور۔** (اور آج بھی 'برننگ ایشو' یہی ہو گیا ہے!) یہاں؛ دوٹوک انداز میں فرمانِ خداوندی جاری کیا جاتا ہے:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدۃ44)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدۃ45)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدۃ47)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدۃ50)

تو کیا یہ لوگ **جاہلیت کا فیصلہ** چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک **فیصلہ کرنے میں اللہ** سے بہتر کوئی نہیں ہے۔

*****

سب سے عجیب بات آپ کو سننے کو یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تو منافقین کے بارے میں فرمائی تھی؛ ان کے بارے میں اللہ فرما رہا ہے کہ شریعت سے فیصلے کروانے پر یہ "دل سے ایمان" ہی نہیں رکھتے۔ ہاں البتہ اگر وہ "دل میں ایمان" رکھتے تو اللہ تعالیٰ اِس لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ[8] کی شرط کا ذکر نہ فرماتا!!

بہت خوب! اور وہ جو مومن ہیں، وہ مومن ہو کس طرح گئے؟!

اور یہ جو منافقین ہیں، یہ منافق ہو کس طرح گئے؟!

مومن اِسی لیے تو مومن کہلائے کہ وہ "درستیِ اعتقاد" اور "ادائے عبادات" کے ساتھ ساتھ "اللہ کی شریعت کی جانب تحاکم" کرتے ہیں؟!

---

(8) سورة المائدة [50] "ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں"۔ آیت ابھی اوپر گزری ہے۔ (مترجم)

اور اگر وہ شریعت کی جانب تحاکم نہ کرتے تو کیا اُن کو مومن مان لیا جاتا؟؟؟

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (النور 51)

ایمان والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

مومن تو مومن کہلائے ہی اس لیے کہ انہوں نے - جب سے لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسولُ اللہ پڑھا - اِس چیز کے "پابند" بن کر دکھایا کہ اللہ کے ہاں سے جو نازل ہو گا اُس کے آگے اِن کے پاس صرف "سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا" ہے۔ اِن کو "ایمان" کا سرٹیفکیٹ اسی لیے تو ملا کہ مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کا پابند رہنے کا دستور اِن کے ہاں کبھی ٹوٹا نہیں (معصیت ہو جانا تو چیز ہی اور ہے)!

تحاکم الی الشریعۃ، یعنی اپنے کل معاملات میں شرعِ خداوندی کو ہی فیصل اور حکم ٹھہرانا... یہ صرف منافقین پر تو فرض نہیں کیا گیا تھا؛ اس کا پابند تو ہر وہ شخص تھا جو زبان سے ایک بار لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسولُ اللہ کہہ چکا ہے۔ **ہاں وہ یہ کام برضا و رغبت کرتا ہے اور تسلیمِ دل شامل ہے تو وہ باطن میں بھی مومن ہے، اور اگر وہ محض ظاہری پابندی کرتا ہے جبکہ دل میں اس پر راضی نہیں تو یہ ہیں وہ طبقے جن کے لیے "منافقین" کی اصطلاح وجود میں آئی ہے۔ (البتہ ظاہر میں پابند یہ بھی ہیں**، ورنہ اسلامی اصطلاح میں ان کا نام منافق نہ ہوتا بلکہ مرتد ہوتا)۔

*****

خلاصہ یہ ہوا کہ "تشریع" (سوسائٹی کو روا اور ناروا کے ضابطے صادر کر کے دینا) کا مسئلہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ براہِ راست متعلق ہے اور یہ کسی وقت اور کسی صورت اس سے الگ نہیں ہوتا۔

فقہاء نے صرف (ایک خاص فضا اور ماحول کو سامنے رکھ کر) یہ کہا ہے کہ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ کی رو سے آدمی اُس وقت کافر ہوتا ہے جب وہ استحلال کر

لے (یعنی جب وہ اس کو روا کر لے)؛ ہاں اگر وہ اس کو روا نہیں ٹھہراتا تو یہ کفرٌ دونَ کفرٍ ہے، یعنی وہ کفر جو ملت سے خارج نہیں کرتا۔

چنانچہ ایک قاضی جو کسی مقدمے میں شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، کیونکہ وہ کسی ایک فریقِ مقدمہ سے رشوت کھا کر بیٹھا ہے (یا بددیانتی کا کوئی اور سبب ہے)، تو یہ قاضی کفر کا مرتکب نہیں بلکہ محض گناہگار اور خدا کے غضب اور خفگی کا حقدار ہے۔

ایک قاضی جو تاویل کر لیتا ہے، ایک مقدمہ میں جو اس کے سامنے پیش ہوا اجتہاد کی غلطی کر لیتا ہے، وہ اگر نیک نیت ہے تو اس پر گناہ بھی نہیں آتا بلکہ اجتہاد کی غلطی کا اجر بھی ملتا ہے، باوجودیکہ اُس نے شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کیا ہے۔

اور اسی طرح کے دیگر احکام جو فقہائے اسلام کے بیان میں وارد ہوئے...

یہ سب حق ہے۔ **مگر اِن سب باتوں کا تشریع غیر ما انزل اللہ سے کیا تعلق؟** (تشریع غیر ما انزل اللہ: یعنی **غیر اللہ کی شریعت کو دستور ٹھہرا دینا**)۔ وہ چیز کہاں اور یہ کہاں؟ وہ ایک قاضی ہے جو کسی ایک مقدمے میں جو اس کی عدالت میں پیش ہوا، ایک خلافِ شریعت فیصلہ دے ڈالتا ہے اور جس کے پیچھے کچھ شخصی محرکات ہیں، جیسا کہ ہمیں کتبِ فقہ کے بیان سے ملتا ہے، (اور جہاں سسٹم ہی اسلامی ہے)، تاہم وہ جج اپنے حق میں اس کا حکم بدل کر حرام سے حلال نہیں کرتا، یہ اور چیز ہے۔ البتہ تشریع غیر ما انزل اللہ (**شریعتِ غیر اللہ کو ہی دستور ٹھہرا دینا**) ایک بالکل اور چیز۔ **اول الذکر صورت میں شریعتِ خداوندی کی دستوری حیثیت کو ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا صرف اُس کو نافذ کرنے میں ڈنڈی ماری سے کام لیا گیا ہے** (لہٰذا یہ واقعتاً کفر اکبر نہیں)۔ جبکہ **ثانی الذکر صورت میں خدا کی شریعت سے متصادم ایک شریعت لا دھری گئی ہے**، ایک چیز بطورِ آئین باقاعدہ صادر کر دی گئی ہے بغیر اس کے کہ دور نزدیک سے کوئی الٰہی سند اس کو حاصل ہو؛ اور جس کے اندر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے تو لازماً کہا جا رہا ہوتا ہے کہ یہاں خدا کی شریعت نہیں بلکہ میری شریعت چلے گی، جو کہ شرعِ خداوندی کے برابر ہی نہیں بلکہ اس سے برتر ہے، کم از کم حالات اور زمانے کے لیے مناسب تر تو ضرور ہے!

یہ (موخر الذکر) وہ چیز نہیں جس کے کفر مُخرج من الملۃ (وہ کفر جو ملت سے خارج کر دے) ہونے میں اسلام کی پوری تاریخ میں کسی فقیہ نے اختلاف کیا ہو۔

نیز اس بات کے کفر مُخرج من الملۃ ہونے میں بھی فقہائے اسلام نے پوری تاریخ میں کبھی اختلاف نہیں کیا کہ انسان غیر اللہ کی شریعت پر علم اور ارادہ رکھتے ہوئے (اکراہ کی بات اور ہے[9]) راضی ہو۔

پس تشریع غیر ما انزل اللہ (**غیر اللہ کی شریعت کو دستور ٹھہرادینا**) اور اللہ کی تشریع سے متصادم تشریع پر رضامند ہونا، دونوں حکمِ خداوندی کی رو سے لا الٰہ الا اللہ کے نواقض (آدمی کے لا الٰہ الا اللہ کو توڑ دینے والے افعال) ہیں۔ اور ایسے ہی شخص کی بابت خدا کا یہ حکمِ قطعی نازل ہوا:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدۃ 44)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں

آیت }**أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ** يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ **حُكْمًا** لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدۃ 50) تو کیا یہ لوگ **جاہلیت کا فیصلہ** چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک **فیصلہ کرنے میں اللہ** سے بہتر کوئی نہیں ہے{ **کے تحت امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:**

> یہاں اللہ تعالیٰ اُس شخص پر نکیر فرما رہا ہے جو اللہ کے محکم فیصلے کو چھوڑ کر کہیں جاتا ہے، جبکہ اللہ کا وہ فیصلہ ہر ہر خیر پر مشتمل ہے اور ہر ہر شر سے مانع ہے، مگر یہ شخص اُس کو چھوڑ کر اور چیزوں کی طرف جاتا ہے، خواہ وہ آراء ہوں یا اہواء یا وہ وضع کر لی گئی اشیاء جنہیں انسانوں نے ہی مقرر ٹھہرا لیا ہے بغیر اِس کے کہ ان پر شریعت سے کوئی سند ہو، جیسا کہ اہل جاہلیت اپنے حکم و قانون کیلئے اپنی ان ضلالتوں اور جہالتوں کو مقرر ٹھہرا لیتے تھے جن کو وہ اپنی آراء اور اہواء سے اختیار کر لیتے۔ اور جس طرح یہ تاتاری ان شاہی

---

[9] مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل 106) جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے (ترجمہ مودودی)

فرامین کی بنیاد پر اپنا حکم و قانون چلاتے ہیں جن کا ماخذ ان کے بادشاہ چنگیز خان کا وضع کیا ہوا یاسق (تزکِ چنگیزی، تاتاری قوانین کی کتاب) ہے اور جو کہ ایک مجموعۂ قوانین سے عبارت ہے جو اُس نے مختلف شریعتوں سے نکال کر اکٹھے کئے تھے، یہودیت سے بھی، نصرانیت سے بھی اور شریعتِ اسلامی سے بھی، جبکہ اس میں بہت سے قوانین ایسے ہیں جو اُس نے خود اپنے ہی فکر اور ہوائے نفس سے ماخوذ کر رکھے تھے، اور یوں یہ یاسق (تزک چنگیزی) ہی آگے اُس کی اولاد میں ایک دستور بن چکا ہے جس کی باقاعدہ پیروی ہوتی اور جسے وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو لاگو کرنے پر مقدم رکھتے ہیں۔ پس جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اُس سے قتال واجب ہے تا آنکہ وہ اللہ اور رسول کے قانون کی جانب پھر نہ آئے، یہاں تک کہ ہر ہر معاملے میں، خواہ کوئی معاملہ چھوٹا ہو خواہ بڑا، وہ اللہ اور رسول کو ہی فیصل اور حَکَم نہ ماننے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر 2: 68)

*****

یہ جو اٹوٹ رشتہ ہے لا الٰہ الا اللہ کے مابین اور تحکیمِ شریعتِ خداوندی کے مابین، مسلمانوں کے تصورِ اسلام میں یہ رشتہ تیرہ صدیوں تک ایک بدیہی حقیقت کے طور پر قائم رہا۔ **تیرہ صدیوں تک مسلمان کسی ایسے اسلام سے واقف نہ تھے جو حاکمیتِ شریعتِ خداوندی کے بغیر بھی 'پایا جاسکتا' ہو**۔ اِس کے بغیر آدمی "مسلمان" ہو، اس کا تصور ہی نہ تھا۔ سرزمینِ اسلام میں بالفعل شریعت کا راج ہونا اس مسئلہ کو ایک ہیبت عطا کرتا تھا، اور **لوگوں کو یہ تصور کرنا واقعتاً مشکل تھا کہ "شریعتِ خداوندی" کے بغیر "اسلام" اور "مسلمان" کی کوئی قسم پائی جاسکتی ہے!**

عام مسلمان کے تصور میں دو چیزیں تو ضرور ایسی تھیں جو مسلم اور کافر کے مابین عملی فرق کروادیں: نماز اور شریعتِ خداوندی۔ **عامی سے عامی شخص بھی جس عملی نشانی سے مسلم اور کافر کا فرق کرتا ہے، مسلم اور کافر کو الگ الگ پہنچانتا ہے، وہ یہی دو چیزیں ہیں: مسلمان نماز پڑھتا ہے؛ دن میں پانچ بار خدا کو سجدہ کرتا ہے، کافر نماز نہیں پڑھتا؛ خدا کو سجدہ نہیں کرتا۔ مسلمان کا دستور شریعت ہے، کافر کا دستور شریعت نہیں ہے۔ یہ ایک عام سے عام مسلمان کا حال ہے جو آپ کو مسلم اور کافر کا یہ فرق بڑے آرام سے بتا سکتا تھا؛ اور تیرہ صدیوں تک**

معاملہ ایسا ہی رہا۔ مگر عالمِ اسلام پر صلیبی قبضہ کو کچھ ہی دیر گزری ہو گی؛ اور اب آپ اِس عامی سے پوچھ کر دیکھئے مسلمان اور کافر میں کیا فرق ہے؟ **عامی کی کیا بات، یہاں کے دانشور سے پوچھ لیجئے کہ وہ آپ کو کافر اور مسلم میں کوئی موٹا سا "عملی فرق" بتا دے**، آپ دیکھیں گے تصورات کی دنیا میں ہی معاملہ سر تا پیر الٹ گیا ہے۔ شریعت غائب، **"مسلمان بغیر اسلام" حاضر ہے؛ اور آپ کو اِسے تسلیم کرنا ہے!**

مسلم معاشرے ہوں اور شریعت نہ ہو، تیرہ صدیوں تک کوئی آپ کو یہ پہیلی بوجھ کر نہ دے سکتا تھا! شریعت کو ہٹا کر اور اس کی جگہ پوری کی پوری غیر اسلامی شریعت کو لا کر دھر دیا جائے، اور اس سے اسلام اور ایمان کو کچھ فرق نہ آئے، یہ بات کسے سمجھ آسکتی تھی؛ اور مرجئہ جدید سے پہلے یہ بات کیسے کسی کے دماغ میں بیٹھ سکتی تھی؟ شریعت کو (معاذ اللہ) ردی میں پھنک دیا جانے کا تصور آدمی کر سکتا تھا تو وہ یہ کہ خدانخواستہ کسی وقت مسلمان ملک پر صلیبیوں وغیرہ کا قبضہ ہو جائے۔ مگر یہ کام 'مسلمان' کے ہاتھ سے بھی ہو سکتا ہے، یہ کسی کے وہم و گمان میں کیسے آسکتا تھا؟

مگر صلیبی استعمار کی چند عشروں کی محنت نے یہاں کیا کیا کرشمے نہیں کر دیے...!

میں اپنی دیگر تصانیف میں اس پر قدرے تفصیل سے بات کر آیا ہوں کہ اس صلیبی برین واشنگ نے یہاں کیا کیا کارنامے کر کے دیے ہیں، اس کی فکری یلغار، تعلیمی نصاب اور مناہج، ذرائع ابلاغ، اس کی دی ہوئی ادبیات اور فکریات، اُس کا چلایا ہوا سیاسی عمل، تحریکِ نسواں، اخلاق اور اقدار کے بخیے ادھیڑنے کے گوناگوں انتظامات... اور نہ جانے کیا کیا کچھ جو یہاں **'مسلمان بغیر اسلام' نام کی جنس متعارف کرانے کے لیے** میدان میں لا پھینکا گیا... اور بالآخر یہ قسم ایجاد ہو گئی یعنی 'مسلمان بغیر اسلام'، ساتھ میں مرجئہ جدید کے دھڑا دھڑ سرٹیفکیٹ!

یہاں ایک نیا سلسلہ چلا دینے کے بعد... استعمار رخصت ہوا، اور مسلم نام بردار حکمران تن دہی کے ساتھ وہی "حکم بغیر ما انزل اللہ" (**شرعِ انگریز کو دستور اور شرعِ خداوندی کو نا دستور** رکھنے) پر قائم بندوبست چلانے لگے۔ صلیبی استعمار کی غیر موجودگی میں اُس کی جو بہترین نمائندگی

ہو سکتی تھی، اِن کے ذریعے باحسن اسلوب جاری رہی؛ جبکہ لوگوں کو اطمینان کہ ہیں تو مسلمان۔ رہا حکم بغیر ما انزل اللہ (**شرعِ خداوندی کو نا دستور ٹھہرانا**)، تو اس کے بغیر بھلا کیا چارہ ہے ؟!

معاملے نے ایک جہت اختیار کر لی تو اس کے بعد لوگوں کی اسلام سے دوری بڑھتی چلی گئی۔ ذہن سازی کے وہ سائنٹی فک عوامل نئے سے نئے انداز میں برتے جانے لگے۔ لوگوں کو اب اس بات پر قائل کیا جانے لگا کہ اس کو کفر کہنا تو بہت پرانی بات ہے، "شریعتِ خداوندی کو برطرف کر رکھنا" اس وقت زمانے کی ضرورت ہو چکا ہے اور ترقی کی شرط اور تہذیبی پیش رفت کا پیمانہ۔ نظام اور اصول اور نظریات اور قوانین اور دساتیر باہر سے درآمد کرنا خواہ وہ سرمایہ دار مغرب کی اترن ہو یا اشتراکی مشرق کی، یہ ہماری 'مجبوری' ہے، یہ نہ لیں تو آخر ہمارے پاس ہے کیا؟ وہ "شریعت" جس کا آپ نام لیتے ہیں، یا تیرہ صدیوں تک اس سے واقف رہے ہیں، بھائی وہ اِس عالمِ نو کے وجود میں آنے سے پہلے کی چیز ہے، عقیدت اپنی جگہ مگر یہ "شریعت" آج کے انسان اور آج کے معاشرے کی ضرورت کیسے پوری کر سکتی ہے ؟! 'مذہبی' لوگوں کی اِس ضد نے ہی ہمیں قوموں کی دوڑ میں اس قدر پیچھے کر دیا ہے۔ یہ بیڑیاں ہیں جو ہم نے پیروں میں پہن رکھی ہیں، ان کو اتارو اور 'آگے' بڑھو! دیکھ نہیں رہے یورپ کہاں پہنچ گیا، وہ بھی 'مذہب' کی یہ بیڑیاں نہ اتارتا تو آج تک وہیں کھڑا ہوتا، زندگی کا پہیہ روک دینا کسی کے بس کی بات نہیں، "ارتقاء" ایک اٹل حقیقت ہے، بیڑیاں اتارو اور 'زندگی' کی دوڑ میں شریک ہو جاؤ! اور ہاں اس دوران یہ مت بھولنا کہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے تم مسلمان ہو اور مسلمان رہو گے، آخر کلمہ نہیں پڑھتے؛ من قال لا إله الا الله، دخل الجنة!

*****

آج ہم واقعتاً یہاں پر کھڑے ہیں...!

لا الٰہ الا اللہ سے اس کا تمام تر مادہ اور مضمون اِس سے باہر کر دیا گیا، اس کے تمام تر تقاضے اور مفاہیم اس سے منہا کر دیے گئے، اس میں جو کوئی حقیقت تھی وہ کھرچ کھرچ کر اِس سے نکال دی گئی؛ اور اب **ایک ایسی کھوکھلی چیز جس کو ہمارا عقیدہ تو کیا ہماری تاریخ پہچان کرنہ دے گی**...

اس کھوکھلی چیز کے ساتھ یہاں کا وہ سب "خس وخاشاک" چمٹ کر بیٹھا ہے (جس کا حدیث میں ذکر ہوا)[10]، اور جس کو اس سیلاب کے بے رحم تھپیڑے کہیں سے کہیں پہنچاتے ہیں، اور جس کے آگے یہ مکمل بے بس ہے؛ اپنی جڑیں کہیں ہوں تو جم کر دکھائے!

اِس امت کی جڑیں جن پر جم کر یہ زمین کے اندر تمکین پاتی ہے، "لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ" سے پھوٹتی ہیں، بشر طیکہ اس کلمہ کو اس کے مادہ اور مضمون سے خالی نہ کر دیا گیا ہو، اسکے زندہ حقائق سے اس کو کھوکھلا کر کے نہ رکھ دیا گیا ہو۔ (یعنی وہ کلمہ جس کو مرجئہ کا ہاتھ نہ لگا ہو)۔ ہاں ارجائی فکر کے دیے ہوئے اِس مریل بیج سے اُس تناور درخت کی امید رکھنا جو زمین میں تمکین پا کر دے، نری خود فریبی ہے۔ جیسے زورآور جھکڑ آج کی جاہلیت نے چلائے ہیں اُن کا مقابلہ کیا یہ مرجئہ کا پڑھایا ہوا 'کلمہ' کر کے دے گا؟ اور کیا وہ نصف کرۂ ارض پر پھیلا ہوا "خير أمة أخرجت للناس" کا درخت کسی ایسے ہی مریل بیج سے پھوٹا تھا؟ جو "تھمتا نہ تھا کسی سے وہ سیلِ رواں ہمارا" کیا اُس ایمان کا اٹھایا ہوا تھا جس کی تعریف میں "عمل" اور "کردار" کا نام آجانا ہی بدعت ہے اور جو "تصدیق" سے شروع ہو کر "اقرار" پر ختم ہو جاتا ہے؟!

*****

لا الٰہ الا اللہ کو اس کے مادہ و مضمون سے خالی کر کے ایک کھوکھلی بے حقیقت چیز بنا دینے کے پیچھے ہماری طویل تاریخ میں بہت سے اسباب کار فرما رہے ہیں...

"لا الٰہ الا اللہ" کو بے جان کرنے والے کچھ دیگر عوامل

فرائض اور ذمہ داریوں سے فرار، ناکافی تذکیر وبیان، مسلم معاشرے میں حد سے بڑھی ہوئی دولت اور تعیش، صوفی پسپائیت، سیاسی استبداد، ارجائی فکر... سب نے لا الٰہ الا اللہ کو اس کے اصل مضمون سے خالی کر کے رکھ دینے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

---

(10) اشارہ ہے پیچھے گزری ہوئی اس حدیث کی طرف، جس میں اُس دور کے 'مسلمان' کو جب اس پر قومیں چڑھ دوڑیں گی، خس وخاشاک سے تشبیہ دی گئی جو سیلاب کی تہہ پر ابھر آتا ہے۔ (مترجم)

فرائض اور ذمہ داریوں سے فرار بشر کی طبیعت میں شامل ہے۔ ساتھ میں زمین کی کشش (یعنی مفاداتِ ارضی) اور خواہشات کی کشش شامل ہو جاتی ہے... جس کا علاج ہے تذکیر:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (الذاریات 55)

البتہ نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کیلئے نافع ہے۔

تذکیر جب مطلوبہ پیمانے پر یا مطلوبہ نوعیت کی نہ رہے تو فرائض اور ذمہ داریوں سے آزادی پانے کا عمل نہ صرف جاری رہتا ہے بلکہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔

دولت کی فروانی جو مسلمانوں کو زمین میں تمکین پانے کے نیتجے میں میسر آئی، وہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ لوگ راحت اور تن آسانی میں پڑتے اور صحابہ والا زہد روپوش ہوتا گیا، تو اللہ کی رسی پر گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ کسی کا رخ بدعات کی طرف ہوا تو کسی کا معاصی کی طرف، اور ہر دو مطالباتِ لا الہ سے خروج کی ہی صورتیں تھیں۔

تعیش اور تن آسانی بڑھی تو اس کا انتہائی رد عمل صوفیت تھا۔ روح کو مادی لذتوں کے غلبے سے آزاد کرانے کے لیے بے چین نفوس نے تصوف کے اندر پناہ دیکھی؛ البتہ یہ عمل گوشہ نشینی کی صورت دھار گیا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسے فریضہ کے ترک کا ذریعہ بنا۔ یوں لا الہ الا اللہ کو اس کے کچھ اہم ترین مضامین سے خالی کر کے رکھ دیا گیا۔

تیسری جانب، سیاسی استبداد نے لا الہ الا اللہ کا مفہوم سکیڑ دینے میں اپنا کردار ادا کیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ فریضہ بالعموم سلاطین کو پسند نہیں آتا تھا: 'مخالفین' پر جو شریعت سے حکمرانوں کے انحرافات اور تجاوزات پر معترض ہوتے، نہایت برا عتاب نازل ہوتا۔ جس سے لوگوں میں 'اپنے کام سے کام رکھنے' کا رجحان پرورش پانے لگا اور "دین" خود بخود 'انفرادی فرائض' کے اندر محصور ہوتا چلا گیا۔ "دین" کا عبادات والا پہلو ہی لوگوں کے تصورِ دین پر غالب ہوتا چلا گیا اور "اجتماعی وسماجی پہلو" پس منظر میں جاتے گئے، اور "دین" کے سیاسی جوانب کو ہاتھ لگانا تو جان جوکھوں کا کام! یوں دین اور سیاست کو جدا کر دینے کا عمل ایک طرح

سے بہت دیر پہلے شروع ہو چکا تھا۔ سیاست اور لا الٰہ الا اللہ کے مابین خلیج ڈال دینے کی وہ کیفیت ایسے ہی کچھ عوامل کا شاخسانہ ہے۔

پھر ارجائی فکر آیا تو اس نے اس پورے بگاڑ پر پردہ تان دیا اور لوگوں کو تھپکی دی: فکر کی کوئی بات نہیں؛ ایمان ہے ہی اقرار اور تصدیق، جو کہ تم کرتے ہی ہو!

ہمارا انحطاط: مطالباتِ لا الٰہ کو نظر انداز کرنے کا براہِ راست نتیجہ

صلیبی استعمار آیا تو اس سے پہلے ہی مسلم نفوس میں لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ اپنی نچلی ترین سطح کو چھو رہا تھا۔ گناہوں اور برائیوں کا تو حد و حساب ہی نہ تھا، لا الٰہ الا اللہ سے تمسک کا معاملہ تقریباً اپنی آخری حدوں کو پہنچ رہا تھا۔ مسلم ذہنوں میں لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم سکڑ کر ایک بہت چھوٹی اور ہلکی پھلکی چیز بن چکا تھا؛ اور اس کی ناتوانی آپ اپنی زبان تھی۔ خود ہماری یہ داخلی صورتحال ہی صلیبیوں کو ہم پر چڑھ آنے کی دعوت دے رہی تھی؛ اور یہی اُن کے ہم پر قابو پالینے کی وجہ بنی۔ ورنہ ہماری حالت اِس حد کو نہ پہنچی ہوتی تو وہ ہمیں غلام بنانے کے لیے مہم جوئی ہی نہ کرتے اور نہ اس آسانی کے ساتھ یہاں اُن کے قدم جمتے۔ مسلم معاشرے مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کا ادراک رکھتے، ان پر پورا اترنے کے لیے زور لگا رہے ہوتے، تو ہمیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے اور صلیبی ہمیں زیر نہ کر سکتے۔ اِن کثیر مطالباتِ لا الٰہ میں بلاشبہ یہ شامل تھا کہ اِس لا الٰہ الا اللہ کو زمین میں تمکین دلوانے اور دشمنوں سے اس کا تحفظ کرنے کے لیے ہم قوت فراہم کر کے رکھتے اور اس کی راہ میں وسائل لگاتے اور انفاق کرتے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (الأنفال 60)

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو

اور ان دُوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہر گز ظلم نہ ہو گا۔

لا الہ الا اللہ کے اِن مطالبات میں ہی یہ شامل تھا کہ ہم وہ علم حاصل کرتے جو زمین میں ہمارے تمکین پا رکھنے کا ذریعہ بنتا، دین و دنیا کا علم رکھے بغیر کونسی تمکین؟

طلب العلم فريضة (أخرجه ابن ماجة)

علم کی طلب باقاعدہ فرض ہے۔

لا الہ الا اللہ کی مطالبات میں ہی یہ شامل تھا کہ ہم اخلاقیاتِ لا الہ الا اللہ کو اپنا وتیرہ اور شیوہ بناتے؛ ہمارے ہاں دیانت، سچائی، نیک نیتی، کام کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور پختہ صورت میں ادا کرنا، ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت، خیر اور نیکی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ تعاون اور بھائی چارہ، اور گناہ زیادتی کے کاموں میں تعاون سے کنارہ کشی، وغیرہ وغیرہ... یہ سب اِس لا الہ الا اللہ کے مطالبات میں آتے تھے اور ہمیں زمین میں تمکین دلوا رکھنے کا راز تھے اور جبکہ ان اوصاف کا ہمارے ہاں سے چلے جانا اور ہمارے ہاتھ میں "لا الہ الا اللہ بغیر اخلاق" رہ جانا ہم پر تباہی لانے کا سبب۔

اِس لا الہ الا اللہ کے رشتے سے آپس میں جڑ کر رہنا، اس کی خاطر ایک دوسرے کو برداشت کرنا، اور اس کی خاطر اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال دینا، اور آپس میں بہترین رویوں کو سامنے لانا... یہ سب "مطالباتِ لا الہ" میں آتا تھا:

وَلا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا (الأنفال46)

اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعاً وَلا تَفَرَّقُوا (آل عمران103)

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں مت پڑو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْراً مِنْهُمْ وَلا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْراً مِنْهُنَّ وَلا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ **بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ** وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلا تَجَسَّسُوا وَلا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ (الحجرات 11 - 12)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کے الفاظ سے خطاب کرنے والے... یہ سب لا الٰہ الا اللہ کے مطالبے اور تقاضے تھے!

جس ایک کلمہ میں ہماری جان تھی وہ ہماری زندگیوں میں بے جان ہوا اور ہمارے عقول اور تصورات کے اندر حاشیائی ہوا... تو اِس "عقیدے کی پسپائی" نے "پسماندگی" کی کئی اور صورتوں کو تابڑتوڑ جنم دیا۔ تہذیبی پسماندگی، مادی پسماندگی، سائنسی، معاشی، حربی، سیاسی، سماجی ہر طرح کی پسماندگی ہمارا مقدر بنی، کیونکہ زندگی کے جذبے جو اس لا الٰہ نے ہم کو عطا کیے تھے اور قوموں سے آگے گزر جانے کی جو ایک جوت ہم میں جگادی تھی اب وہ چنگاری ہی ہمارے اندر بجھ سی گئی تھی... یہی وہ چیز ہے جو صلیبی لشکروں کو ہماری زمینوں پر چڑھ آنے کی دعوت دے رہی تھی؛ ہمارے اپنے ہاتھوں فراہم ہونے والا ایک ایسا موقع جسے وہ کبھی ضائع نہیں کر سکتا تھا!

استعمار... اور حقائقِ لا الٰہ الا اللہ کا مسخ

ہم ابھی پیچھے کہہ آئے ہیں کہ صلیبی استعمار آیا تو اس سے پہلے ہی مسلم نفوس میں لا الٰہ الا اللہ کا مسئلہ اپنی نچلی ترین سطح کو چھو رہا تھا۔ مگر یہ نچلی ترین سطح بھی صلیبی قبضہ کاروں کو بری طرح کھٹک رہی تھی۔ ہمارا بہت سارا بگاڑ ابھی تک "فسق وفجور" کا رنگ لیے ہوئے تھا، جس کا مطلب تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے کچھ نہ کچھ آثار اس قوم میں ابھی باقی ہیں۔ یہ بھی بیرونی قبضہ کار کو ہمارے ہاں قبول نہیں تھا؛ عالم اسلام کے لیے اُس کے منصوبے اِس سے بہت آگے کے تھے:

وَلا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (البقرۃ 217)

اور وہ تم سے لڑتے رہیں گے جب تک کہ تمہیں تمہارے دین سے نہ پھیر دیں، اگر بن پڑے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرۃ 109)

اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے، مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے۔

جی ہاں... مسلمانوں کا اس حد تک دائرۂ اسلام میں رہنا... اور لا الٰہ الا اللہ کی یہ کم از کم سطح اِن کے ذہنوں میں برقرار رہنا... بھی اُن کو گوارا نہیں! محض عملی انحرافات اور "فسق فجور" سے اُن کی کبھی تسلی نہیں ہو سکتی، جبکہ خدا کے مرتبے اور مقام کا اور اس کی شریعت کی حیثیت کا ایک تصور مسلمانوں کے یہاں برقرار ہو! خدا کا وہ مرتبہ اور مقام اور اُس کے رسولؐ اور اس کی شریعت کی وہ حیثیت جو یہ لا الٰہ الا اللہ مسلمانوں کے ذہن میں بٹھاتا ہے، خواہ وہ اپنی کم ترین سطح پر ہی کیوں نہ ہو، اور خواہ اس کے ساتھ فسق وفجور کیوں نہ پایا جاتا ہو؛ یہ چنگاری پھر بھی کسی وقت آگ بھڑکا سکتی ہے؛ کارِ تجدید کا بیڑا اٹھانے والی کچھ باہمت ہستیاں جیسے ہی اِس قوم کے آنگن میں نمودار ہوئیں، کیا بعید یہ قوم اپنے اوپر سے بد عملی کی گرد جھاڑ کر اُن مجددین کے

پیچھے ہولے اور اپنا اصل راستہ پھر پکڑ لے؛ جس طرح سوکھا ہوا درخت، جب تک کہ اُس کی جڑیں سلامت ہوں، محض سیرابی اور نگہداشت کا ضرورت مند رہتا ہے اور اپنی یہ ضرورت پوری ہونے کی صورت میں دنوں کے اندر ہرا بھرا ہونے لگتا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا .. (ابراھیم 24 - 25)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت، جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ اِن سے سبق لیں۔

برطانوی وزیر اعظم ولیم گلیڈ سٹون (1809-1898) نے مصر پر برطانوی قبضے کے وقت کہا تھا: "جب تک یہ قرآن مصریوں کے ہاتھ میں ہے، اس ملک میں ہمارے قدم نہیں جم سکتے"۔

امریکی مستشرق تھامس بین اپنی کتاب "مقدس تلوار" The Sacred Sword کے مقدمہ میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے اندر مسلمانوں کی فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے: "آج صورتحال بدل گئی ہے، مسلمان اب ہمارے قبضے میں ہیں، لیکن جو چیز ایک بار رونما ہوئی وہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتی ہے، اور وہ چنگاری جو محمد (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں کے دلوں میں جلادی ہے وہ بجھنے والی چنگاری نہیں ہے"۔

چنانچہ اس بار صلیبیوں (اور ان کے پس پردہ یہودیوں) نے اپنی محنت اور کام کا محور یہ رکھا کہ وہ مسلمانوں کے پاس سرے سے اسلام ہی نہ رہنے دیں؛ کیونکہ ایسا کر کے ہی وہ اِس معاملہ میں بے فکر ہو سکتے ہیں۔ اور اس عمل میں وہ اپنے مجرب اصول slow but sure پر عمل پیرا تھے۔ جیسا کہ مصر کے پہلے برطانوی قونصل جنرل لارڈ کرومر نے کہا تھا:

گورے انسان کی ذمہ داری جو عنایتِ الٰہی نے اس ملک میں اس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے، وہ ہے مسیحی طرزِ حیات کو ممکنہ حد تک یہاں پر راسخ کروانا، اور اسے اس سطح کو پہنچانا کہ لوگوں کے سماجی بندھن اِسی پر قائم ہو جائیں، گو شکوک وشبہات کا راستہ روکنے کے لیے یہ بھی

ضروری ہے کہ مسلمانوں پر عیسائیت سازی کی محنت نہ کی جائے، بلکہ سرکاری سطح پر اسلامی مظاہر اور تقریبات وغیرہ کی سرپرستی بھی کی جائے!

مسلمانوں کو غافل پا کر ان کو اس کا خوب خوب موقع ملا۔ شریعت کی بالادستی قصہ ٔ پارینہ بنی، نماز خال خال کسی کے پڑھنے کی چیز رہ گئی، 'مسلمان بغیر نماز' کی صنف بڑی تیزی کے ساتھ مقبول کرائی گئی، باقی کوئی چیز تو بچتی ہی کیسے؛ سب کچھ ایک دھیمی رفتار پر مگر شرطیہ نتائج کے ساتھ!

اِس نئے انتظام کے تحت جتنا جتنا اسلام مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا، اُتنا اُتنا ارجائی فکر وہاں تسلی دلانے کو موجود ہوتا...! حکم بما اَنزل اللہ (شریعت کا حاکم اور بالاتر ہونا) اپنے یہاں سے چلا گیا تو کیا ہے، اسلام تو باقی ہے؛ یہ تو محض ایک 'عمل' ہے اور اس سے کوئی کفر تھوڑی ہو جاتا ہے! اسلام کے جملہ فرائض کا ترک ہو گیا، تو کیا ہے؛ اسلام تو باقی ہے؛ 'اعمال' کوئی ایمان کا حصہ تھوڑی ہے؛ یہ تو خوارج کا مذہب ہے؛ بھائی لوگ کلمہ تو پڑھتے ہیں؛ 'تصدیق' اور 'اقرار' باقی ہے تو اِن سب نظریات، اِن سب افکار، اِن سب نظاموں، اِن سب طرزہائے حیات اور اِس سب تہذیبی کایاپلٹ کے باوجود آدمی کی مسلمانی تو پوری طرح برقرار ہے!

ہمارا مسئلہ 'تکفیر وعدم تکفیر' سے بڑا ہے

ہمارے اِس نقطے پر پہنچ لینے کے بعد، کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ اب تو لازماً ہم لوگوں کی ایک بڑی تعداد پر کفر کا فتویٰ لگائیں گے! ظاہر ہے یہاں شریعت کا دستور نہیں ہے اور ہم نواقضِ لاالٰہ الا اللہ بیان کر رہے ہیں! لہٰذا ہمارے اِس بیانِ لاالٰہ سے ان کو خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ اب لوگوں کی تکفیر شروع کی جائے گی! اور اس خدشہ کی بنا پر ضروری ہے کہ یہ ہمارے لاالٰہ الا اللہ کے اِس اصولی بیان کو ہی سرے سے مسترد کر دیں، کیونکہ اگر انہوں نے اس اصول سے اتفاق کر لیا تو لامحالہ ان کو فتوے بھی لگانے پڑیں گے...!

میں اپنی تحریروں میں جابجا متنبہ کرچکا ہوں کہ ہمارے اِس مطلوبہ مشن میں لوگوں پر فتویٰ لگانا سرے سے نہیں آتا۔ ہمارا مسئلہ اس سے کہیں بڑا اور سنجیدہ ہے...

سرزمین اسلام میں آج جو لوگ اسلام یا کفر کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، ہمارے فتوے سے نہ وہ جنت میں داخل ہونے والے ہیں اور نہ جہنم میں! ان کا فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے۔ ہم کسی مملکت کی سرکار نہیں جسے مرتدین کا تعین کرنا ہو کہ وہ کس کس پر حد لگائے اور کس کس کو چھوڑے! ہم تو ہیں فی الحال محض ایک دعوت، جس کو ایک امانت لوگوں تک پہنچا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہونا ہے۔ اور یہ امانت ہے لوگوں پر اسلام کی حقیقت واضح کر دینا، اسلام کی اِس غربتِ ثانیہ میں ان کے دین کے حقائق کو روشن اور جلی کر دینا...

جن لوگوں کا خیال ہے کہ سرزمینِ اسلام[11] پر اس وقت گزاری جانے والی حیاتِ اجتماعی کے لیے جب ہم "جاہلی معاشروں" کا لفظ بولتے ہیں تو ہم (نعوذ باللہ) یہاں کے باشندوں کو اسلام سے خارج ٹھہرا رہے ہوتے ہیں، یا یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ان میں اصل کفر ہے اِلَّا یہ کہ اس کے عکس ثابت ہو... ان لوگوں پر ہم جابجا یہ واضح کر چکے ہیں کہ کسی معاشرے پر ایک طرح کا حکم لگانا وہاں بسنے والے لوگوں پر حکم لگانے کو مستلزم نہیں۔ اس کا معاملہ بڑی حد تک مسئلہ دارالاسلام یا دارالکفر ایسا ہے؛ فقہاء بالاتفاق آپ کو یہ بتائیں گے کسی "دار" کو دارِ کفر یا دارِ اسلام سے متصف ٹھہرانا اس بات سے غیر متعلقہ ہے کہ وہاں بسنے والے لوگ کس کس عقیدے اور مذہب کے ہیں۔ "دار" کا مسئلہ وہاں پر جاری احکام کے ساتھ متعلق ہے؛ جہاں اسلام کے ماسوا شریعت کا دستور ہے اس پر دارِ کفر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہاں کے باشندوں کا عقیدہ و مذہب کیا ہے۔

(11) "سرزمینِ اسلام" کا لفظ ہم ہر اُس خطۂ ارض کے لیے بولتے ہیں جو کسی وقت اسلام کی محکوم تھا اور بعد ازاں وہاں سے شریعتِ اسلام کو بے دخل کر کے جاہلی شرائع رائج کر دیے گئے۔ ایسے خطوں کی بابت فقہاء کا یہی کہنا ہے کہ یہاں کے باشندے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ یہاں پر اسلام کا دستور بحال کروائیں، اور یہ فرض ان سے قیامت تک ساقط نہیں ہوتا۔

اب مثلاً، مسلمانوں نے جب مصر فتح کیا تو وہ دارِ اسلام ہو گیا باوجودیکہ وہاں اکثریت کا مذہب ابھی تک غیر اسلام تھا اور کچھ عرصہ ایسا ہی رہا۔ مسلم ہند کی مثال لے لیجئے: مسلمانوں نے اسے فتح کیا اور یہ دارِ اسلام بنا باوجودیکہ وہاں کی اکثریت تب سے آج تک غیر مسلم چلی آتی ہے۔ دراصل "مسئلۂ دار" کا وہاں کے باشندوں کے ذاتی عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ "دار" کا تعلق وہاں پر لاگو شریعت سے ہے کہ وہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، جبکہ باشندوں کا حکم فرداً فرداً ہر شخص کے اپنے عقیدے اور مذہب سے ہے؛ اور اس لحاظ سے ایک ہی "دار" میں بے شمار مذاہب کے لوگ پائے جا سکتے ہیں۔

ایسی ہی مثال اُن صلیبی راجواڑوں کی ہے جو فرنگی نوابوں اور بادشاہوں نے ارض شام پر اپنے دوسوسالہ قبضے کے دوران متعدد شہروں میں قائم کر لیے تھے۔ یہاں کے باشندے مسلمان تھے اور مسلمان ہی مانے گئے، جبکہ اجتماعی حوالوں سے ان کا معاملہ دارالکفر کا رہا کیونکہ وہاں صلیبیوں کا دستور رائج تھا۔

پس مسلم معاشرہ درحقیقت وہ ہے جس کے معاملات شرعِ خداوندی کی رو سے چلائے جاتے ہوں، اور جہاں اسلامی تصورات، اسلامی نظریات اور اسلامی طرز حیات قائم ہو، قطع نظر اس سے کہ وہاں بسنے والی ایک بڑی اکثریت غیر مسلم کیوں نہ ہو۔ اور جاہلی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس کے معاملات شرعِ خداوندی کی رو سے نہ چلائے جاتے ہوں، اور جہاں اسلامی تصورات، اسلامی نظریات اور اسلامی طرزِ حیات قائم نہ ہو، قطع نظر اس سے کہ وہاں بسنے والی ایک بڑی اکثریت مسلمان ہو۔

سرزمین اسلام میں آج جو باشندے ہیں، وہ کوئی ایک ہی صنف نہیں:

أ) یہاں ایک صنف بلاشبہ مسلمان ہے (اپنے احوالِ ظاہر کے لحاظ سے: جبکہ آخرت میں ان کا حساب خدا کا کام ہے)، کیونکہ شہادت دیتی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، ادائے عبادات کی پابند ہے، حکمِ جاہلیت کو مسترد کرتی ہے اور شرعِ خداوندی کی حکمرانی

کی خواہشمند ہے، اور حسب مقدور اپنے معاملاتِ زندگی میں اسی (شرعِ خداوندی) کی جانب رجوع کرتی ہے۔

ب) یہاں ایک صنف بلاشبہ کافر ہے (اپنے احوالِ ظاہر کے لحاظ سے؛ جبکہ آخرت میں ان کا حساب خدا کا کام ہے)، بے شک یہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتی ہو گی، لیکن اس بات کو صاف مسترد کرتی ہے کہ شرعِ خداوندی کی تحکیم ہو۔ یہ بات اِس پوری صنف میں قدرِ مشترک ہے۔ آگے کوئی ان میں سے یہ بنیاد اختیار کرتا ہے کہ 'دین کا سیاست سے کیا لینا دینا؟'، کوئی کہتا ہے 'چودہ سو سال پرانی شریعت آج کی ترقی یافتہ زندگی کی ضرورتیں کیسے پوری کر سکتی ہے، آج تو یہ کام کچھ ترقی یافتہ نظام ہی دے سکتے ہیں جو کہ ڈیموکریسی ہو سکتی ہے یا سوشلزم یا اسی طرح کا کوئی ماڈرن نظامِ حیات'۔ کوئی کہتا ہے 'دین کا دور لد گیا، جدید زندگی اس کی متحمل نہیں'۔ کوئی کہتا ہے 'دین پسماندگی اور قدامت ہے، اس سے جان چھڑاییے اور کچھ ترقی کا سوچیے'۔ کوئی نکتہ پیش کرتا ہے 'دین تو بندے اور خدا کا تعلق ہے، نظامِ حیات سے اس کو کیا واسطہ؟'۔

ج) جبکہ ایک تیسری صنف ہے جس کا معاملہ خلط ملط ہے، اور جس کی ظاہری حالت مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ سے بیگانہ ہے۔ یہی وہ صنف ہے جس پر حکم لگانے میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور یہی وہ صنف ہے جس کی بابت ہم وضاحت کر آئے کہ ہمیں اس پر حکم لگانے سے کوئی سروکار نہیں بلکہ ہمیں کل غرض اس بات سے ہے کہ ہم اِن لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت بیان کر کے دیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کو کرنے سے ہم اپنے فرض سے سبکدوش ٹھہریں گے اور یہی وہ چیز ہے جو انہیں کسی تبدیلی کی طرف لے کر چل سکتی ہے، یہاں تک کہ ان کی حالت بدلے تو اللہ ان کو اس ذلت اور دربدری سے نجات دلائے اور زمین میں ان کی عزت اور تمکین بحال کرائے۔

یہ تو ہوا یہاں کے باشندوں کا معاملہ، اور جس کا تعلق "افراد" سے ہے۔ البتہ جہاں تک "اجتماعی یونٹ" کا تعلق ہے تو جیسا کہ ہم نے کہا، اس کا معاملہ مختلف ہے...

"اجتماعی یونٹ" افراد کے مجموعہ کا نام نہیں۔ یہاں آپ کو وہ نظام بھی دیکھنا ہوتا ہے جو ان افراد کو ایک خاص انداز میں ایک وحدت بناتا ہے، اور جس کے ذریعہ سے یہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنے معاملات چلاتے ہیں، اور اسی کی بنیاد پر اپنے باہمی رشتہ اور اجتماعی ذمہ داریوں کا تعین کرپاتے ہیں۔

تو کیا اِس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج جو "اجتماعی یونٹ" یہاں قائم ہیں وہ اسلامی ہیں؟ وہ نظام جو اِن کے معاملاتِ کار کو چلاتا ہے وہ اسلام کا منہج ہے اور اسلام کی تعلیمات اور اسلام کی شریعت؟ ان کی اجتماعیت میں جو چیز بولتی ہے اور ان کے شیرازہ کو مجتمع رکھنے کا جو عنوان ہے وہ شرعِ خداوندی ہے؟ ان کے تصورات، نظریات، افکار، نظامہائے تعلیم وابلاغ اور ان کے قومی کردار کی ساخت کرنے والی چیز اسلام ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک نہایت برگزیدہ صحابیؓ کے منہ سے جاہلیت کی محض ایک بات سنی [12]، اور وہ بھی جب وہ غصے کی حالت میں تھا، تواُس کو ٹوکتے ہوئے فرمایا: أنت امرؤ فيك جاهلية "تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں ابھی جاہلیت ہے"۔

جاہلی معمول کی صرف ایک بات، اور وہ بھی جب وہ (صحابیؓ) غصے سے بے قابو ہو گیا تھا... رسول اللہ ﷺ ذرا ہمارے اِن معاشروں کو دیکھیں تو کیا فرمائیں؟!

ہمارے آج کے یہ معاشرے اگر اسلامی معاشرے ہیں، اور یہ سب کے سب لوگ خیر سے "مسلمان" ہیں... تو کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ لوگوں کے لیے "مسلمان" ہونا کیوں ضروری ہے اور "مسلمان" نہ ہونے کی صورت میں انسانوں کو کونسا نقصان لاحق ہو جاتا ہے؟!

یہ معاشرے حیاتِ اجتماعی کی جو صورت آج پیش کر رہے ہیں، یہی تو لوگوں کے اصل اسلام جاننے اور دیکھنے میں مانع ہے۔ اِس کو جب آپ "اسلام" کا سرٹیفکیٹ دے دیں گے کیونکہ یہاں کے لوگ ایک لفظ بولتے ہیں جس کا نام 'کلمہ' ہے... تو پھر لوگوں کو کیا مانع ہے کہ وہ

---

(12) غصے کے وقت حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضرت بلالؓ کو "کالی عورت کی اولاد" کہہ دیا تھا، جس پر آنحضور ﷺ کا یہ ردعمل دیکھنے میں آیا۔ یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے۔

کمیونزم اختیار کریں یا سوشلزم یا ڈیموکریسی، یا انارکی، یا لامذہبیت، یا بے مقصدیت، یا دنیا کا کوئی اور تباہ کن دین اور مذہب؟

یہ ساری احتیاط اور خدا خوفی ہمیں کوئی 'سخت بات' کہنے میں ہی کیوں لاحق ہو جاتی ہے؟ یہ احتیاط اور خدا خوفی ہمیں اس بات پر کیوں لاحق نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ دیکھ کر لوگ "اسلام" کی بابت کیسا گھٹیا تصور قائم کرتے ہیں۔ جب ہم اس کو "اسلام" کا سرٹیفکیٹ دیں گے تو لوگ کیوں نہ سمجھیں کہ "اسلام" یہی ہے؟ پھر وہ ہدایت کی تلاش دنیا کے خوش نما مفروضوں میں کریں، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ خود ہمارے نوجوان ہی اس کے بعد طرح طرح کے فلسفوں کا رخ کریں، جیسا کہ کر رہے ہیں، تو یہاں ہمیں احتیاط اور خدا خوفی دامن گیر نہیں؟!

اگر یہ واضح ہو گیا ہے کہ معاشرتی حوالوں سے کسی صورتحال کو جاہلیت سے منسوب کرنا اور اس کو "اسلام" کا سرٹیفکیٹ دینے سے گریز کرنا وہاں کے باشندوں پر حکم لگانے سے ایک بالکل مختلف چیز ہے، نیز یہ واضح ہو گیا ہے کہ ہمارا فرض یہاں لوگوں پر حکم لگانے کی بجائے اُن پر لا الٰہ الا اللہ کے شروط اور تقاضے واضح کرنا ہے... تو اب ہم اپنے مضمون کی طرف واپس آتے ہیں...

لا الٰہ الا اللہ... اور صورتِ موجودہ

پیچھے ہم گفتگو کر آئے ہیں کہ اسلام کی نسل اول لا الٰہ الا اللہ کے مطالبوں اور تقاضوں کے مسئلہ کو کس طرح لیتی رہی، کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہؐ سے اس مسئلہ کو کس طرح سمجھتی رہی... اور دوسری جانب مرجئہ قدیم یا مرجئہ جدید یہ مسئلہ لوگوں کو کس طرح سمجھاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ پر ایمان کو کس طرح "اقرار اور تصدیق" میں پورا کر دیتے ہیں؟ خاص طور پر شریعت کے تحاکم (شریعت کو ہی اپنا دستور بنا رکھنا) کا مسئلہ؛ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کے اِس اقتضا کو ملیامیٹ کر دینے کے بعد بھی آدمی کو لا الٰہ الا اللہ ادا ہو جانے کا سرٹیفکیٹ دے رکھنا ایک

ایسی بے اصل بات ہے جس پر کوئی دلیل کتاب اللہ سے دی جاسکتی ہے، نہ سنتِ رسول اللہؐ سے، اور نہ اسلام کی نسل اول کے تعامل اور دستور سے جو کہ کتاب اور سنت کو سب سے صحیح سمجھنے اور لاگو کرنے والے تھے... اور یہ کہ خدا کی شریعت کو اپنا دستور قرار دے رکھنا وہ کم از کم حد ہے جس پر رہے بغیر کسی شخص کو "مسلمان" ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا ہی نہیں جاسکتا... اور یہ کہ غیر اللہ کی شریعت کو اپنا دستور ٹھہرانا، رضامندی کے ساتھ اور بقائمی ہوش وحواس، وہ چیز ہے جو آدمی کے دعوائے لا الٰہ الا اللہ کو اساس سے ختم کر دیتی ہے اور قطعی طور پر اس کو اسلام سے خارج کر دینے والی ہے...

اور اب ہم بات کریں گے کہ آج کا مسلم معاشرہ کہاں کھڑا ہے...!

ہماری یہ گفتگو دو پہلوؤں سے ہو گی:

1. وہ کم ترین حد جو آج کے اس معاشرے میں جہاں شرعِ خداوندی کی تحکیم نہیں، آدمی کو مسلمان رہنے کے لیے درکار ہے؟
2. اس صورتحال سے جس کی نظیر ہماری پوری تاریخ میں نہیں پائی جاتی خلاصی پانے کے لیے کیا ضابطہ اور طریق کار ہے؟

ایک بات کا اعادہ کرتے چلیں، جو کہ امید ہے اِس گفتگو کے دوران اذہان سے محو نہیں ہو گئی ہو گی:

اول زمانے میں لوگ جب اسلام میں داخل ہوتے اور مسلمان ہونے کی سند پاتے (ہماری مراد ہے احکامِ دنیا کے معاملے میں، رہا معاملۂ آخرت تو اس کا حساب خدا کے ذمے)، تو یہ وہ وقت تھا جب مسلم معاشرہ—یعنی وہ معاشرہ جو شرعِ خداوندی کو اپنا دستور بناتا ہے— قائم تھا اور وہاں آدمی کا "کلمہ" پڑھنا محض دو لفظ بول دینا نہیں **بلکہ اپنے سامنے موجود اس معاشرے** (لا الٰہ الا اللہ پر قائم اُس اجتماعی واقعے) **میں شمولیت اور اس کے دستور کو تسلیم کرنے کا ایک غیر مبہم اعلان** ہوتا؛ یعنی اس کو اسلام کا سرٹیفکیٹ دینے والی چیز اُس کا دو لفظ بولنا نہیں بلکہ **دستورِ لا الٰہ الا اللہ کو تسلیم کرنا اور اس کا پابند ہونے کا اعلان کرنا تھا** (کیونکہ اِس دستورِ لا الٰہ الا اللہ کو

معاشرے کے حق میں "معلوم من الدین بالضرورۃ" بنادیا گیا تھا)، **جس میں خدا کا تنہا لائقِ عبادت ہونا بھی آتا ہے اور شرعِ محمدﷺ کا حتمی و قطعی دستور ہونا بھی، اور یہ بھی کہ اس دستور کے سوا اس کا اب کوئی دستور نہیں، اور جملہ مسائل انسانی کو لوٹانے کے لیے اس کے سوا دنیا میں کوئی مرجع نہیں}** بموجب آیت: **وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ** (الشوری 10) تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** .. (النساء 59) پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو{ اور یہ کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کے اِس "معلوم من الدین بالضرورۃ" مطالبہ و مقتضا سے پھرتا ہے–اور جس سے پھر جانا لا الٰہ الا اللہ پر قائم اُس معاشرے میں کوئی آسان کام نہیں–اُس پر حدِ ارتداد لاگو کر دی جاتی ہے اگرچہ وہ زبان سے–تا حال–لا الٰہ الا اللہ کیوں نہ کہتا ہو...؛ اور جو کہ صریح دلیل ہوئی اس بات پر کہ: **اِس کلمہ کے الفاظ تنہا وہ چیز نہیں– درحالیکہ اِس کلمہ کا مطالبہ اس کے الفاظ سے الگ تھلگ رکھا گیا ہو–جو آدمی کو اسلام کی سند عطا کرتی ہے۔**

اور اب ہم صورتِ موجودہ کی طرف آتے ہیں، جہاں شرعِ خداوندی کی تحکیم نہیں؛ بلکہ شرعِ خداوندی کی جگہ جاہلیت کے شرائع ہیں، یہ شرائعِ جاہلیت: کہیں پر 'لبرل ڈیموکریسی' ہے، کہیں پر سوشلزم، کہیں پر کمیونزم، تو کہیں کوئی اور نام جس کی سند اللہ نے آسمان سے نہیں اتار رکھی۔

یہاں؛ لا الٰہ الا اللہ کا مطالبہ اپنی کم از کم سطح پر، کس طرح پورا ہو گا، جس سے آدمی کو واقعتاً مسلمان ہونے کی سند ملے؟

واضح کرتے چلیں، یہاں ہمارا موضوع 'اسلامی مظاہر' بہرحال نہیں... گو اَثنائے گفتگو اس کا بھی کچھ بیان ہو سکتا ہے...

داعیوں کا کام کسی معاشرے میں دراصل یہ نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو "اسلام" کی جعلی سندیں جاری کر کے دیں۔ نہ ہی داعیوں کا کردار معاشرے میں یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اُن 'مظاہر'

کی نشاندہی کرکے دیں اور ایسے 'ٹیکنیکل' الفاظ اور تعبیرات بولنے کی مشق کروائیں جنہیں اختیار کرکے وہ "فتویٰ" کی زد سے نکل جائیں، اگرچہ خدا کے پاس جاکر وہ کیسا ہی برا پھنسیں! معاشرے میں داعیوں کا اصل کردار یہ ہے کہ وہ لوگوں پر یہ واضح کریں کہ وہ فی الحقیقت مومن کیسے بن سکتے ہیں اور ان کا یہ ایمان خدا کے ہاں کیسے سرخرو ہو سکتا ہے؛ اُس روز جب:

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء88 – 89)

جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے۔ مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہو اسلامت دل لے کر۔

گو یہ بات اپنی جگہ کہ دنیوی زندگی میں "اسلام کے مظاہر" بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے سوائے ایک بار زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے کے کچھ درکار نہ ہو۔ جیسا کہ ذرا آگے چل کر ہم بیان کریں گے...

وہ "کم از کم سطح" جو ایمان کی سند پانے کے لیے – ایک ایسے معاشرے میں جہاں اللہ کی شریعت قائم نہیں – ضروری ہے، خود حدیث ہی کے اندر بیان کر دی گئی ہے۔ جس کے بعد ہمارے لیے کسی تاویل یا تصرف کی گنجائش نہیں رہتی۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

ما من نبي بعثه الله في أُمَّةٍ قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب ، يأخذون بسنته ويقتدون بأمره . ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف ، يقولون ما لا يفعلون ، ويفعلون ما يؤمرون . فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ، ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ، ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن. **وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل** (أخرجه مسلم)

جو بھی نبی اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا، امت میں سے اُس کے اصحاب اور حواری ہوتے رہے، جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے دستور کی اقتدا کرتے۔ پھر یوں ہوتا کہ ان کے بعد ناخلف لوگ آجاتے، وہ کہتے جو وہ کرتے نہ تھے، اور وہ کرتے جن کا اُن کو حکم نہ تھا۔ پس جو ان کے ساتھ جہاد کرے ہاتھ کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو ان کے ساتھ جہاد کرے زبان کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو اُن کے ساتھ جہاد کرے دل کے ساتھ وہ ایمان مومن ہوا، اور **اس سے کم رائی برابر ایمان بھی نہیں رہتا۔**

علاوہ ازیں نبی ﷺ نے فرمایا:

إنه يستعمل عليكم أمراء فتعرفون وتنكرون . فمن كره فقد بَرِئَ، ومن أنكر فقد سَلِمَ، **ولكن من رضي وتابع** (أخرجه مسلم)

دیکھو، تم پر امیر مقرر کیے جائیں گے، جو بھلے کام بھی کریں گے اور برے بھی، پس جو (برے کام سے) بیزار ہوا وہ بچ گیا، جس نے اس کے خلاف آواز اٹھائی وہ سلامت رہا، سوائے اُس شخص کے جو اس پر راضی ہوا اور اس کے پیچھے چلا۔

چنانچہ پہلی حدیث سے ایمان کے تین درجات سامنے آتے ہیں: ایک شخص جو جاہلیت[18] کے ساتھ ہاتھ سے الجھتا ہے، دوسرا جو زبان سے الجھتا ہے، اور تیسرا جو کم از کم دل سے الجھتا ہے؛ اس سے کم کوئی ایمان نہیں۔ جبکہ دوسری حدیث ہر ایسے شخص سے ایمان کی نفی کرتی ہے جو جاہلیت کے حکم پر راضی ہو جائے اور اس کے پیچھے چلنے لگے۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ "ایمان" اور "اسلام" کے الفاظ اگر کہیں اکٹھے آئیں تو وہاں "ایمان" سے مقصود دل کا عمل ہوتا ہے اور "اسلام" سے مقصود جوارح کا عمل۔ تاہم اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک ذکر ہو تو وہ آپ سے آپ دوسرے کو بھی شامل ہوتا ہے، خواہ اثبات کے سیاق میں اور خواہ نفی کے سیاق میں۔ اب جب اِس حدیث میں "ایمان" کی نفی ہوئی تو "اسلام" کی نفی آپ سے آپ ہو گئی، اور ان 'باریک بینوں' کی بات قابل اعتناء نہ رہی کہ صاحب یہاں تو ایمان کی نفی ہوئی ہے اسلام کی نفی کب ہوئی ہے!

اور جہاں تک "مظاہر اسلامی" کا بھی تعلق ہے...، تو اس میں بھی زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمدٌ رسولُ اللہ کہہ دینے کے ساتھ ساتھ یہ کم از کم مطلوب ہے کہ "تحاکم اِلی الطاغوت" برضا ورغبت اور بر سبیلِ اتباع نہ ہو۔ کیونکہ یہ تحاکم آدمی کے لا الٰہ الا اللہ کو اساس سے ختم کر دیتا ہے اور اس کا کوئی ایسا اثر باقی ہی نہیں رہنے دیتا جس کو ہم "مظاہرِ اسلامی" میں گنتے پھریں۔

یہ گفتگو اشخاص پر فتوے صادر کرنے کے لیے نہیں ہو رہی؛ کیونکہ یہ ہمارے بس میں ہی نہیں، اور نہ یہ ہمارا کام ہے، کہ ہم لوگوں کے دل چیر کر دیکھیں آیا وہ برضا ورغبت طاغوت کے

آئین پر چل رہے ہیں، اور آیا وہ اس کو خدا کی شریعت پر مقدم کرتے ہیں... یا وہ اس پر مجبور ہیں البتہ دل سے اس کے ساتھ الجھتے ہیں اور دل سے شرعِ خداوندی کی تحکیم کے ہی طلبگار ہیں، مگر بے بس ہیں؟ ظاہر ہے یہ جاننا ہمارے بس میں ہے اور نہ ہمارا کام۔ سوائے اُس شخص کے جو آپ ہی اپنی زبان سے کوئی ایسا کفر بول دے، یا کسی ایسے جاہلی نظریہ کے ساتھ اپنی وابستگی ظاہر کرے جو غیر اللہ کی شریعت کا داعی ہو، یا اُس کے حال سے قطعی طور پر عیاں ہو کہ اُس کے ہاں دین کی ایک ذرہ حیثیت نہیں اور اس کے لیے خدا کی شریعت اور طاغوت کی شریعت ایک برابر ہے۔

ہم تو یہ بات کریں گے؛ اس مقصد سے کہ لوگ دیکھ لیں کہ وہ کہاں ہیں اور خدا کی میزان کہاں:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ **وَالْمِيزَانَ** لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید۔25)

ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور **میزان** نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

جبکہ خدا کی یہ میزان، جس کے قواعد اُس کی نازل کردہ کتاب میں نہایت کھول کر بیان کر دیے گئے ہیں، اس باب میں بہت واضح ہے کہ...: دستور دو ہی ہو سکتے ہیں: یا خدائی دستور، اور یا جاہلی دستور:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ **اللَّهِ حُكْمًا** لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدۃ۔50)

تو کیا یہ لوگ **جاہلیت کا فیصلہ** چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک **فیصلہ کرنے میں اللہ** سے بہتر کوئی نہیں ہے۔

آپ کے سامنے یہاں جاہلیت کی ایک چھتری ہے، جس کا نام "حکم بغیر ما انزل اللہ" ہے، اور پورا معاشرہ اس چھتری کے سائے تلے کھڑا ہے؛ خدا کے خلاف بغاوت پر قائم، اس نے اپنا یہ منحوس سایہ پورے ماحول پر تان رکھا ہے۔ یہاں چھتری فی الوقت ایک ہی ہے، اس کے باوجود یہاں فریق ایک نہیں دو ہیں، اور جو کہ آپس میں متنازع ہیں: ایک وہ جو جاہلیت کے اِس

سائبان پر راضی بر ضاہے، پس یہ اسی میں سے ہے؛ اور ایک وہ جو اس سے بیزار اور متنفر ہے اور اس کے ساتھ (کم از کم دل سے) الجھتا ہے، یہ خدا کا ساتھی ہے، جس درجہ کی اس کی باطل بیزاری اور باطل کے خلاف اس کا مجاہدہ اُسی درجہ میں یہ خدا کا ساتھی اور خدا کے ہاں مقبول۔

یہ ہے خدائی میزان؛ جو اِس صورتِ موجودہ کے حوالے سے یہاں آپ کے سامنے نصب ہے؛ اور جو کہ آپ کی اھواء اور خواہشات کے ہاتھوں بدل نہیں سکتا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ

(الأحزاب۔36)

اور کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

حدیث میں مذکورہ قلبی مجاہدہ... اور ارجائی فکر

اِس خدائی میزان کو اِس حد تک جان لینا کافی نہیں جب تک ہم قلبی مزاحمت (حدیث کے الفاظ: ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن، نیز: فمن كره فقد برىء) کا مطلب نہیں جان لیتے، کیونکہ – جس وقت شریعتِ خداوندی کو زمین میں برطرف کر رکھا گیا ہو اُس وقت – یہی وہ کم از کم حد ہے جو لوگوں کو ایمان کے احاطے میں باقی رکھتی ہے؛ اور اس سے نیچے ایمان رائی برابر نہیں رہتا...

مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ارجائی فکر کے دیے ہوئے ہوئے رویے اور رجحانات نفوس میں بہت گہرے چلے گئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حوالہ سے محض اس بات کو کافی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کی زبان سے 'ریکارڈ کے لیے' اس مضمون کا کوئی ایک آدھ جملہ صادر ہو گیا ہو کہ وہ بھی اس سسٹم سے راضی نہیں! فرض تھا سو پورا ہوا! یا یہ کہ وہ دل کے نہاں خانے میں یہ 'اعتقاد' سنبھال رکھے کہ یہ ایک برائی ہے جو خدا کو پسند نہیں! جبکہ اِس شخص کے عملی رویہ اور کردار میں اور اُس شخص کے رویہ اور کردار میں جو اس پر راضی بر ضا ہے سر مو فرق نہ ہو!

دراصل ارجائی فکر نے جو حشر "ایمان" کا کیا اور اس عظیم چیز کو مجرد "تصدیق اور اقرار" میں پورا کرادیا جبکہ عمل، رویہ، سلوک اور کردار کو اس کی حقیقت سے ہی باہر کردیا... ویسا ہی حشر اس ارجائی فکر نے حدیث میں مذکور اس "ومن جاهدهم بقلبه" اور "فَمَن كَرِهَ" کا کیا۔ یعنی یہ سب وہ چیز ہے جس کو ساری عمر دل کے نہاں خانے میں دفن رہنا ہے؛ آدمی کے تیور اور رویے ہمیشہ اس سے بیگانہ رہیں گے!

امام غزالیؒ، باوجود اس کے کہ ایک صوفی آدمی ہیں، اس "قلبی انکار" کا مفہوم واضح کرتے ہیں، فرمایا:

{وعن عكرمة عن ابن عباس - رضي الله عنهما - قال : قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : " لا تقفن عند رجل يقتل مظلوما فإن اللعنة تنزل على من حضره ولم يدفع عنه."عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مظلوم کو قتل کرنے والے شخص کے پاس تک مت پھٹکو؛ کیونکہ جو شخص اُس کے پاس حاضر ہو اور (ناحق مارے جانے والے) کی جان نہ بچائے اُس پر لعنت اترتی ہے" قال: وقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : " لا ينبغي لامرئ شهد مقاما فيه حق إلا تكلم به ، فإنه لن يقدم أجله ولن يحرمه رزقا هو له کہا: نیز فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے مقام پر حاضر ہو جہاں حق متقاضی ہو اور وہ حق بات نہ بولے؛ کیونکہ اس کا حق بولنا نہ اُس کی اجل گھٹائے گا اور اُس کی قسمت کا لکھا رزق"... یہ حدیث دلیل ہے اِس بات پر کہ ظالموں اور فاسقوں کے اڈوں پر جانا جائز نہیں اور نہ ایسے مقامات پر جانا جہاں منکر سرعام دیکھا جاتا ہے اور آدمی اس کے سدباب پر قادر نہیں۔ فرمایا جو وہاں حاضر ہو اُس پر بھی لعنت نازل ہوتی ہے۔ آدمی کو حاجت لاحق نہ ہو تو منکر کی جگہ پر اُس کا پایا جانا اور عذر یہ پیش کرنا کہ میں وہاں کیا کرسکتا تھا، حرام ہے۔ (امام غزالی کی عبارت ختم ہوئی)}[19]

یہ وجہ ہے کہ ایمان کی اِس کمترین حالت کو حدیث میں دل کا مجاہدہ کہا گیا ہے، یعنی قلبی مزاحمت۔ مراد یہ کہ "باطل کے خلاف جہاد" میں آدمی کسی نہ کسی سطح پر شامل ہو اور تب اس کو

"ایمان" کہا جائے گا، اگرچہ یہ ایمان کا کمترین درجہ کیوں نہ ہو۔ اور "ایمان" کی یہ کمترین حالت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے اور خدا کے غضب کے مابین رکاوٹ بن پائے گی۔ رہا مرجئہ کے طریقے پر ہونے والا 'قلبی انکار' تو اُس کا معاملہ ویسا ہی ہو گا جیسا مرجئہ کے طریقے پر رکھا جانے والا 'ایمان'؛ نہ اُس سے کچھ بر آمد اور نہ اِس سے!

*****

نکلنے کی راہ... یہی لا الٰہ الا اللہ

اور اب آتے ہیں آخری نقطے کی طرف... اس صورتحال سے نکلنے کی راہ۔

جب ہم لوگوں کو بتاتے ہیں کہ راہِ خلاص یہ ہے کہ سب سے پہلے تم اپنے تصورات بدلو، خصوصاً لا الٰہ الا اللہ کی بابت اپنا مفہوم درست کر لو... تو بہت سے ہمیں ہکا بکا ہو کر دیکھتے ہیں... جبکہ بہت سے اس پر سیخ پا ہوتے ہیں!

اس کی وجہ...؟

بڑی تعداد ایسی ہے جو صرف یہ سننا چاہتی ہے کہ یہاں غربت، ناخواندگی اور بیماری کا علاج ہونا ضروری ہے۔ یہاں دنیا بھوکی بیٹھی ہے، بیروزگاری آسمان کو پہنچی ہے، ناخواندگی عام ہے؛ اس کے علاج کے لیے سرگرم ہونا ہی اصل طریقِ خلاص ہے۔

ایک طبقہ ایسا ہے جو یہاں درپیش سائنسی پسماندگی کا حل دریافت کرنے میں ہی معاملہ سدھرتا دیکھتا ہے۔ اس قوم کو مادی و ٹیکنالوجی ترقی کی ضرورت ہے اور آپ کونسی بحثیں لے کر بیٹھے ہیں!

ایک تعداد ایسی ہے جو اخلاقی بحران کا رونا روتی ہے؛ یہاں رشوت ختم ہونی چاہیے، جھوٹ، منافقت، ملاوٹ، جعلسازی، بے ضمیری، بے حسی، غیر ذمہ داری، کام چوری... اصل مسئلے تو یہ ہیں جن کا حل ہونا چاہئے!

ایک ذہن یہ ہے کہ ہم میں اتحاد کی کمی ہے، کہیں فرقہ واریت ہے تو کہیں طبقاتی تقسیم اور مفادات کا کھیل؛ چارہ گری کرنی ہے تو اس کی کیجئے!

وغیرہ... وغیرہ... وغیرہ!

ہم بھی کہتے ہیں: ان مصائب کا علاج ہونا چاہئے؛ لیکن یہ ہو کیسے؟!

ایک صدی پہلے بھی ہم عین یہی رونے تو رو رہے تھے! ان میں سے کونسا پراجیکٹ ہے جو ہم نے شروع کیے بغیر چھوڑ دیا ہو؟ کیا ہم نے اسکول نہیں کھولے؟ کالج اور یونیورسٹیاں کھڑی نہیں کر دیں؟ سڑکیں، فیکٹریاں، ہسپتال کونسا کام رہنے دیا؟ اور یہ سڑکیں گاڑیوں سے بھر نہیں دیں؟ گھروں میں فریج، گیزر، ٹی وی، مائیکرو ویو کونسی چیز رہنے دی؟ پوری ایک صدی ہم نے 'ترقی' ہی تو کی ہے!

مگر پہنچے کہاں...؟!

ترقی ہوئی تو اپنے اِس مرثیہ میں! اضافہ ہوا تو مسائل اور بحرانات میں! پیشرفت ہوئی تو مصائب اور ذلت اور لاچاری اور بے بسی میں! قومیں ہیں کہ پہلے سے بڑھ کر ہمیں جوتے مارتی ہیں۔ سوڈیڑھ سو سال پہلے یقیناً ہم پر قومیں چڑھ دوڑی تھیں، اور جس سے حدیث کی پیش گوئی بھی ثابت ہوئی، مگر وہ قومیں جو اُس وقت پر ہم پر چڑھی تھیں دنیا میں اُن کا کوئی معیار، قد کاٹھ اور حیثیت تو تھی، اب تو گھٹیا سے گھٹیا قوم ہمیں خوار کرتی ہے۔ دنیا کی وہ ذلیل ترین قوم (یہود) جس پر خدا نے ذلت اور مسکنت کی پھٹکار نازل کر رکھی تھی وہ اٹھ کر ہمیں جوتے مارتی ہے۔ ہماری زمینیں، ہماری عزتیں، ہماری آبروئیں آج اُس کے ہاتھوں تاراج ہوتی ہیں اور اُس "ترقی" کی شروط میں اب یہ بھی شامل ہو گیا ہے کہ "دین" کے ساتھ ساتھ ہم "غیرت" کا نام لینا بھی چھوڑ دیں۔ ہندو ہے سو وہ ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے! "دیں ہاتھ سے دے کر" ترقی وخوشحالی پانے کے اِس نسخۂ زریں نے کیا ابھی تک ہماری تسلی نہیں کرائی؟!

کوئی تیوری چڑھاتا ہے تو چڑھائے، ہمیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہے تو دیکھے... ہم کہتے ہیں اِس قوم کی خلاصی کی راہ اِس بات سے شروع ہوتی ہے کہ نبوی بنیاد پر یہ ایک نظریاتی تبدیلی

سے گزاری جائے۔ سب سے پہلے یہ اسلام کی بابت اپنے تصورات درست کرے اور نمبر ایک پر: لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم جو کہ اس کے یہاں مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔

ہماری بات کو خندۂ استہزاء کے ساتھ سننے والے بے شک یہ کہیں گے کہ 'کلمہ' تو یہ قوم صبح شام پڑھتی ہے، اب تم اِس کو مزید 'کلمہ' پڑھا کر اِس کا کونسا مسئلہ حل کر دو گے؟!

ابھی وہ لوگ ہیں جو ہمیں بتانے آئیں گے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معاملہ میں مطلوب ہی "تصدیق اور اقرار" ہے جو کہ یہ لوگ پہلے سے کرتے ہیں؛ اب اگر پھر بھی کوئی معاملہ حل ہو کر نہیں دیتا تو اس کا "لا الٰہ الا اللہ" کے مسئلے سے کیا تعلق؟!

ابھی ایسے دیندار آئیں گے جو ہم پر گرہ کھولیں کہ "ایمانیات" دراصل "عقائد" کا نام ہے اور "اسلامی عقائد" کو اللہ کا شکر ہے یہاں سب تسلیم کرتے ہیں؛ لہٰذا اس بحران کا تعلق دین کے ساتھ ہے بھی تو اس قدر گہرا نہیں کہ "لا الٰہ الا اللہ" تک چلا گیا ہو۔ لہٰذا اس کا حل ڈھونڈو مگر "دین" کے کچھ دیگر ابواب میں اور "نیکی" کے کچھ دیگر اعمال میں... اگرچہ دین کے وہ سب ابواب اور اعمال جن پر یہاں زور شور سے محنت جاری ہے امت کا کوئی ایک بحران نہ حل کر پائے ہوں اور نہ ان اعمال کے نتیجے میں دور دور تک کسی تبدیلی کا امکان نظر آتا ہو!

یہ ہر دو فریق (لا الٰہ الا اللہ پر ایمان کو "اقرار اور تصدیق" میں محصور کرنے والے، اور "ایمانیات" کو "عقائد" کے معنیٰ میں لینے والے) دراصل فکرِ ارجاء کا شاخسانہ ہیں، جس نے صدیوں کی محنت کے نتیجے میں لا الٰہ الا اللہ کو اُس کے اصل مضمون سے خالی کر کے ایک ظاہری کھوکھلی شکل بنا دیا جو نہ فرد کو ہلا سکے نہ معاشرے کو جنبش دے سکے اور نہ قوموں کے اِس ہجوم میں اپنی کوئی قوت اور اپنا وزن منوا سکے؛ محض ایک کلمہ جو اِن قوموں کی نگاہ میں 'جتنا بھی پڑھ لیا جائے' نہ کسی مرض کا علاج اور نہ کسی بحران کا حل! یہ تھی مرجئہ کی کارگزاری کہ **وہ "کلمہ" جو دنیا کو دہلاتا، مسلم فرد کی ساخت کرتا اور مسلم سماج کی رگوں میں خون بن کر دوڑتا تھا، اب ناتوانی کی رمز ٹھہرا؛ اب یہ معاشرے ہیں جو آپ کو بتا رہے ہیں کہ یہ 'کلمہ' پڑھ کر تو ہم نے دیکھ لیا اب کچھ اور سوچیے جو ہمیں اِس بحران سے باہر لے آئے!**

اِس ارجائی فکر کے ساتھ ہمیں کوئی جدلیات نہیں چھیڑنی۔ ہم اسکا رد صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہم اس کے زہریلے اثرات امت کی زندگی میں دیکھ رہے ہیں۔

اور جہاں تک صورتِ موجودہ کی تشخیص اور راہِ خلاص کی نشاندہی کا تعلق ہے... تو آج جس قدر بھی امراض پائے جارہے ہیں خواہ وہ سائنسی پسماندگی ہے، یا سیاسی بحرانات، یا معاشی ابتری، یا مادی افلاس، یا اخلاقی دیوالیہ، وغیرہ وغیرہ، ہم یہاں کے دردمندوں کے سامنے صرف ایک سوال رکھیں گے: کیا یہ "اسلامی" امراض ہیں؟ یعنی **کیا یہ اس قوم کے مسلمان ہونے یا مسلمان رہنے کے پیدا کردہ ہیں؟**! اسی سوال کو ہم اس طرح بھی رکھ لیتے ہیں: اسلام کی وہ نسلِ اول جس نے لا الہٰ الا اللہ کو اپنا دستورِ حیات بنایا تھا کیا وہ اِن بری صفات سے متصف تھی؟ یا معاملہ اس سے سو فیصد برعکس تھا اور یہ سب امراض اُس صحت مند نسل کے پاس پھٹک تک نہ سکتے تھے؟ اور اس کے بعد ہم سوال کرلیتے ہیں: وہ نسل اور یہ آج کی نسل، اِن دونوں میں سے کونسی لا الہ الا اللہ کے تقاضوں پر پوری اترنے والی ہے اور کونسی نسل ہے جس نے اس کو معنیٰ و مضمون سے خالی کر کے محض ایک لفظ کے طور پہ اپنا کر رکھا؟

اِس کا جواب اگر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے تو ہم پر وہ راز بھی مخفی نہیں رہتا کہ عالم اسلام کو اپنی تاریخ کے یہ بدترین روگ کہاں سے لگے!

اسلام کے سب بنیادی مفہومات ہی اِن آخری صدیوں کے دوران مسلم اذہان سے روپوش ہوتے چلے گئے۔ صرف لفظ رہ گئے؛ ان کے مفہومات اور معانی تقریباً غائب؛ اور ان میں سرفہرست لا الہ الا اللہ کا مفہوم جس کو قلوب میں بٹھانے پر مکہ میں جماعتِ مسلمہ کا پورا زور صرف ہوا تھا اور جو مدینہ وما بعد اَدوار میں مسلم جدوجہد کا مرکزی ترین محور تھا۔

نہایت ضروری ہے کہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے کا یہ مطلب اور تقاضا ہمہ وقت ہمارے سامنے ہو:

1. اس کا پہلا تقاضا ہے کہ خدا کو اُس کی ربوبیت اور الوہیت میں وحدہٗ لا شریک مانا جائے، اور وہ سب اسماء اور صفات اور پیرائے جو اس کی تعریف کروانے کے لیے اُس کے کلام اور اس کے نبی کی زبان پر وارد ہوئے اُن میں اور اُن کے ذریعے اُس کی یکتائی ہو۔

2. اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ عبادت اور بندگی کی صورت میں اپنا رخ تنہا اُس ذات کی طرف پھیر دیا جائے۔

3. اس کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ صرف اور صرف اُس کی شریعت کی تحکیم ہو اور اس کے سوا کوئی شریعت انسانوں پر حاکم نہ رہے۔

4. اس کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ خدا نے ایمان والوں پر جو فرائض عائد کیے ہیں ان کو اخلاص اور پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے، جن میں علاوہ اُن فرائض کے جو پیچھے بیان ہو چکے، جستجوئے علم و سائنس، خدائی نقشے پر تعمیرِ ارض، دشمنانِ خدا کے ساتھ مقابلے کے لیے قوت کی فراہمی، اور زمین میں اس کلمہ کو پھیلانے اور اس کا علم بلند کرنے کے لیے سرگرمی، جس میں سرفہرست جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

5. اس کا پانچواں تقاضا ہے اخلاقیاتِ لا الٰہ الا اللہ کو اپنا وتیرہ اور شیوہ بنانا، اور جو کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں نہایت تفصیل سے وارد ہوئے ہیں۔

اسلام پورے کا پورا در حقیقت لا الٰہ الا اللہ تقاضا اور مطالبہ ہے۔ اللہ کو اُس کی ربوبیت اور الوہیت اور اُس کی عظیم حیرت انگیز صفات کے ساتھ پہچاننے کا واحد مطلب یہ ہے کہ نفس انسانی ایک ایسی ہستی کے آگے بندگی اور عبادت اور اطاعت بجالائے۔ اِس بندگی اور عبادت کی جتنی مشروع صورتیں ہیں ان کا مجموعہ "اسلام" کہلاتا ہے!

رہ گئی اِس کلمہ کی عہد شکنی، تو ایسے اعمال، اخلاق اور رویے ترک کرانا لا الٰہ الا اللہ کے براہ راست تقاضوں میں آتا ہے۔ یہاں ہم اِن امور کی درجہ بندی نہیں کر رہے کہ ان میں کونسی خلاف ورزی ہے جو صغائر میں آتی ہے اور کونسی کبائر میں اور کونسی خلاف ورزی وہ ہے جو اس

عہدِ لا الٰہ الا اللہ کو سرے سے ختم کرڈالتی ہے اور آدمی کو شرک کے دائرے میں لے جاتی ہے۔ پھر بھی مختصراً یہ بیان کردینے میں حرج نہیں کہ:

1. آدمی خدا کی ربوبیت یا الوہیت یا خدا کے اسماء وصفات میں انحراف کرلے تو وہ شرک ہے۔ مراد ہے **اعتقاد کا شرک**۔
2. آدمی عبادت اور بندگی کی صورت میں خدا کے سوا کسی کے در کا رخ کرلے تو وہ شرک ہے۔ مراد ہے **عبادت کا شرک**۔
3. آدمی خدا کی حاکمیت سے انحراف کرلے اور اس کی شریعت کے سوا کسی شریعت کو دستور مان لے تو وہ شرک ہے۔ مراد ہے **حاکمیت کا شرک**۔

یہ تینوں ایک درجے کے شرک ہیں؛ یعنی شرکِ اکبر جو آدمی کو ملت سے خارج کردیتا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ **مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ** مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلا آبَاؤُنَا **وَلا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ** مِنْ شَيْءٍ (النحل 35)

اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ ہم ہی **اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے** اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ **اس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے**۔

یہ ہوا شرکِ عبادت اور شرکِ حاکمیت۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهاً وَاحِداً لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (التوبۃ 31)

انہوں نے اپنے احبار ورہبان کو رب بنالیا ہے، خدا کے ماسوا، اور مسیح بن مریم کو بھی؛ جبکہ ان کو حکم تھا کہ نہ عبادت کریں مگر ایک الٰہ کی، نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہ، پاک ہے وہ اس سے جو یہ شریک کرتے ہیں۔

اور یہ ہوا شرکِ حاکمیت اور شرکِ اعتقاد... اور جبکہ درجے میں یہ سب ایک سا ہے۔

*****

اسلام کی اولین نسلیں جو لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم سے آگاہ تھیں اور یہ مفہوم ان کی زندگی میں بولتا تھا تو وہ "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کی شرط پوری کرتی تھیں۔ اُن کو زمین میں بلا تاخیر

تمکین ملی۔ علم، تہذیب، ترقی، اقدار، اخلاق، سائنس، ٹیکنالوجی، اِن سب اشیاء میں بھی یہی اقوامِ عالم کے امام ہوئے۔ اَن گنت میدانوں میں اِس قوم نے دنیا کو اپنے کمالات سے دنگ کیے رکھا اور اس کے یہ کرشمے صدیوں جاری رہے۔ البتہ اِن آخری صدیوں میں جب لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ذہنوں کے اندر سکڑ کر رہ گیا اور اسلام کے دیگر مفہومات بھی پس منظر میں چلے گئے، تو اپنے تمام تر پھیلاؤ اور عظیم الشان آبادی رکھنے کے باوجود یہ دنیا کی سب سے بے وقعت اور سب سے بے وزن قوم ٹھہری، یہاں تک کہ بھوکی قوموں کے لیے دستر خوان بنی جہاں وہ مزے مزے کی دعوتیں اڑاتے رہے۔[13] اور بڑی دیر سے اُن کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ وہ اِسے ہر طرح کے نظریات، افکار، فیشن اور سسٹم جاری کر کے دیتے رہے جس سے یہ اپنے دین سے اور بھی برگشتہ ہوئی۔ 'ترقی' اور 'خوشحالی' کے تعاقب میں یہ جتنی اُن کے پیچھے چلی اِس کو 'ترقی و خوشحالی' تو پھر بھی نہ ملی البتہ بربادی اور گم گشتگی ڈھیروں کے حساب سے ملی!

اِس امت کو فی الحقیقت کوئی "خلاصی" کی راہ چاہئے...

آج جب ہم کہتے ہیں کہ اِس سے خلاصی پانے کا آغاز اسلام کی بابت اپنے بنیادی مفہومات درست کرنے سے ہوتا ہے خصوصاً لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم... تو بہت سے لوگ سادہ لوحی سے، یا سادہ لوح بن کر، ہماری اِس بات کو "روٹی" کے متبادل کے طور پر لیتے ہیں! یعنی گویا ہم یہ کہتے ہیں کہ بھوکوں کو روٹی اور ناخواندہ طبقوں کو تعلیم فراہم کرنے **کی بجائے**، نیز صنعت کو فروغ دینے اور اسلحہ سازی و عسکری ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے **کی بجائے**، یہ 'ایمانی محنت' کرو! ظاہر ہے کوئی عقلمند یہ بات نہیں کہے گا!

---

[13] يوشك أن تداعى عليكم الأمم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها . قالوا : أمن قلة نحن يومئذ يا رسول الله ؟ قال : أنتم يومئذ كثير ولكنكم غثاء كغثاء السيل .. (أخرجه أحمد وأبو داود) "قریب ہے کہ قومیں تم پر یوں چڑھ دوڑیں جس طرح کھانے والے (بھوکے) کھانے کے تھال پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا: کیا یہ اس لیے کہ ہم تھوڑے ہوں گے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: تم اُس روز تعداد میں بہت زیادہ ہوگے مگر اُس خس و خاشاک کی طرح ہوگے جو سیلاب کی سطح پر اٹھ آتا ہے"

اور کیا رسول اللہ ﷺ جس وقت مکہ میں لوگوں کا اعتقاد درست کروا رہے تھے اور جہاں اہل ایمان آپؐ کے ہاتھوں لا الٰہ الا اللہ کے حقیقی مفہوم پر تربیت پا رہے تھے؛ (یوں آپؐ کی یہ مختصر سی جمعیت "دنیا کی امامت" کے لیے تیار ہو رہی تھی)... اُس وقت کیا آپؐ نے اُن کو یہ کہا تھا کہ فی الحال روٹی کھانا (اور اگانا) چھوڑ دو! اور یہ کہ جب تک اپنا اعتقاد درست نہ کر لو، بازاروں کی سب سرگرمی معطل کر دو! کسبِ معاش کے میدان سُونے چھوڑ آؤ... تا آنکہ تم لا الٰہ الا اللہ کو صحیح صحیح نہیں سمجھ لیتے!

ظاہر ہے کوئی عقلمند ایسا نہیں سوچ سکتا!

رسول اللہ ﷺ اُسی دوران اُن کی تربیت کر رہے تھے جس دوران اُن کا روٹی پانی چل رہا تھا، جس دوران اُن کے بازاروں کی رونق اور سرگرمی بحال تھی، اُن کے تجارتی قافلے رواں دواں تھے، اُن کی مال برداری یمن تا شام جاری تھی... وہ اپنی دنیا کے یہ سب کام بھی کر رہے تھے اور لا الٰہ الا اللہ کے حقیقی تقاضوں پر آنحضورؐ سے تربیت بھی پا رہے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ کے یہ تقاضے جیسے جیسے آسمان سے نازل ہوتے گئے ویسے ویسے اِن کا تربیتی عمل پروان چڑھتا گیا اور اُن کی سعی بارآور ہوتی گئی... یہاں تک کہ اِس عالمی اسٹیج پر وہ "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کی حیثیت میں نمودار ہوئے۔

آج بھی جب ہم لوگوں کو کہیں گے کہ سب سے پہلے تمہیں "اسلام" کی بابت اپنے بنیادی مفہومات درست کرنے ہیں جس کی ابتداء لا الٰہ الا اللہ کا مطلب جاننے سے ہوتی ہے... تو ہمارے پیش نظر وہی طریقہ ہو گا جو رسول اللہ ﷺ نے پہلے پہل اختیار کیا تھا۔ نہ ہم روٹی کے عمل کو موقوف کریں گے، نہ فوجوں کی تیاری کے عمل کو سست کروائیں گے، نہ صنعت کے فروغ کو معطل کروائیں گے، نہ مدرسے اور اسکول کھولنا موقوف ٹھہرائیں گے۔

مسئلہ دراصل آج یہ ہے کہ جب آپ اِن سماجی مسئلوں کو ہاتھ ڈالنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں تو قوم میں آپ وہ اجتماعی اسپرٹ ہی مفقود پاتے ہیں جو اِس بیل کو منڈھے چڑھا سکے۔ اجتماعی ذمہ داری کی حس ہی سرے سے نہیں پائی جاتی۔ فرد کا خود اپنے احساس سے ایک اجتماعی

معاملے میں پورا اترنا تصور سے باہر ہے؛ آدمی کچھ کرنے کا روادار ہو گا بھی تو اپنے شخصی مفاد کے زیر تحریک، اور جہاں ذاتی مفاد ہے وہاں حرام حلال کا فرق بھی بالائے طاق ہو جائے گا۔ چھوٹے درجے کا ملازم رشوت کے بغیر چل کر نہیں دیتا جبکہ "بڑے" درجے کا ملازم بنک اور ادارے ہضم کرتا ہے۔ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے؛ یہاں اصلاح کا کام آپ کہاں سے شروع کریں گے؟

آج آپ کو اس بدنظمی اور افراتفری کا سامنا ہے؛ جو ہمارا وقت، پیسہ، وسائل، صلاحیتوں اور قابلیتوں سب کا اجاڑا کروا رہی ہے؛ یہاں آپ مسئلہ کو کہاں سے ہاتھ ڈالیں گے؟

جھوٹ، فریب، جعلسازی، دونمبری، ملاوٹ، بددیانتی یہاں آسمان سے باتیں کرتی ہے، اس کو ٹھیک کرنے کے لیے آپ کہاں سے اپنے کام کا آغاز کریں گے؟

یہاں سنجیدگی کا فقدان ہے، نکماپن، سستی، کاہلی، لاابالی قوم کی رگ رگ میں بس چکی ہے، اس کے بحر کی موجوں کو کسی غیر معمولی اضطراب سے دوچار کرائے بغیر اس کی یہ مردنی کہیں جانے والی نہیں۔ قوم کو تبدیلی کے ایسے زوردار عمل سے گزارنے کے لیے آپ اپنی زنبیل میں کیا نسخہ رکھتے ہیں؟

علمی و تحقیقی اسپرٹ یہاں مفقود ہے۔ نہ مسائل کو سمجھنے میں معروضی objective انداز اختیار کیا جاتا ہے اور نہ مسائل کا حل پیش کرنے میں۔ خبط مارنا، اندازے لگانا اور دل میں جو آئے کرنا، تنظیم، ترتیب اور منصوبہ بندی سے دور رہنا قوم کی فطرتِ ثانیہ بن چکی، ذہنیتوں کو بدل کر رکھ دینا اور جماعت کو بالکل ایک نئی نفسیات دے ڈالنا... اس کے لیے راستہ کہاں سے کھلتا ہے؟

انفرادیت اور انانیت نے بری طرح ڈیرے ڈال رکھے ہیں، فرد کو ملت میں گم کروا دینے ایسا معجزہ کر دینے کے لیے... آپ یہاں کیا طریقِ کار رکھتے ہیں؟

جس لیڈر کو آپ کندھوں پر اٹھا کر ایوانوں تک پہنچاتے ہیں وہ بکاؤ منڈی میں اپنا مول لگوانے چل پڑتا ہے، آپ کی عزت، آپ کا مفاد، آپ کی زمین، آپ کا ملک، ہر چیز کا سودا

کر آتا ہے، تاکہ وہ یہاں کچھ دن اقتدار اور اختیار کے مزے لے سکے۔ ایسے طبقوں کے پاؤں تلے سے بساط کھینچ لینے والی قوم سامنے لانے کیلئے آپ کہاں سے کام شروع کریں گے؟

یہ مسئلہ، وہ مسئلہ... یہاں مسئلے ہی مسئلے تو ہیں جن کے پیچھے آپ بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو چکے! ایک مسئلے کو ہاتھ ڈالتے ہیں اوپر سے بیس مسئلے سر پر آپڑتے ہیں اور پوری ایک صدی ہم نے مسئلوں کا تعاقب کرنے میں گزاری۔ ہم نے اپنے آپ کو اور قوم کو یہی تسلی دلائی کہ مسئلے حل ہو رہے مگر آج بھی خلاصی کی راہ کے لیے ہم صرف دُہائی ہی دے رہے ہیں۔ کوئی ایک خردمند نہیں سوچتا...؟ کہ اِس مسئلہ کو ہم جتنا سرسری لیتے آرہے ہیں، ہمارا مسئلہ اس سے زیادہ گھمبیر ہے؟!

*****

وہ طبقے جو—اِس قوم کو عقیدہ کی کوئی مضبوط بنیاد اختیار کروائے بغیر—یہاں دھڑادھڑ فیکٹریاں لگوانے، ٹینکوں اور طیاروں کی قطاریں لگوادینے، سکولوں کالجوں کا انفراسٹرکچر بچھوا دینے، اور روٹی کی ریل پیل کروادینے میں ہی اس قوم کے مصائب وآلام کا حل دیکھتے ہیں... یہ طبقے اپنے تئیں بہت 'واقعیت پسند' ہیں، 'عملیت' کے خوگر، 'قوم کے اصل مسئلے سے آگاہ' اور اس کے 'حقیقی چارہ گر'، مسائل کو 'حقائق' کی روشنی میں دیکھنے اور دکھانے والے نہ کہ مسائل کی 'غیبی' تفسیرات کر کر کے قوم کو ایک فرضی اور وہمی دنیا کا اسیر رکھنے والے، اور جو کہ دنوں میں قوم کو یہ دشتِ ناپیدا کنار پار کروادیں گے...! تعجب کی بات یہ کہ زمامِ کار پوری ایک صدی سے اِنہی کے ہاتھ میں ہے نہ کہ قوم کو 'وہمی اور غیبی' دنیا کا اسیر بنانے والے طبقوں کے ہاتھ میں! یہ خاک اڑتی جو آپ دیکھ رہے ہیں، اِنہی کے دم قدم سے ہے، اور اِس پر پوری ایک صدی گزرنے کو ہے!

جبکہ ہم نے ایک دن اِن 'حقیقی چارہ گروں' کو نہیں کہا کہ فیکٹریاں مت لگاؤ، تعلیمی اداروں کا جال مت بچھاؤ، قوم کو روٹی کے ڈھیر لگا لگا کر مت دو، طاقتور فوجیں مت کھڑی کر دو، قوم کو سائنس اور ٹیکنالوجی کو ہاتھ مت لگانے دو، ٹینک اور طیاروں کے کھیپیں بر آمد کرنے کا کام ہرگز شروع مت کرنا...!

صرف ایک بات ہے جو ہم واشگاف کہتے ہیں: صحیح عقیدے پر قوم کو کھڑا کیے بغیر اگر تم یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہو، اور عقیدے کی بنیادیں اس کو بیرون سے لا کر دیتے ہو، تو یہی خاک اڑے گی جس کا تم ایک صدی سے بچشمِ سر مشاہدہ فرما رہے ہو!

ہم تعلیمی ادارے کھولتے ہیں... مگر ان بچوں کو وہاں پڑھاتے کیا ہیں؟!

ذرائع ابلاغ ہم بڑی بڑی 'جدید' ٹیکنالوجی کے ساتھ شروع کر لیتے ہیں... مگر اپنی اقوام کے لیے وہاں سے نشر کیا کرتے ہیں؟!

فیکٹریوں اور کارخانوں کا جال بچھا لیتے ہیں مگر کارخانوں کے ڈائریکٹر، وہاں کے ملازمین، وہاں کے مزدور عملاً کیا گل کھلاتے ہیں، اور یہ پیداوار کہاں جاتی ہے؟ محکموں میں کیا خاک اڑتی ہے اور قوم کے یہ وسائل کس سفید ہاتھی کا پیٹ بھرتے ہیں؟!

قوم فوجوں کا بجٹ پورا کر کر کے کنگال ہو چکی، اس کے سالاروں اور تمغہ برداروں نے اِس کو کونسا محاذ فتح کر کے دیا؟ اسلحے کے اِن ڈھیروں نے آج تک آپ کو کوئی کام کر کے کیوں نہیں دیا؟

جنرل عبد المنعم حسنی، جو کہ عربوں کی تاریخ ساز شکست کے وقت غزہ کا انتظامی سربراہ رہا تھا، نے ایک بار جب ہم دونوں کچھ ماہ کے لیے ایک جیل میں اکٹھے قید تھے، خود اپنی زبانی مجھے یہ واقعہ سنایا کہ جس روز یہ نام نہاد جنگ چھڑی، وہ اپنی جیپ پر مٹر گشت کرتا ہوا غلطی سے یہود کے علاقے میں داخل ہو گیا اور یہود کا جنگی قیدی جا بنا؛ خود اُس کو نہ جنگ شروع ہونے کا علم تھا اور نہ جنگ ہار جانے کا، یہ دونوں دلچسپ خبریں اس کو اپنے قفس برداروں سے ملیں! جنگ کے آغاز میں ہی ایک اعلیٰ سطحی مصری فوجی یہود کے ہاتھ لگا تھا، یہودی افسروں کی طرف سے اُس کو جو پہلا سوال ہوا وہ یہ تھا: کیا مصری فوج میں الاخوان المسلمون ہیں؟ کہنے لگا: میں نے ان کو بتایا: نہیں۔ پھر میں نے اُن سے پوچھ لیا کہ یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھا جا رہا ہے؟ وہ مجھے کہنے لگے: ہم ابھی تک 1956ء کا وہ ایک واقعہ نہیں بھولے جب مصری فوج میں موجود الاخوان کے صرف دو افسروں نے پورے یہودی بریگیڈ کی پیش قدمی کو "مِتلا" کے علاقے میں مسلسل

چھ گھنٹے تک روک کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ دونوں اپنی توپوں پر سوار لڑتے ہوئے مارے گئے، اور تب جا کر ہماری پیش قدمی از سرِ نو شروع ہوئی!

یہودی توپ سے نہیں ڈرتا؛ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اِس توپ کے پیچھے کون کھڑا ہے!

توپیں اور ٹینک تو اُن کے اپنے پاس بہت ہیں۔ وہ ہماری توپوں سے کیا ڈریں گے۔ ان کو ڈراتا ہے وہ "مسلمان" جس کے اندر یہ لا الٰہ الا اللہ بولتا ہے اور جس کے انگ انگ میں یہ جذبۂ شہادت بھرتا ہے اور جو کہ اِسی کلمہ کا خاصہ ہے۔ ہاں ایسا مسلمان ہو تو نہتا اُن کے اوسان خطا کرتا ہے!

ہمارا سب سے کاری ہتھیار ہمارا لا الٰہ الا اللہ ہے، یہودی کی جان جاتی ہے تو اِس سے!

افغانستان پر روس قابض ہوا تو یہی مولا شہباز سے جا بھڑا تھا! اِسی نے امریکہ کے برج الٹے۔ اور اِسی نے آج ارضِ فلسطین میں بنی صیہون کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں!

ہم ایک بار پھر واضح کر دیں...: ہم یہ نہیں کہتے کہ اپنے فوجی جوان کو بس لا الٰہ الا اللہ دو، توپ مت دو– جیسا کہ آج کچھ لوگ سادہ لوحی سے، یا سادہ لوح بن کر، ہماری اس بات کو یہ مطلب پہناتے ہیں– ہم کہتے ہیں اپنے اِس جوان کو جو جو ہتھیار دے سکتے ہو دو مگر تمہارے جوان کا سب سے بڑا ہتھیار یہ لا الٰہ الا اللہ ہے، اس کے سامان میں یہ کسی صورت مفقود نہیں ہونا چاہئے۔ توپ ضرور حاصل کیجئے، مگر اس کے پیچھے وہ مرد کھڑا کیجئے جس کے اندر لا الٰہ الا اللہ بولتا ہے۔ اُس دن آپ دیکھیں گے یہی تھوڑا بہت اسلحہ آپ کو حیرت انگیز حد تک کفایت کر گیا ہے اور اس کے دَم سے، بھیڑیے اب سرزمینِ اسلام کی عزتوں اور آبروؤں کو بھنبھوڑنے کے لیے اِدھر کا رخ کرنا بھول گئے۔

اور یہ باتیں... ہمارے اپنے 'داناؤں' سے اوجھل ہوں تو ہوں، ہمارے دشمنوں کو خوب معلوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا اور یہاں پر ان کے کاسہ برداروں کا پورا زور صَرف ہوتا ہے تو اِس پر کہ ہماری افواج کو اِس لا الٰہ الا اللہ کی ہوا نہ لگنے پائے۔ کیوں؟ وہ جانتے ہیں کہ یہ لا الٰہ الا

اللہ کس خوبصورتی کے ساتھ پانسے پلٹتا ہے! اُن کو خوب معلوم ہے یہ لا الٰہ الا اللہ اُن کے 'زمینی حقائق' کا کیسا بھرکس نکالتا ہے!

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ .. (الأنعام20)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا

*****

'موجودہ مسائل' پر دوبارہ آجاتے ہیں...!

'معروضیت' اور 'عملیت' کے خوگر حضرات کی گردان جاری ہے: خدارا یہ عقیدے اور غیبیات کی جان چھوڑو؛ کروڑوں عوام بھوکی ہے۔ لوگ سڑکوں پر بے حال ہیں۔ تم لوگوں کے حقیقی مسائل کو توجہ دو۔ کوئی عملی حل پیش کرو۔ کرپشن ختم کرکے دو۔ پورا عالم اسلام معاشی ابتری، غربت، کثرتِ آبادی اور قلتِ وسائل کا شکار ہے؛ اِس میدان میں اِس کی چارہ گری کرو...

ہم اِن سے کہیں گے: بالکل ٹھیک! زور لگا دیکھو! تم کوئی کم قابل ہو! پوری ایک صدی سے قوم تمہی کو توسن رہی ہے۔ تمہاری ہی راہنمائی تو اس کو میسر رہی ہے... برآمد کیا ہوا؟!

ہم 'توہمات' میں بسنے والے، 'عوام کے مسائل' سے ناواقف، 'غیبیات' کے مارے ہوئے... تم سے صرف ایک بات پوچھتے ہیں: اسلام کی یہ سرزمین جس قدرتی دولت سے مالامال ہے، جو پٹرول، گیس، کوئلہ، معدنیات، زرعی اور آبی امکانات اور تاحد نظر پھیلی یہ سونا اگلتی زمینیں اور خدا کے فضل سے یہ بے حد وحساب افرادی قوت اِس کو حاصل ہے، اور جس سے یہ دنیا کا دولتمند ترین خطہ ٹھہرتا ہے... آخر کیا وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے دنیا کی سب سے زیادہ غریب اور سب سے زیادہ مسائل رکھنے والی قوم ہیں؟

کیا یہ غربت اور دردر کے دھکے اُس روز بھی اِس کا مقدر بنے تھے جس روز یہ قوم اسلام پر کھڑی تھی اور اپنی زندگی میں لا الٰہ الا اللہ کے مطالبات کو پورا کر رہی تھی؟

(ہم پیچھے کہہ آئے ہیں کہ خدائی نقشے پر تعمیرِ ارض، جستجوئے علم وسائنس اور دشمن کے مقابلے کے لیے قوت کی فراہمی مطالباتِ لا الٰہ میں باقاعدہ طور پر شامل ہے)

وہ مسلمان جو اِس لا الٰہ الا اللہ کے مطالبات پورے کر رہے تھے کیا دنیا کی سب سے امیر، سب سے مہذب، سب سے ترقی یافتہ اور سب سے طاقتور قوم نہیں تھے؟

پھر جب ان کے عقیدے میں بوداپن آیا تو ساتھ ہی وہ علم، اخلاق، فکر، سائنس، اقتصاد، حرب، سیاست، ہر میدان میں پسماندہ ہوئے... تب صلیبی یورپ ان کی زمینوں پر چڑھ آیا، اِن کے وسائل کو جی بھر کر لوٹا، اِن کو ذلت اور غلامی کی زنجیروں میں کسا، اور اِن کا خون نچوڑ نچوڑ کر اپنی قوم کو فربہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ یورپ دن بہ دن ہٹا کٹا اور 'ناقابلِ تسخیر' ہوتا چلا گیا اور یہ اس قدر لاغر کہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں!

اور اب ایک صدی سے یہ ان مصائب سے جان چھڑانے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے ہیں، لیکن خدائی منہج کی طرف واپس آنے کے لیے پھر بھی تیار نہیں، کبھی اشتراکیت کو آزمائیں گے، کبھی صنعتکاری کے منصوبے باندھیں گے، کبھی 'بڑے ملکوں' سے قرضے لینے چل پڑیں گے، یوں مصائب کے بوجھ تلے اور سے اور دبتے چلے جائیں گے۔ ان کی کرنسیاں گرتے گرتے پاتال کو جا لگیں، قرضوں نے ان کی کمر دہری کر دی، پیداوار کا گراف مسلسل نیچے جا رہا ہے اور 'بھوک' جس کا سو سال تک رونا رویا آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ ہاں اخلاق کا جنازہ ضرور نکلا اور شاید یہ واحد چیز ہے جو 'ترقی' کی اِس دوڑ میں ہمارے ہاتھ لگی ہو!

ظاہر ہے لوگوں سے ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اٹھو اور اپنی زمینوں اور اپنے وسائل پر اپنا کنٹرول بحال کراؤ اور اپنے اوپر چڑھ بیٹھی ہوئی اقوام کو ایک لمحے میں پیچھے دھکیل دو۔

یہ سیاسی واقتصادی آزادی حاصل کرنا اور اِس خون نچوڑنے کے عمل سے رہائی پانا بے شک ضروری ہے، لیکن یہ ہدف سر ہونے کو مدتیں لگ سکتی ہیں۔ اس کے لیے نسلوں کی محنت درکار ہے۔ بھوک سے بے حال معدے ظاہر ہے اُس ہدف کے سر ہونے تک صبر نہیں کر سکتے۔ اِن کو آج ہی آپ کو کچھ کھلانا ہے، تاکہ زندگی کی رمق بحال رہے۔

'معروضیت' اور 'عملیت' کے خوگر حضرات سے ظاہر ہے ہم یہ نہیں کہیں گے کہ صنعتکاری کے منصوبے باندھنا چھوڑ دو اور اپنے اِس دیوالیہ ہو چکے بجٹ کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ پیر مت مارو۔ ہم ان کو صرف ایک بات سمجھائیں گے: اِن سب میدانوں میں لوگوں کو ان کے دین کی صحیح بنیادوں پر کھڑا کیے بغیر تم جو محنتیں اور کوششیں کروگے اس کی مثال ایک چھدے ہوئے پیندے کے برتن والی ہوگی جس کو ہم بھر بھر کر تھک جاتے ہیں مگر وہ بھرنے کا نام نہیں لیتا!

صنعتکاری، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں، ایک تہذیبی کاوش ہے، نہ کہ محض کچھ آلات اور مشینیں چلا لینے کا نام! آپ تو سب سے پہلے اِس میدان میں ہی دیوالیہ ہیں!

جہاں تک ہم 'غیبیات' پر ایمان رکھنے والوں کا تعلق ہے تو ہمارا کہنا ہے: تعمیرِ ارض جو خدائی نقشہ پر ہو، لا الٰہ الا اللہ کے گوناگوں تقاضوں میں سے ہی ایک تقاضا ہے۔ جس دن آپ اِس بات کو سمجھ جائیں گے اُس دن آپ کے مزدور کارخانوں میں 'اشتراکیت' کے مزدوروں کی طرح وقت کٹائی نہیں کریں گے۔ ملازم اور کاریگر کام چوری کے نت نئے طریقے نہیں ڈھونڈیں گے۔ 'اونچے درجے' کے ملازم پیداوار کے سودے باہر باہر نہیں کر آیا کریں گے اور 'بلیک مارکیٹ' کی یہ رونقیں اِس طرح بحال نہیں رہ جائیں گی! رشوت اور غبن جس نے آپ کا وجود کھوکھلا کر دیا ہے یوں سر چڑھ کر نہیں بولے گی۔ بیوروکریسی میں خوشامد، چاپلوسی اور ایک دوسرے کے خلاف افسروں کے کان بھرنا "ترقی" کی سیڑھی نہیں رہے گی بلکہ اہلیت اور صلاحیت کی زبان سنی جانے لگے گی۔ نیچے سے لے کر اوپر تک کے یہ بھتے پھر یوں نہیں چلیں گے!

ہاں اُس روز آپ کا یہ صنعتیں لگانا واقعتاً آپ کو فائدہ دے سکتا ہے۔ اُس روز آپ توقع کر سکتے ہیں کہ آپ کا قومی خزانہ اِس سے واقعتاً بھرنے لگے، آپ کی کرنسی کی مالیت بہتر ہو اور ملکی معیشت مضبوط ہو، اور اس سب پر مستزاد وہ "برکت" جو آسمانی عطیہ ہوا کرتا ہے اور جو اُس وقت آتی ہے جب سود کی لعنت معاشرے سے دفع کر دی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ مہربان ہو کر آپ سے بلائیں ٹالتا اور آپ پر آسمان اور زمین کے خزانے کھول دیتا ہے...

*****

'چارہ گر' پریشان ہیں کہ اِس قوم میں نظم و ضبط کی روح مفقود ہے۔ منتشر ذہنی، پراگندہ خیالی، سر پر پڑے تو سوچنا اور کسی ممکنہ صورتحال کے لیے کوئی پیش بندی نہ کر رکھنا گویا ہمارا قومی امتیاز ہے۔ معروضی اندازِ فکر اور عملی اسلوب اختیار کرنا گویا ہماری ریت کے خلاف ہے۔

یقیناً فی الوقت ایسا ہی ہے... لیکن اِس کی وجہ کیا ہے؟

کیا اِن عظیم 'چارہ گروں' نے پوری ایک صدی لگا کر قوم کے یہ نقائص دور کرنے کی کوشش کر نہیں لی؟ ناکام کیوں رہے؟!

آپ حیران رہ جاتے ہیں کہ تاریخی طور پر جو خطہ اسلام کو میسر آیا اُس کا بڑا حصہ خطِ استواء کے آس پاس واقع ہے، یعنی شدید گرم یا معتدل گرم خطے۔ گرم آب و ہوا کا قدرتی اثر ہے کہ یہاں کی اقوام میں جلد بازی، اضطراب، بدنظمی، بے منصوبہ رہنے اور لمبا نہ چل پانے کی نفسیات نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔ جذبات میں آکر عمل کرنا اور عمل کے سرے لگنے سے پہلے جذبہ سرد پڑ جانا اِس خطہ کی طبائع میں بہت زیادہ ہے۔

مگر آپ دیکھتے ہیں، اسلام آتا ہے اور ایسی اقوام سے "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" بر آمد کر ڈالتا ہے!

یہ سب سے زیادہ منتشر اور پراگندہ حالت اقوام تھیں؛ اسلام نے آکر ان کو ڈسپلن سکھایا، ان کے شیرازہ کو مجتمع کیا، رنگا رنگ قوموں اور قبیلوں کو وحدت کی ایک لڑی میں پرویا، اِن کی روزمرہ زندگی کو ایک ترتیب اور تنظیم سے آشنا کرایا، اِن کو معروضی انداز میں سوچنا اور عملی و نتیجہ خیز اسلوب میں سرگرم ہونا سکھایا، عمل میں پختگی اور دوام لانے کا شعور بخشا... یعنی اِن خطوں کی طبعی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے یہاں وہ معجزے کیے کہ یہ اقوام دریا کے رخ کے خلاف تیرنے لگیں؛ اسلام نے گویا اِن کی فطرتیں اور اِن کے مزاج بدل ڈالے۔ یہ تھے لا الٰہ الا اللہ کے کرشمے! کونسی قوم ہے جو مطالباتِ لا الٰہ پہ پورا اتر کر کبھی خسارے میں رہی ہو؟ ہر قوم کے آنگن میں اِس نے تو روشنی ہی کی۔ ہاں جب اسلام کی وہ روح، لا الٰہ الا اللہ کا وہ مضمون، اِن اقوام کی زندگی سے روپوش ہوتا گیا، اور لا الٰہ الا اللہ چند سیکنڈ

کے لیے لب ہلا دینے کی ایک چیز ٹھہرا، اور محض 'تصدیق واقرار' اِس کی مستند تعریف ٹھہرا، تو اِن اقوام کے وہ طبعی خصائص عود کر آئے۔ یہاں وہی "منتشر ذہنی، پراگندہ خیالی، سر پر پڑے تو سوچنا اور کسی ممکنہ صورتحال کے لیے کوئی کوئی پیش بندی نہ کر رکھنا، معروضی اندازِ فکر اور عملی اسلوب کا فقدان، جلد بازی، اضطراب، بد نظمی، بے منصوبہ رہنے اور لمبا نہ چل پانے کی نفسیات" اپنی اُسی قدرتی زبان میں پھر بولنے لگی!

'چارہ گر' مسلسل چیخ رہے ہیں... اور بلاشک؛ انہیں چیخنا ہی چاہئے!

کیا قوموں کے طبائع بدل ڈالنا آسان کام ہے؟ ایک چیز جو منہ کو لگی ہو، اُس سے یکسر چھڑوا دینا؛ پوری ایک قوم کو یکلخت نئی حالت سے ہمکنار کر دینا معمولی بات ہے؟ یہ کرشمے تو لا الٰہ الا اللہ کر کے دے سکتا تھا اگر کچھ محنت اس پر کر لی جاتی؛ عین اُسی دستور پر جو اِس امت کی ساخت کرتے وقت اول اول اختیار کیا گیا تھا!

اب بھی... وقت گزر تو نہیں گیا!

*****

سو سال تک یورپ کے پیچھے بھاگنے والے قوم کو کیا دے سکے، آپ کے سامنے ہے؛ اور سو سال کوئی کم مدت نہیں! پھر بھی اِس طرز فکر پر کچھ بات کرتے چلیں جس کے نزدیک یورپ قابل تقلید ہے کیونکہ اُس نے طاقت اور برتری کے وہ سب اسباب مہیا کر دکھائے جن سے ہم محروم ہیں؛ لہٰذا اگر ہم بھی اُس کی پیروی کریں گے تو ایک نہ ایک دن عین اُنہی نتائج پر جا پہنچیں گے جن پر وہ پہنچا ہے، یعنی ترقی اور خوشحالی! یہ نورِ خداوندی سے محروم لوگ خدائی سنتوں سے ناواقف ہیں:

یورپ کا راستہ کفر کا راستہ ہے۔ انکار اور سرکشی کا راستہ ہے۔ اُسکو زمین میں قوت اور تمکین ملتی ہے تو اُن قاعدوں کی رُو سے جو دنیا میں فرعونوں کے لیے مخصوص ہیں[14]۔ خصوصاً یہ دو قاعدے:

---

(14) یعنی جب تک اہل ایمان میدان میں نہیں آجاتے، فرعون کو زمین میں چھوٹ ملنا، طاقت، کنٹرول اور اقتدار ملا رہنا اور حیاتِ فانی کے لیے کی گئی جدوجہد کا خوب خوب بار آور ہونا۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ .. (الأنعام 44)

پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دئے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لا يُبْخَسُونَ (ھود۔15)

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔

یورپ نے کفر کیا اور – دنیا اور اس کی زینت کو اپنی کل غایت بناتے ہوئے – اپنی تمام تر محنت اِسی جہان کے لیے صرف کر دی... تو مذکورہ بالا دو خدائی سنتوں کی رو سے اُس کو زمین میں وقتی تمکین دے ڈالی گئ۔

مگر یہ واقعہ ہمارے یہاں کی 'ترجمہ شدہ' عقول کے لیے فتنہ بن گیا؛ اِن 'چارہ گروں' کے خیال میں مسلمان کے ترقی و فلاح پانے کا بھی دنیا میں یہی دستور ہے!

دوسری جانب... مسلم ترقی کے معاملے میں دو خدائی سنتیں ہیں، اور یہ بھی اِن کی نظر سے اوجھل ہیں؛ ایک:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً (النور۔55)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

یعنی جب یہ شرطِ خلافت پوری ہونا موقوف ہو جائے گا زمین میں اِن کی تمکین موقوف ہو جائے گی؛ تاوقتیکہ یہ پھر سے وہ شرط ادا کرنے پر محنت نہ کرنے لگیں۔

دوسری: کفار کی تمکین زمین میں دائمی نہ ہونا اور اُن کے باطل کا صفایا کرنے کے بعد زمین کی وراثت اِن کو ملنا:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الأنعام 44 - 45)

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔

اور آج یہ حال ہے کہ خود مغرب پر ہی یہ واضح ہونے لگ گیا کہ اُس کا زوال قریب ہے!

یہ سب حقیقتیں مغرب پر او جھل رہیں تو بات سمجھ آتی ہے، مغرب ہے ہی کافر؛ وہ ایمان کی نظر سے اِن حقائق کو کیسے دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہمارے یہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان کے پاس کیا عذر ہے؟

مغرب نے جو مزے اڑائے وہ وہی چار دن کی مہلت ہے جو کافر کو زمین میں دے دی جاتی ہے۔ یہ برکت سے خالی سامانِ زیست ہے، جس کو لینے والا آخرت میں سوائے آگ کے کسی چیز کا امیدوار نہیں ہوتا:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (هود 15 - 16)

جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا کوئی چیز نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے، سب ضائع۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ (القتال۔12)

اور جو کافر ہیں وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

البتہ مسلمان کو یہ دنیا کسی اور شرط پر ملتی ہے! یہ استخلاف ہے؛ جو کہ خدا کی راہ پر چلنے کا صلہ ہوا کرتا ہے، اور یہ دنیا میں انعام ہے۔ یہ برکات سے پر زندگی ہے جو کفار کو کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ روح کا سکھ، قلب کی طمانیت ہمیشہ اس کے ساتھ آتی ہے۔ جبکہ آخرت میں جناتٌ تجری من تحتھا الأنھار۔ نیز... ورضوانٌ من اللہ اکبر!

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (الأعراف96)

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے۔ تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی۔ سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد۔28)

جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں۔ اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبۃ۔72)

ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی یہی بڑی کامیابی ہے۔

تو پھر کون ہے جو اپنی جنت کو دوزخ سے بدلے، اور بدستور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے؟!

****

ظاہر ہے ہم نے یہ نہیں کہا کہ جیسے ہی آپ اپنا تصورِ لا الٰہ درست کریں گے، کوئی جادوئی چھڑی نمودار ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے سب مسئلے حل ہوئے پڑے ہوں گے! اِس کے برعکس؛ ہم آپ کو یہ بتا سکتے ہیں کہ جیسے ہی آپ اِس لا الٰہ کو لے کر اٹھیں گے، پوری دنیا آپ کے خلاف آمادۂ جنگ ہوگی؛ اور خود آپ کو ایک علمی و معروضی انداز اختیار کرتے ہوئے اور

شریعت کو بنیاد بناتے ہوئے اپنی قوم کو پسماندگی سے نکالنے کے لیے جان کھپا دینا ہوگی، خواہ وہ اقتصادی شعبے میں ہو، یا سائنسی و ٹیکنالوجی شعبے میں ہو، یا حربی میدان میں، یا فکری اور سیاسی میدانوں میں، یا سماجی شعبوں میں۔

یہاں؛ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر ہمیں ہر حالت میں محنت ہی کرنی ہے تو ہم کوئی ایسا غیر معمولی روٹ اختیار ہی کیوں کریں، کیوں نہ بنے بنائے حل سرمایہ داری بلاک یا اشتراکی بلاک سے درآمد کرلیں، اور دنیا بھر کی دشمنی مول لینے سے بھی بچے رہیں؟

اس کا جواب اصل میں تو "آخرت" ہے... تاہم ایک صدی کا "دنیوی تجربہ" بھی اس الجھن کا جواب دینے کے لیے خاصی حد تک کافی ہے!

"قومِ رسولِ ہاشمی" کی فلاح و بہبود کے لیے 'اقوامِ مغرب' سے درآمد شدہ نسخے آزمائے بغیر یوں چھوڑ تو نہیں دیے گئے! پوری ایک صدی... کسی ایک مسئلے نے حل ہو کر نہیں دیا، البتہ ایک مسئلہ کو حل کرتے ہوئے کئی اور مسئلے پیدا ضرور کر لیے گئے؛ اور آج ہم اپنی تاریخ کی سب سے الجھی ہوئی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں؛ جبکہ ذلت اور خواری اس پر مستزاد!

کیا اس کو خردمندی کہیں گے کہ شفا پانے کی آس میں آدمی زہر کی خوراکیں بڑھاتا ہی چلا جائے؟!

اسلام کا راستہ کٹھن ہے، خطرات سے پر ہے؛ مگر ہے یہ اَحرار کا راستہ... جبکہ غلاموں کا راستہ 'بنا بنایا' اور 'خالی از خطرات'؛ مگر ہے غلاموں کے لیے! دونوں کے مابین "فرق" تو ہوگا!

حواشی:

---

(1) وہ لوگ بھی جو اپنے تئیں 'ملحد' ہیں نہ کسی چیز پر 'ایمان' رکھتے ہیں اور نہ کسی چیز کی 'عبادت' کرتے ہیں، یہ اپنی اھواء کو پوجتے اور اپنی خواہشات کی غلامی کرتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا: أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الجاثیۃ:23) "کیا دیکھا تو نے اُس شخص کو جس نے اپنی ھوائے نفس کو اپنا خدا بنا رکھا ہے"۔

[2] أخرجه الشيخان. "زانی نہیں زنا کرتا مگر اس حال میں جب وہ مومن نہیں ہوتا، اور چور چوری نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو"

[3] (الأعراف 16 - 17) بولا تو قسم اس کی کہ **تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے** راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا

[4] الملک (22) تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے زیادہ راہ پر ہے یا وہ جو سیدھا چلے سیدھی راہ پر

[5] الرعد (16) تم فرماؤ کیا برابر ہو جائینگے اندھا اور انکھیارا؟ یا کیا برابر ہو جائیں گی اندھیریاں اور اجالا؟

[6] محمد (12) اور کافر برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ میں ان کا ٹھکانا ہے

[7] الزمر (17) اور وہ لوگ جو طاغوت کی پوجا سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے انہیں کے لیے خوشخبری ہے تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو۔

(8) عرب زمانہ جاہلیت میں خدا کے حرام کردہ چار مہینوں کی حرمت پر ایمان رکھتے تھے، لیکن جس وقت اُن کی اھواء تقاضا کرتیں، وہ ان حرام مہینوں میں سے جس مہینے کو چاہتے حلال کر لیتے اور اس کی جگہ دوسرے مہینوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیتے، یوں چار حرام مہینوں کی گنتی پوری کر لیتے۔ اِس کو "نسیء" کہتے، جس کی جانب آیت میں اشارہ ہے۔

[9] رواه الطبري عن حذيفة من أكثر من طريق.

10 اِعراض اُن دس امور میں سے ایک ہے جو آدمی کو دائرہ ملت سے خارج کرتے ہیں۔ اس کے لیے دیکھئے ہمارا رسالہ "نواقضِ اسلام"۔ (مترجم)

(11) امام شاطبی فرماتے ہیں:

''اگر ایک قاعدۂ عامہ یا قاعدۂ مطلقہ ثابت ہو جائے تو معین واقعات یا خاص حالات سے ثابت ہونے والے قضایا کا اُس کے خلاف جانا موثر نہیں رہتا۔ اس پر دلیل یہ امور ہیں:

اول: قاعدہ کو قطعی مانا جاتا ہے، کیونکہ یہاں پر کلام ''اصولِ کلیہ قطعیہ'' کی بنا پر ہے، جبکہ معین واقعات اس کی نسبت ظنی ہوتے ہیں، درحالیکہ ظنی نہ تو قطعی کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ اس کو رد کر سکتا ہے۔(الموافقات جلد 3 صفحہ 165 - 166 ، مطبعة محمد علي صبيح ، القاهرة)

دوم: قاعدہ میں احتمال نہیں ہوتا۔ یعنی وہ کسی اور معنیٰ کو محتمل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ادلہ قطعیہ پر بنا کر رہا ہوتا ہے۔ جبکہ معین واقعات میں معنیٰ اور دلالت محتمل ہوتی ہے، اس امکان کے باعث کہ وہ اپنے ظاہر کے علاوہ کسی معنیٰ پر محمول ہو، یا ظاہر پر بھی محمول ہو تو اس کو کسی وجہ سے کوئی استثناء حاصل ہو اور بیک وقت اُس پر کسی اور قاعدہ کا اطلاق بھی ہوتا ہو۔ جب یہ صورت ہے تو یہ درست نہیں کہ ایک قاعدہ کی کلیت کو ایک ایسی چیز کو بنیاد بنا کر باطل کر دیا جائے جس کا خود قطعی نہ ہونا ہمارے سامنے ہے۔

سوم: معین واقعات سے ثابت ہونے والے قضایا جزئی ہوتے ہیں، جبکہ قواعدِ عامہ کلیات کہلاتے ہیں۔ جزئیات میں کلیات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے"۔

(12) امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: (الفتاوی - كتاب الإيمان - الجزء السابع) اقتباسات از ص 209 - ص 215 ، طبع مؤسسة الرسالة ، بيروت ، 1398ھ:

"نبی ﷺ کی اِس حدیث سے ان کا استدلال کرنا کہ أعْتِقْهَا فإنَّها مؤمِنةٌ "اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے" ان کے مشہور دلائل میں سے ہے، اسی کو ابن کلاب اپنی حجت کے طور پر پیش کرتا ہے، جس کا کہنا تھا کہ ایمان بول دینے اور تصدیق کر دینے کا نام ہے، اور اس لحاظ سے اس کا مذہب جہم بن صفوان اور اس کے پیرکاروں کے مذہب سے قریب ہے۔ میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ابن کلاب کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے؛ کیونکہ ایمانِ ظاہر جس پر دنیوی احکام لاگو کیے جاتے ہیں اُس باطنی ایمان کو مستلزم نہیں جو اخروی سعادت کے لیے مطلوب ہے۔ کیونکہ منافقین جن کی بابت کہا گیا (آمَنَّا بِاللهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ) وہ ظاہر میں مومن ہی تھے، **نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج کرتے، اور جہاد کرتے**، جبکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا شادی بیاہ اور ورثہ وراثت سب چلتا تھا؛ جو کہ عہدِ رسالت میں منافقین کے حوالے سے اسلام کا ایک معلوم دستور رہا ہے۔ کفارہ کے معاملہ میں، اللہ تعالیٰ نے آزاد کرائی جانے والی گردن کے مسلمان ہونے کی شرط لگائی، تو لوگوں پر یہ فرض عائد نہیں کیا کہ وہ لوگوں کا باطنی ایمان چیک کریں۔ اگر اس بات کا حکم دیا جاتا تو یہ ایسا ہی ہوتا کہ ان کو حکم دیا جائے کہ تمام لوگوں کو ہی قتل کر ڈالو سوائے ان کے جن کی بابت تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ دل سے مسلمان ہیں! ظاہر ہے مسلمانوں کو لوگوں کے دل پھاڑ کر یا پیٹ چیر کر ان کا ایمان دیکھنے کا مکلف نہیں کیا گیا تھا۔

ایک آدمی سے اگر ایمانی رویہ ظاہر ہوتا ہے تو وہ اس کی گردن آزاد کر کے اپنا کفارہ پورا کر لیں گے۔ دراصل یہاں لونڈی کے مالک نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا کہ کیا وہ مومنہ ہے (یعنی کیا اس کو رقبة مومنة باور کیا جائے؟)، تو اس کا سوال ہی ایمانِ ظاہر کی بابت تھا جس سے مسلم اور کافر کی تمیز کی جاتی ہے۔ اسی طرح جس آدمی نے غلام آزاد کرنے کی نذر مان رکھی ہے وہ یہ جاننے کا مکلف نہیں کہ اس کے دل میں ایمان ہے یا نہیں، کیونکہ یہ جاننا اس کے لیے ممکن ہی نہیں۔ بلکہ دنیا میں کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ مقصد یہ کہ نبی ﷺ نے اُس لونڈی کی بابت دنیوی ایمان کی خبر دی ہے جو ظاہری احکام سے متعلق ہے"۔

(13) الترغيب والترهيب 3 / 220 تحقيق محمد محيي الدين عبد الحميد .

(14) مدارج السالكين ج 1 ص 330 - 332 طبعة دار الكتاب العربي 1392 هـ .

(15) أخرجه مسلم .

(16) أخرجه مسلم .

(17) أخرجه الترمذي:فقال عدي : يا رسول الله ما عبدوهم ! فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم-: ألم يحلوا لهـم الحرام ويحرموا عليهم الحلال فاتبعوهم ؟ قال : بلى ! قال : فذلك عبادتهم إياهم

(18) ہمیں معلوم ہے یہاں ارجائی فکر کے نکتہ ور جو کہ طویل بحثیں اٹھانے کی غیر معمولی استعداد رکھتے ہیں، مذکورہ بالا دو احادیث کے حوالے سے 'نکتہ' پیش کر سکتے ہیں کہ: اِن دو حدیثوں کا اطلاق تو بالعموم اُس انحراف پر ہوتا رہا ہے جو ہمارے "اسلامی دور" میں سامنے آیا تھا (یعنی اموی و عباسی دور کا انحراف اور ظلم) اور جس کو 'محمد قطب سے پہلے' کسی نے "کفر" کے ساتھ نہیں جوڑا! بلا شبہ ایسا ہی ہے؛ اموی و عباسی دور کے انحراف اور ظلم کو واقعتاً کفر نہیں کہا گیا؛ لہٰذا اس کے مقابلے پر جو "ایمانِ مطلوب" تھا اِن احادیث کی رو سے وہ اُس وقت وہی تھا جو "فسق و فجور" کے مقابلے پر ہوا کرتا ہے۔ (کیونکہ "ایمانِ مطلوب" کے درجات ہیں، جبکہ ہوتا وہ "ایمان" ہی ہے) لیکن اگر وہ انحراف ہی "کفر" کے درجے کا ہو، جیسا کہ آج بہت سے مسلم ملکوں میں واقع ہے (یا پرانے دور میں بھی فاطمی یا قرامطی شکل کا رہا ہو) تو اس کے مقابلے پر جو "ایمانِ مطلوب" ہو گا اُس کی صورت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ اِس لحاظ سے؛ فضیلت مآب محمد قطب کا استدلال نہایت بر محل ہے۔ (مترجم)

(19) احياء علوم الدين المجلد الثالث الجزء السابع ص 9 ، دار الفكر العربي.

جوابات تلاش کیجئے

برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

مسئلہ لا الٰہ الا اللہ پر اس قدر زور؟

1. ”لا الٰہ الا اللہ“ قرآن کی مکی سورتوں ہی نہیں مدنی سورتوں میں بھی برابر بیان ہوتا چلا گیا ہے۔ آپ کے خیال میں اس ایک موضوع کو اس قدر توجہ ملنے کی کیا وجہ ہے؟
2. توحید خدا کا حق ہے اور انسان کی ضرورت۔ نیز انسان کی فطرت۔ تینوں نکات کی وضاحت کیجئے۔
3. خدا کی عبادت سے خروجِ کہیں وقتی وجزوی ہوتا ہے تو کہیں کلی ودائمی۔ دونوں کی کیا صورت ہے؟
4. انسان کا اپنی اصل اعلیٰ حالت (احسن تقویم) پر آنا کیا ہے؟

مابین ایمان و ارجاء

5. ہر رسالت میں انسانوں سے خدا کا ایک ہی مطالبہ: لا الٰہ الا اللہ۔ جاہلیت کا ایک ہی جواب: نامنظور۔ مسئلہ باعثِ نزاع دراصل تھا کیا؟ اور کیا آج کی جاہلیت کو بھی سب سے بڑھ کر یہی مسئلہ نامنظور ہے؟
6. شرک اور توحید کا لب لباب دو قضیے ہیں جو لا الٰہ الا اللہ کے تحت اسلام اور جاہلیت کے مابین باعثِ نزاع رہے۔ وہ دو اصل قضیے مع دلائل کیا ہیں؟
7. لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محاذ آرائی میں ہر جاہلیت کی اشرافیہ، جمہور کی نسبت کچھ اضافی وجوہات رکھتی ہے اور قرآنِ مجید میں ملأ کا بطورِ خاص ذکر ہوتا ہے۔ اشرافیہ کے ان تحفظات کی وضاحت کیجئے۔
8. رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی قریش اشرافیہ کو پوری طرح قبول تھی۔ لیکن آپؐ کے ساتھ وہ پھر بھی آمادۂ جنگ ہی رہے۔ ”إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ“ کی وضاحت کیجئے۔
9. عرب کا شرک شجر وحجر میں محصور نہ تھا، انکے دیگر معبودات کیا تھے؟ دلیل کے ساتھ بیان کریں۔
10. انسانوں کو شرک سے نکالنا عقیدۂ آخرت کے سوا کسی چیز کے بس میں نہیں، وضاحت کیجئے۔
11. آدمی کا لا الٰہ الا اللہ کو قبول کرنا محض اقرار اور تصدیق نہیں تھا... تو پھر کیا تھا؟ وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ سے ”لا الٰہ الا اللہ پر ایمان“ کی سند ملی، اُنکے طرزِ عمل سے اس مسئلہ کی وضاحت کریں۔

"شہادت"نہ کہ محض'اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب'!

12. ایک عام خیال یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ پر یہ اس قدر محنت اور توجہ، نیز اس کے تقاضوں پر یہ زور اور اصرار اس لیے تھا کہ اس کے مخاطب مشرک تھے۔ البتہ اگر وہ پہلے سے مشرک نہ ہوتے تو اس پر ایمان کیلئے زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کافی تھی! آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟

13. البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدۃ میں وارد تشریعات واحکام کس طرح توحید کا بیان اور تقریر ہیں، ایک ایک سورت کے حوالے سے مختصر بیان کریں۔

14. بعض لوگوں کا کہنا ہے مسئلۂ حاکمیت (حیاتِ انسانی کے جملہ معاملات کو مالکِ عرش کی جانب لوٹانا، اور اُس ایک ذات کے سوا اِس معاملہ میں کسی مرجع کو تسلیم نہ کرنا) مدنی سورتوں میں جاکر بیان ہونا شروع ہوا۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟ اس سلسلہ میں مکی ومدنی سورتوں کے اسلوب کا فرق واضح کریں۔

15. مسلم معاشرے میں منافقین تک لا الٰہ الا اللہ کے عملی تقاضوں سے جان نہ چھڑا سکتے تھے۔ ''قانونی ایمان'' کے حوالے سے اِس سے کیا چیز ثابت ہوئی؟

16. مرجئہ کا کہنا ہے احکامِ خداوندی پر عمل ایمان کے مسمیٰ (ایمان کی حقیقت) میں شامل نہیں بلکہ اس پر اضافہ ہے۔ آپ اِس معاملہ میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟

17. اہلسنت کہتے ہیں: مطالباتِ خداوندی پر عمل ''لا الٰہ الا اللہ پر ایمان رکھنے'' کے مفہوم ہی میں شامل ہے۔ تاہم اعمال میں اصول بھی ہیں اور فروع بھی۔ یعنی وہ اشیاء بھی ہیں جن کے ترک سے ایمان بالکلیہ چلا جائے گا اور وہ اشیاء بھی ہیں جن کے ترک سے ایمان ناقص اور داغدار ہو جائے گا۔ البتہ ''جنسِ عمل'' ہے ہر حال میں ''ایمان'' کا حصہ نہ کہ ''ایمان'' پر اضافہ۔ اہل سنت کے اس اہم ترین قاعدہ کی توضیح کیجئے۔

مرجئہ گمراہی: "لا إلٰہ پر ایمان"کا مطلب: بس اقرار اور تصدیق کردینا!

18. عقیدۂ اسلام کو لگنے والے ارجائی گھن کو سامنے رکھتے ہوئے: زمین میں رسولوں کی بعثت کا ہدف اور غایت بیان کیجئے۔

19. رسالتِ محمدی زمین پر آخری آسمانی مشن ہے، جس کے تقاضے پہلی رسالتوں سے بھی کچھ بڑھ کر ہیں۔ یہ تقاضے کیا ہیں اور عقیدۂ ارجاء کس طریقے سے انکو کالعدم کرڈالتا ہے؟

20. ایمان کے وہ کٹھن فرائض جو ہمیں قرآن اور سیرتِ صحابہ میں نظر آتے ہیں، صحابہؓ نے محض رضاکارانہ انجام دینا قبول کر لیے تھے، وہ صحابہ سے **لا الٰہ الا اللہ کا براہِ راست مطالبہ** نہ تھے۔ مرجئہ کے پیش کردہ اس اشکال کے جواب میں آپ کیا کہیں گے؟

21. ایک چیز پر آدمی کا ''ایمان'' ہو لیکن ظاہر میں اُس سے متعارض بعض تصرفات پائے جائیں۔ اِس حوالہ سے مرجئہ اور خوارج کا پیش کردہ تصور کیا ہے اور اِس معاملہ میں اہل سنت کا منہج وسط کیا ہے؟

22. ''ایمان'' اور ''خواہشاتِ حرام'' کے مابین نفسِ انسانی میں ایک دھینگا مشتی مسلسل چلتی ہے۔ مرجئہ اور خوارج کے برعکس اہلسنت اس معاملہ کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

23. ''خواہشات'' اور ''قیود'' نفسِ انسانی میں کیا کردار ادا کرتی ہیں؟ انکے مابین توازن ہی ''ایمان'' اور ''زمین میں انسان کی جانشینی'' کا حق ادا کرتا ہے۔ محمد قطب کے بیان کردہ اِس مبحث پر روشنی ڈالیے۔

24. ''گناہ'' کی بابت اسلام کا پیش کردہ تصور کیا ہے؟

25. ایک مسلم فرد یا مسلم معاشرے کے حق میں ''گناہ'' کی حدود کیا ہیں؟ اور ''استحلال'' (خدا کی نافرمانی کو آئینی حیثیت دینا) کیا ہے، اور یہ 'محض گناہ' سے کس طرح مختلف ہے؟

مرجئہ کے دلائل!

26. ''ایمان'' کی تعریف محض لغت کی بنیاد پر کرنا اور اس کے قرآنی و نبوی استعمالات نیز سلف کے بیان کردہ معانی کو در خورِ اعتناء نہ جاننا۔ اس منہج کے کیا نقصانات ہوئے اور ایسا کرنے والے کون ہیں؟

27. مرجئہ کا کہنا ہے: قرآن میں جابجا "عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" کا لفظ "آمَنُوْا" پر معطوف آتا ہے، جس کا مطلب ہوا کہ ''عملِ صالحات'' ''ایمان'' پر اضافہ ہے۔ لغت کی بنیاد پر اس کا کیا جواب ہے اور قرآنی مقامات سے اس کا رد کیونکر ہوتا ہے؟

28. اہلسنت کے نزدیک معصیت سے ایمان مکمل زائل نہیں ہوتا۔ مرجئہ نے کہا: پس ثابت ہوا عمل ایمان سے خارج کوئی چیز ہے ورنہ عمل کے چلے جانے سے ایمان بالکلیہ چلا جاتا۔ اہلسنت اسکا کیا جواب دیتے ہیں؟

29. عام معاصی اور نواقضِ لا الہ الا اللہ میں کیا فرق ہے؟

30. اسلام میں داخلہ کے لیے آدمی سے ''شہادتیں'' کے سوا کچھ طلب نہ کیا جاتا تھا، یہ کلمہ کی شروط اور تقاضے اور واجبات تم کہاں سے نکال لائے؟ اس طرزِ فکر کو آپ کیونکر خطاب کریں گے؟

31. لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے کا مطلب: ایک واضح دستور کو قبول کرنا، ایک معلوم ملت میں قدم رکھنا اور کچھ واضح معلوم ضابطوں کی پابندی اختیار کرنا ہے۔ مرجئہ اپنے 'بیانِ کلمہ' میں ان مطالب کو کس طرح گول کرتے ہیں؟ نیز ''معلوم من الدین بالضرورۃ'' سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجئے۔

32. مسلم معاشرے میں آدمی کو اسلام کا سرٹیفکیٹ کونسے ''ظاہر'' پر ملتا ہے اور کونسے ''ظاہر'' پر تلوار عمل میں آجاتی ہے؟

33. واقعۂ اسامہ بن زید سے مرجئہ جو اشکالات کھڑے کرتے ہیں ان کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

34. لونڈی کے واقعہ کے حوالہ سے مرجئہ کے پیدا کردہ اشکالات کا جوب دیجئے۔

35. من قال لا إله إلا الله دخل الجنة والی حدیث کے حوالے سے مرجئہ کے پیدا کردہ اشکالات خاصے معروف ہیں۔ اس کے جواب میں امام ابن قیم کی تقریر اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ نیز ''شفاعت'' کا اسلامی تصور بیان کریں۔

مرجئہ جدید کے ہاتھوں مفہومِ لاالٰہ کا مسخ

36. من قال لا إله إلا الله دخل الجنة والی حدیث کی جو تفسیر کچھ دیگر احادیث سے ہوتی ہے اس کی رُو سے: لا الٰہ الا اللہ کہنے کا مطلب ہی ''شرک سے اعلانِ دستبرداری'' ہے۔ اور یہاں سے مرجئہ جدید کی اٹھائی ہوئی ساری بنیاد ہی اللہ کے فضل سے ڈھ جاتی ہے۔ اس کی وضاحت کیجئے۔

37. {''شریعت کا انہدام'' زیادہ سے زیادہ ایک 'گناہ' ہے، اس سے آدمی کی 'کلمہ گوئی' پر کچھ حرف نہیں آتا اور اس کو ''شرک'' کہنا تو شدید انتہاپسندی ہے} مرجئہ جدید کے پھیلائے ہوئے یہ نظریات یہاں دو سو سال سے جاری استعماری تعلیم و ذہن سازی کا نتیجہ ہے۔ جبکہ ہمارے سلف کا دستور ہی نہیں ہماری تیرہ سو سال کی تاریخ اس سے اِبا کرتی ہے۔ اِس کایاپلٹ کی وضاحت کیجئے۔

38. ''سماجی معاملات کو شریعت کی طرف لوٹانا'' توحید کا اہم مبحث ہے؛ 'عقیدہ' اور 'عبادات' کی نسبت کیوں منافقین کو اسلام کا یہ پہلو زیادہ چبھتا رہا ہے؟

39. منافقین بھی شریعت سے فیصلے کرانے کے پابند تھے؛ فرق اتنا تھا کہ اہل ایمان یہ کام دل سے کرتے جبکہ منافقین اوپر اوپر سے۔ منافقین اگر ظاہر میں بھی شریعت سے فیصلے کرانے کے پابند نہ رہتے تو وہ منافق نہیں بلکہ مرتد شمار ہوتے۔ اس کی وضاحت کیجئے۔

40. شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنے کی حوالے سے 'کفر دون کفر' کی اصطلاح فقہائے اسلام کے ہاں اسلامی عدالتی پیراڈائم میں رہ کر وضع اور استعمال ہوئی۔ جبکہ مرجئہ جدید نے عین اسی چیز کو انگریز سے درآمد شدہ آئینی وعدالتی نظام کے پیراڈائم میں فٹ کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں کے مابین جو فرق ہے اس کی وضاحت کریں۔

41. مسلم معاشرہ بغیر شریعت اسی طرح ہے جس طرح مسلمان بغیر اسلام۔ مرجئہ جدید ہر دو کو 'سندِ اسلام' سے نوازرہے ہیں۔ ان کے اس 'تصورِ اسلام' کی کجی واضح کیجئے۔

"لاالٰہ الااللہ"کو بےجان کرنے والے کچھ دیگر عوامل

42. ان اہم اہم عوامل کا تذکرہ کیجئے جو تاریخ میں مسلم معاشروں کے اندر حقیقتِ لا الٰہ الا اللہ کو بے جان کر دینے کے پیچھے کار فرما رہے ہیں۔

ہمارا انحطاط: مطالباتِ لاالٰہ کو نظرانداز کرنے کا براہِ راست نتیجہ

43. لا الٰہ الا اللہ کے ''تقاضوں'' یا ''مطالبات'' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

استعمار... اور حقائقِ لاالٰہ الااللہ کا مسخ

44. استعمار کے ہاتھوں پروان چڑھنے والے تعلیمی وذہن سازی عمل نے مفاہیمِ لا الٰہ الا اللہ کی بیخ کنی کے لیے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟

ہمارا مسئلہ 'تکفیر وعدم تکفیر' سے بڑا ہے

45. کیا ایک مسلمان فرد یا مسلمان معاشرے میں جاہلیت کا کوئی شعبہ پایا جاسکتا ہے؟ وضاحت کریں۔

46. اہل سنت کے ہاں افراد پر حکم لگانے سے حتی المقدور گریز کیا جاتا ہے اور ایک مسئلے کی سنگینی زیادہ تر 'اصولی قواعد" کی صورت میں ہی بیان کی جاتی ہے۔ موجودہ صورتحال میں مطالباتِ لا الٰہ کے حوالے سے اس اصول کو واضح کریں۔

47. مطالباتِ لا الٰہ الا اللہ کے حوالے مصنف نے حالیہ مسلم معاشروں میں پائے جانے والے لوگوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ تین اصناف کیا ہیں؟

48. ایمان کی مطلوبہ سطح یہ نہیں کہ آپ 'کافر' قرار پانے سے بچ گئے۔ ایمان کے معاملے میں آپ نیچے کی بجائے اوپر کی طرف دیکھتے ہیں۔ تکفیری وارجائی افکار کو سامنے رکھتے ہوئے، یہاں پر کونسے رویے ہیں جن کی اس سلسلہ میں شدید ترویج ہونی چاہیے۔

لاالٰہ الااللہ... اور صورتِ موجودہ

49. "حواریون واصحاب" والی حدیث کی روشنی میں لا الٰہ الا اللہ پر ایمان کی کم از کم سطح کیا ہے، وضاحت کریں۔

حدیث میں مذکورہ قلبی مجاہدہ... اور ارجائی فکر

50. 'ہم دل سے تو برا جانتے ہیں نا"... امام غزالی نے اس "قلبی انکار" کے حوالہ سے حدیث کی روشنی میں ایک نہایت شاندار کسوٹی کی نشاندہی فرمائی ہے، حدیث میں بیان شدہ وہ کسوٹی کیا ہے؟

نکلنے کی راہ

51. 'معاشرے کا اصل بحران' تجویز کرنے کے موضوع پر... یہاں ایسے اذہان پائے جاتے ہیں جو "لا الٰہ الا اللہ سے متعلقہ شعور کی کمی اور عمل کی کجی" کی بجائے دیگر سیاسی وسماجی امور کو توجہ کا مرکز بنانے پر زور دیتے ہیں۔ اِس ذہن کو آپ کیسے خطاب کریں گے؟

52. قومی تعمیرِ نو کے حوالے سے... ہم موحدین قوم کے لیے "لا الہ الا اللہ کی تعلیم" روٹی اور ترقی کے 'متبادل' کے طور پر تجویز کرتے ہیں یا مسلم فرد اور معاشرے کی "بنیادی اہلیت" کے طور پر؟ اِس نہایت اہم فرق کی نشاندہی کریں

53. نام نہاد 'معروضیت پسند' اور 'عملیت پسند' طبقے جو مسلم اقوام کے احیاء کے لیے 'غیبیات' کو بنیاد بنانے کے مخالف ہیں اور محض 'سائنس وٹیکنالوجی' کی دہائیاں دیتے ہیں... ان کو آپ "تاریخِ امت کے ابتدائی ایام" سے کیونکر اسباق کشید کر کے دیں گے اور اُس حقیقی ترقی کا موازنہ یہاں کی دوسو سال سے جاری 'ہم مغرب سے پیچھے رہ گئے' تحریک کے ہاتھوں ہونے والی پیشرفت سے کس طرح کریں گے؟

"عبادت"

"أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ.. وَأَنِ اعْبُدُونِي"[1]

عبادت کا مفہوم جس بری طرح سکیڑ دیا گیا

دوسرا اسلامی مفہوم جو انحراف کا شکار ہوا... "عبادت" ہے۔

اِن آخری صدیوں تک آتے آتے جو مسلمان نسلیں پروان چڑھیں ان کے ہاں صرف "لا الٰہ الا اللہ" ہی نہیں "عبادت" کا مفہوم بھی بگڑ کر کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔

ذرا جائزہ لیجئے "عبادت" کا وہ گہرا اور جامع تصور کیا تھا جس نے قرونِ اولیٰ کے مسلمان ذہن کی تشکیل کی تھی، اور پھر ایک نظر دیکھئے کہ "عبادت" کا وہ بے جان مریل مفہوم کیا ہے جو روئے زمین پر آباد حالیہ مسلم نسلوں کے یہاں معروف ہے... اور پھر سوچئے کیوں "ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا"... کم از کم 'تعجب' کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی!

کہاں وہ عالم انسانیت کی قیادت وسیادت، اور کہاں اب یہ "خس وخاشاک"[2] جس کو قومیں پاؤں سے روندتی ہیں! محض ایک لذیذ دستر خوان، جس پر اقوامِ عالم مسلسل دعوتیں اڑا رہی

---

[1] [یس 60 - 61] ' 'یہ کہ مت پوجو شیطان کو، وہ ہے تمہارا کھلا دشمن.. اور یہ کہ پوجو تو صرف مجھے ہی"۔

[2] "خس وخاشاک" کی اصطلاح جس کا آپ اس کتاب، بلکہ محمد قطب کی بیشتر کتب، میں بکثرت تذکرہ دیکھتے ہیں، حدیث نبوی سے ماخوذ ہے (مقدمہ کتاب میں یہ حدیث بیان ہو چکی)، جس میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اُس دور کے مسلمانوں کو جب قومیں ان پر چڑھ دوڑیں گی غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ "سیلاب کی سطح پر اٹھ آئے خس وخاشاک" قرار دیتے ہیں۔ محمد قطب کا کہنا ہے کہ یہ "خس وخاشاک" باقاعدہ ایک وصف ہے، جو ایک انتہا درجے کے اعتقادی، فکری، نظریاتی، عملی، اخلاقی، تہذیبی، سماجی، ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، عسکری اور نفسیاتی بوداپن کی غمازی کرتا ہے۔ اور یہی وہ اصل چیز جس کا اس زمانے میں جب قومیں واقعتاً اس پر چڑھ دوڑی ہیں اور اُن کے مقابلے پر یہ کروڑوں پہ مشتمل مخلوق تنکوں کی طرح اڑی پھرتی ہے، درحقیقت علاج ہونا ہے؛ جس کا آغاز "مفہومات اور تصورات کی تبدیلی" سے ہونا ہے؛ اور یہی اس کتاب کا مرکزی خیال۔ (مترجم)

ہیں! جس طرح بھیڑیا ایک بے بس بھیڑ کو بھنبھوڑ تا ہے وہ حال آج ہمارا ان حملہ آور اقوام کے مقابلے پر ہے۔

تاہم یہ موازنہ (قرونِ اولیٰ میں "عبادت" کا مفہوم کیا تھا اور آج کیا ہو چکا) آپ کے لیے خود اِس دشت سے نکلنے کی راہ بھی متعین کر دیتا ہے...؛ یعنی اگر آپ کو اِس پاتال سے اٹھ کر دوبارہ بلندیوں کی سمت جانا ہے اور اِس 'خس و خاشاک' کی حالت سے رہائی پا کر اپنی وہی "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس" والی حیثیت بحال کرانی ہے تو اس کا عملی طریق کار بھی اِسی ایک موازنہ سے واضح ہو جاتا ہے۔

قرونِ اولیٰ کا مسلمان "عبادت" سے جو مفہوم لیتا تھا وہ یہ کہ: انسان کے پورے وجود کی غایت ہی یہ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات 56)

اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں

دورِ اول کا مسلمان اِس آیت سے ایک نہایت عالیشان، گہرا اور جامع مفہوم اخذ کرتا تھا۔ "عبادت" اُس کی نظر میں انسانی وجود کے جملہ جوانب کو محیط تھی۔ قرآن چونکہ اُس کی اپنی زبان میں اترا تھا؛ اور اس کے مطالب اُس کو بلا مشقت دستیاب اور اِس کے اسرارِ بلاغت اُس پر بے ساختہ عیاں تھے؛ لہٰذا یہ آیت اُس پر واضح کر رہی تھی کہ وجودِ انسانی کی کل غایت "عبادت" میں محصور ہے اور یہ کہ نشاطِ انسانی کا کوئی ایک بھی پہلو "عبادت" سے باہر نہیں۔ آیت میں پہلے نفی آتی ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ) اور پھر استثناء (إِلَّا لِيَعْبُدُونِ)۔ عربی زبان میں یہ حصر کے قوی ترین صیغوں میں سے ایک ہے۔ ایک طرف قطعی نفی اور دوسری جانب کامل حصر۔ یعنی بشر کا وجود "عبادتِ خداوندی" کے سوا کسی غایت کے لیے ہے ہی نہیں۔ اور یہ کہ وجودِ انسانی کی کل غایت ہے ہی "عبادتِ خداوندی"![3]

---

(3) بعض لوگ یہاں ایک بے مقصد بحث اٹھاتے ہیں اور وہ یہ کہ انسان پیدا ہوا ہے آزمائش کے لیے نہ کہ عبادت کے لیے، جس کی دلیل وہ اِن آیات سے دیتے ہیں: [إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ

اِس کے ساتھ، وہ خدا کی عظمت اور کبریائی سے آگاہ تھا؛ جس کا آپ سے آپ نتیجہ تھا کہ اُس کی شانِ الوہیت کے آگے اِس کی جانب سے صرف عبدیت کا اظہار ہو، اور یہ عبدیت زیادہ سے زیادہ سچی اور کھری صورت میں بر آمد ہو؛ یعنی خالص عبادت۔

اب ایسا شخص جو خدا کی سچی الوہیت سے واقف ہے، اس کے وجود سے صادر ہونے والی عبادت کچھ گنے چنے شعائرِ عبادت [4] میں مقید کیسے رہ سکتی ہے؟! بر خلاف آج کی مسلم نسلوں کے؛ جن کے ہاں "عبادت" چند مخصوص شکلوں اور صورتوں کے اندر مقید ہے!

پس یہ شعائر وہ "کل عبادت" کیسے ہو سکتے ہیں جو مخلوقِ انسانی سے روئے زمین پر مطلوب ہے؟ آیت کی رو سے اگر وجودِ انسانی کی کل غایت ہی عبادتِ خداوندی ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند شعائرِ عبادت میں وہ پوری "عبادت" بھگت جائے جو کہ در حقیقت اِس کے وجود کے انگ انگ سے کروائی جانا مقصود ہے؟!

الدھر: 2 "بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے تاکہ اُس کا امتحان لیں"] نیز [خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً سورة الملك : 2 "اُس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ آزمائے کون تم میں سے نیک عمل کرنے والا ہے"] نیز [إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً سورة الکھف: 7 "جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں ان میں کون نیک عمل کرنے والا ہے"] ظاہر ہے قرآن کا ایک حصہ قرآن کے دوسرے حصے کا تعارض نہیں کرتا بلکہ اُس کی تفسیر اور تفصیل کرتا ہے؟ لہٰذا اِن آیات میں ہر گز کوئی تعارض نہیں۔ "آزمائش" یہ اس پہلو سے ہے کہ زمین کو زیب و آرائش سے بھر دیا گیا اور پھر انسان کو اس کی رنگینیوں کے بیچ چھوڑ دیا گیا تاکہ آزمالیا جائے آیا یہ خدا کی عبادت کے دائرہ میں رہتا ہے؟ یعنی ان رنگینیوں اور نعمتوں سے مستفید ہونے میں خدا کی مقررہ حدود کا پابند اور اس میں اُس کی خوشنودی کا طلبگار رہتا ہے یا شیطان کی عبادت اور خدا کی حدود کو پامال کرنے لگتا ہے؟ پس یہ آزمائش "عبادت" ہی کی آزمائش ہے، اور جو کہ وجودِ انسانی کی اصلی اور کلی غایت ہے۔

[4] شعائرِ عبادت یعنی نماز، روزہ، حج، زکاۃ، عید، قربانی، تلاوت اور اذکار وغیرہ، جن کے لیے ہمارے یہاں "مراسمِ عبادت" یا rituals کا لفظ چلتا ہے۔ (مترجم)

یہ "شعائرِ عبادت" دن رات میں آپ کا کل کتنا وقت لے لیں گے؟ آپ کی عمر کا کتنا حصہ آخر "شعائرِ عبادت" میں گزر سکتا ہے؟

جبکہ باقی عمر؟ آپ کی باقی توانائی؟ بقیہ وقت؟ یہ سب کہاں جائے گا؟ کہاں خرچ ہو گا؟ "عبادت" میں صَرف ہو گا یا "غیر عبادت" میں؟ اور اگر "غیر عبادت" میں صرف ہو گا تو وجودِ انسانی کی وہ غایت کیونکر پوری ہوئی جو کہ -از روئے آیت- ہے ہی "عبادت" میں محصور؟ نیز انسان کے لیے یہ جائز کس طرح ہو گیا کہ وہ خود اپنے پاس سے اپنے وجود کے لیے - یا اپنے وجود کے کسی حصے کے لیے - کوئی ایسی غایت وضع کر لے جو خدا نے مقرر نہیں ٹھہرائی؟

'شعائرِ عبادت'... عبادت کی روح ہے، "کل عبادت" نہیں

سب سے پہلے... یہ بات انسان کی ساخت کے ہی منافی ہے کہ صرف "شعائرِ عبادت" ادا کر دینے کی صورت میں یہ اُس "عبادت" سے عہدہ برا ہو جائے جو اِس پر خدا کے حق میں واجب ٹھہرا رکھی گئی ہے...!

انسان فرشتہ نہیں... اور نہ کبھی یہ فرشتہ ہو سکتا ہے۔

ہاں فرشتے وہ مخلوق ہیں (ہمارے علم کی حد تک) جو ایک شفاف نور سے تخلیق ہوئی ہے اور جو مسلسل خدا کی تسبیح کیے جاتی ہے؛ ایک لمحہ رکنے کا نام نہیں لیتی (وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (الانبیاء 19-20) "اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے کنیاتے نہیں ہیں۔ رات دن (اُس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں (نہ تھکتے ہیں) نہ اکتاتے ہیں") ہاں فرشتے ضرور وہ مخلوق ہیں جو کبھی کسی معاملے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ (لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم 6) "جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اس کو بجالاتے ہیں")

رہا یہ انسان، جس کی تخلیق ہوئی بیک وقت ایک مشتِ خاک اور ایک نفخۂ روح سے، یعنی جس کے وجود میں ایک شفاف روح دوڑتی ہے تو ایک ثقیل جسم بھی پایا جاتا ہے جو کہ تکان اور

خواہشات کا محل ہے، اور جسے تھوڑی دیر بعد بھوک بھی لگتی ہے، پیاس بھی، اور نیند بھی آتی ہے، اور جس میں ایک عقل بھی فٹ ہے جو اس کے امورِ زندگی کے مادی و معنوی جوانب کی بابت سوچتی اور جہان بھر کے امور میں اِسے غور و فکر کر کے دیتی ہے... تو ایسی مخلوق ملائکہ کی طرز پر اللہ کی عبادت کر ہی نہیں سکتی۔ ملائکہ ضرور صبح شام خدا کی تسبیح کرتے ہیں؛ اس میں کوئی لمحہ بھر وقفہ کرتے ہیں اور نہ اپنے اس وظیفے سے کسی ایک لحظہ کے لیے غافل ہوتے ہیں۔ مگر اس انداز کی عبادت انسان کا بس نہیں۔

اگر خدا کی مشیئت یہ ہوتی کہ انسان ملائکہ کی طرح اُس کی عبادت کرے تو وہ خود ہی انسان کو ملائکہ جیسی صفت اور ہیئت دے دیتا؛ جس سے یہ صبح شام اُس کی تسبیح کرتا اور کوئی ایک لمحہ وقفہ نہ آنے دیتا۔ یعنی اُس صورت میں وہ انسان کو کسی اور ہی ساخت پر پیدا کرتا اور تب یہ انسان بلاتوقف ملائکہ کے انداز سے عبادت کیے جاتا اور اس سے تھمنے یا اکتانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان ہے کہ وہ کسی مخلوق کو اُس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہ ٹھہرائے، نیز وہ ہر مخلوق پر اُسی نوعیت کی عبادت فرض ٹھہرائے جو اُس کی ساخت اور ہیئت کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتی ہو اور جو اُس کی حدودِ استطاعت کے سو فیصد موافق ہو...

حق تو یہ ہے کہ یہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر ہر چیز اللہ رب العزت کی عبادت گزار ہے (ماسوائے نافرمان انس و جن)... یہ الگ بات کہ ہر چیز اپنے اُس خاص طریقے اور دستور سے جس پر اس کی ساخت ہوئی، اُس کی عبادت میں مگن ہے:

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (الاسراء 44-)

کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم انکی تسبیح سمجھتے نہیں

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ .. (الحج 18)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سربسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان

ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (حم السجدة 11)

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں

لیکن اللہ کی مشیئت ہوئی کہ وہ انسان کو ایک ایسی ہیئت پر پیدا کرے جو تمام موجودات میں منفرد ہو:

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلاً مَا تَشْكُرُونَ (السجدة 6-9)

وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، زبردست، اور رحیم۔ جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی۔ پھر اُس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔ پھر اس کو نِک سُک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دِل دیے تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو

چنانچہ اِس کو گوناگوں صلاحیتوں سے لیس کیا، اور اِسے علم کی وہ جہتیں نصیب فرمائیں جو زمین میں اِس کے کردار کے ساتھ باقاعدہ مناسبت رکھیں؛ البتہ کردار عین وہی جو اول اول اِس کی تخلیق کا عنوان ٹھہرا تھا:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرة 30)

ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرة 31) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے

پھر اِس کو خارج میں وہ سب سامان اور آلات فراہم کروائے جو اِس کے یہ کردار ادا کرنے میں مددگار ہوں:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ (الجاثیۃ13)

اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے

اور اس پورے انتظام کے ذریعے، اِس کو وہ امانت اٹھانے کے قابل بنایا جس کو اٹھانے کے سوال پر آسمان اور زمین کانپ کر رہ گئے تھے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ .. (الاحزاب72)

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا

جبکہ انسان اِس پورے عمل کے دوران، اور اس کے نتیجے میں، مسلسل ایک محنت اور مشقت سے بھی گزرتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ (البلد4)

بیشک ہم نے آدمی کو مشقت میں رہتا پیدا کیا

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحاً فَمُلاقِيهِ (الانشقاق6)

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف محنت کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملنے والا ہے

تب خدا نے اِس پر عبادت کی وہ صورت فرض کی جو اِس کی ساخت اور زمین میں اِس کے کردار کے لیے موزوں ترین ہو اور اِس کی گوناگوں قابلیتوں پر فٹ آئے۔ نیز اس عبادت کو اُس محنت اور مشقت سے ایک واسطہ ہو جو انسان کے وجود سے ہمیشہ کے لیے نتھی ہے۔ نیز یہ عبادت اِس کے طبائع کے ساتھ لگا کھاتی ہو (جن کے دم سے یہ مخلوق بقیہ کائنات سے ممتاز ٹھہرتی ہے)۔ نیز اس عبادت کا تعلق اُن سب میدانوں سے ہو جن میں یہ سرگرم ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتا ہے۔

پس یہ امانت جو اِس کو سونپی گئی، ایک ایسی عبادت ہے جو اِس کو کسی ایسی مشقت میں نہیں جھونکتی جو اِس کے نشاط کا میدان ہی نہ ہو اور نہ اِس کی ہمت سے بڑھ کر اِس پر کوئی بوجھ ڈالتی ہے۔ پھر یہ اس قدر گوناگوں صورتیں رکھتی ہے کہ اِس کے پورے وجود اور اِس کے نشاط کی ہر ہر جہت کو اپنے دائرۂ کار میں لے لیتی ہے؛ پھر اِس کی تمام عمر کو اپنی قید میں لے لیتی ہے۔ اِس کی زندگی کا ایک ایک شعبہ اور ایک ایک لمحہ "مکلف" کی ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ اِس کی زندگی کا کوئی ایک لمحہ، اِس کی محنت اور سرگرمی کا کوئی ایک میدان، یہاں تک کہ اِس کے باطن میں پائی جانے والی کوئی ایک سوچ اور خیال تک ایسا نہیں رہ جاتا جس پر "عبادت" کا وصف صادق نہ آسکے:

قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي **وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي** لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ .. (الانعام162-163)

کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ کوئی اس کا شریک ہے ہی نہیں۔۔

یہ ہے وہ "عبادت" جس کا انسان مکلف کیا گیا ہے۔ جس میں نماز اور مناسک بھی آتے ہیں (شعائرِ عبادت)، اور پوری زندگی بھی۔ قرونِ اولیٰ کا مسلمان "عبادت" کا یہی ایک معنیٰ جانتا تھا۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمان نے "عبادت" کو شعائرِ تعبُّد میں قید کبھی نہیں جانا۔ اُس نے کبھی یہ تصور نہیں رکھا کہ اُس کے وہ لمحات جو وہ "شعائرِ عبادت" میں صرف کر رہا ہے بس وہی "عبادت" کے لمحات ہیں اور باقی ماندہ زندگی "عبادت" سے خارج ہے! وہ سمجھتا تھا کہ زندگی ساری کی ساری "عبادت" ہے۔ ہاں وہ اشیاء جن کو وہ "شعائر" کہتا ہے وہ "عبادت" کے کچھ مرتکز لمحات ہیں جن کے دوران وہ اپنے روحانی قویٰ سے کام لے کر بندگی کے کچھ خاص معانی سے لبریز ہوتا ہے اور پھر اسی سے اپنی باقی ماندہ عبادت میں تقویت پاتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "عبادت" کی اِن مرتکز صورتوں کا خصوصی اہتمام کرتا، بعینہٖ جس طرح ایک مسافر اپنے سفر کے لیے زادِ راہ کا اہتمام کرتا ہے اور ان لمحات کو خصوصی توجہ دیتا ہے جن میں وہ اپنے زادِ سفر کا حصول یقینی بناتا ہے۔

رہ گئی حالتِ عبادت تو وہ "شعائر" کے اوقات میں قید نہیں:

الذین یَذْکُرُونَ اللّٰہَ قِیَاماً وَقُعُوداً وَعَلَی جُنُوبِھِمْ (آل عمران 191)

جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں

یہ "خدا کو یاد کرنا" البتہ زبان سے یا دل سے خدا کو یاد کرنے میں قید نہ تھا... اِس "یادِ خداوندی" کا ذریعہ اُن کا عمل، کردار، رویہ اور سرگرمی بھی تھی؛ جو کہ اُن کے وجود سے "عبادتِ خداوندی" کی ہی سپرٹ کے ساتھ صادر ہو رہی تھی۔

رہ گیا 'تسبیح کے دانے پھیرنے' والا ذکر تو وہ تو سرے سے اسلام کی نسلِ اول رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں...

رہ گیا 'گوشوں میں بیٹھ کر ہونے' والا ذکر، کہ جس میں انسان "اپنی دنیا سے غائب" اور "معاشرے سے منہا" ہو جاتا ہے اس زعم کے تحت کہ اس کو 'خدا کے ساتھ جڑنا' ہے، اور نتیجتاً وہ معاشرتی عمل کے منجدھار سے باہر ہو جاتا ہے... تو ایسا ذکر بھی اسلام کی اُس نسلِ اول رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں۔

اس گوشہ نشینی والے ذکر کا جب چند مسلمانوں کو خیال ہی آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک انداز میں ان کو ممانعت فرما دی، جیسا کہ صحیحین میں روایت ہے:

ذهب ثلاثة رهط إلى بيت من بيوت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فسألوا عن عبادته - صلى الله عليه وسلم - فلما أخبروا كأنهم تقالّوها . فقالوا : أين نحن من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وقد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر ؟ قال أحدهم : أما أنا فأصوم الدهر ولا أفطر ، وقال الآخر : أما أنا فأقوم الليل ولا أنام . وقال الثالث : أما أنا فلا أتزوج النساء . فلما سمع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال : أنتم الذين قلتم كذا وكذا ؟ أما والله إني لأخشاكم لله وأعبدكم له ولكني أصوم وأفطر ، وأقوم وأنام ، وأتزوج النساء ، فمن رغب عن سنتي فليس مني

تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہل خانہ کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (معمولاتِ) عبادت کی بابت دریافت کیا۔ جب ان کو بتا دیا گیا تو ان کو گویا وہ کم لگا۔ تب وہ

> کہنے لگے: کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ ﷺ، آپ کے تو سب اگلے پچھلے قصور ہی معاف ہیں۔ ان میں سے ایک بولا: میں تمام عمر روزے سے رہوں گا اور روزہ چھوڑنے کا نام نہ لوں گا۔ دوسرا بولا: میں نیند کیے بغیر پوری پوری رات قیام کروں گا۔ تیسرا بولا: میں شادی و خانہ داری کے قریب نہ جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: تم ہی ہو جو یہ اور یہ کہتے رہے؟ دیکھو اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں، مگر روزہ رکھتا بھی ہوں اور روزہ چھوڑتا بھی ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سو بھی لیتا ہوں، اور عورتوں کے ساتھ بیاہ میں ہوں، پس جو میرے دستور سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں

دورِ اول کے مسلمان کارزارِ حیات میں شریک رہتے ہوئے عبادت سے عہدہ بر آ ہو رہے ہوتے تھے۔ زندگی کے ہر ہر میدان میں "عبادت" کی کوئی نہ کوئی صورت ان کی منتظر ہوتی۔ "عبادت" – اپنے وسیع تر معنیٰ میں – تھی ہی وہ جو سرگرمیِ حیات کے جملہ میدانوں کے اندر انجام پاتی ہے۔ وہ خدا کو یاد کرتے تو یہ سوال ان کے سامنے آ کھڑا ہوتا کہ وہ جس موقع، جس صورت یا جس مقام پر ہیں کیا وہ خدا کو راضی کرنے کا موجب ہے یا خدا کو ناراض کرنے کا۔ اگر وہ خدا کو راضی کرنے والا ہوتا تو خدا کی حمد اور تعریف شروع ہو جاتی، اور اگر صورت دوسری ہوتی تو تائب ہونا، خدا کی جانب پلٹ آنا اور مغفرت کا سوال زبان پر لانا ہی ان کے لیے "ذکرِ خداوندی" ہوتا:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران 135-136)

> اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی مانگنے لگتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ

ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے۔

وہ خدا کو یاد کرتے تو یہ سوال ان کے سامنے آئے بغیر نہ رہتا کہ یہ لحظہ جو اُن کو اِس وقت درپیش ہے اس میں خدا اُن سے کیا چاہتا ہے؟یعنی اِس لمحے اور اِس حالت میں خدا کی جانب سے اُن پر کیا فرض عائد ہوتا ہے...؟

- اگر وہ فرض فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالآخِرَةِ[5] ہوتا تو ان کا وہی "ذکر" ان کو جہاد فی سبیل اللہ پر کھڑا کر دیتا۔
- اگر وہ فرض وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ[6] ہوتا تو ان کا وہی "ذکر" ان سے یہ فرض پورا کروا رہا ہوتا جو خدا نے ان کی جوروؤں کی بابت ان پر عائد کرر کھا ہے۔
- اگر وہ فرض قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً[7] ہوتا تو ان کا وہی "ذکر" ان کو اولاد و اہل خانہ کی تربیت پر کھڑا کر دیتا تاکہ انکا رویہ وسلوک خدائی ضابطوں کا پابند ہو جائے اور ان کے احساسات، افکار، نظریات اور اعمال میں خدا کو خوش کرنے والے رجحانات پیدا ہوں۔
- اگر وہ فرض فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ[8] ہوتا تو اسی ذکرِ خداوندی کا اقتضا ہوتا کہ وہ وسائل ارض کو مقاصدِ حق کے لیے تسخیر کریں اور حلال دائرے میں رہتے ہوئے جستجوئے رزق کا وہ اعلیٰ نقشہ پیش کریں جو (وَإِلَيْهِ النُّشُورُ) کا پابند ہو، یعنی حسابِ اخروی کو سامنے رکھتے ہوئے متاعِ ارضی کا وہ صالح ترین استعمال جس کی ایک ایک چیز میں حدودِ خداوندی کی پابندی بولتی ہو۔

---

(5) سورۃ النساء[74] "پس چاہیے کہ لڑیں خدا کے راستے میں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دینے والے ہیں"۔

(6) سورۃ النساء[19] "ان (بیویوں) کے ساتھ اچھی معاشرت رکھو"

(7) سورۃ التحریم[6] "بچاؤ اپنے نفسوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے"

(8) سورۃ الملک[15] "چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے"

اگر وہ فرض طلب العلم فریضة [9] ہوتا تو یہی ذکرِ خداندی ان کو جستجوئے علم کی طرف لے چلتا جس سے خدائی منہج کے مطابق تعمیرِ ارض ہو؛ چاہے وہ علمِ شرعی ہو جس کے ذریعے حلال اور حرام، مباح اور مندوب اور مکروہ کا علم حاصل ہوتا ہے، اور چاہے وہ علمِ تکوینی ہو جو کائنات میں پوشیدہ توانائیوں کا حصول ممکن بنائے اور زمین و آسمان میں مخفی قوتوں کو حق کے لیے تسخیر کروائے (وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِنْهُ [10] کا ایک عملی نتیجہ بنے)۔ یہ وہ تسخیر ہے جو ایک علمی جہد کی متقاضی ہے اور جس کے نتیجے میں دستیاب مادہ کے زیادہ سے زیادہ خواص آپ پر منکشف ہوتے ہیں اور کائنات میں دستیاب زیادہ سے زیادہ قوتیں اور توانائیاں آپ کے مقاصدِ حق کے لیے رام ہوتی ہیں۔ جس سے ایک جانب تمدن کے صالح اہداف پورے ہوتے ہیں اور دوسری جانب زمین میں وہ زینت اور جمال پرورش پاتا ہے جس کو خدا نے مخلوقِ انسانی کے لے مباح کر رکھا ہے۔

پچھلی فصل میں ہم ان آیات کا کچھ ذکر کر آئے ہیں جن میں وہ ایک خاص نقشہ بیان ہوا ہے جو "ذکرِ الٰہی میں محو" ہونے کے حوالے سے دورِ اول کے مسلمان کی ایک تصویر پیش کرتا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ

---

(9) أخرجه ابن ماجة "علم کی جستجو کرنا ایک فریضہ ہے"

(10) سورۃ الجاثیہ [13] "اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمان میں ہے اور زمین میں ہے، سب کچھ اپنے پاس سے"

مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَاباً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران 190-195)

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔ اے پروردگار جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے اے پروردگار ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔ اے پروردگار تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کیے ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجو کچھ شک نہیں کہ تو خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ تو ان کے پرردگار نے ان کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا تم ایک دوسرے کی جنس ہو تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے میں ان کے گناہ دور کردوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (یہ) خدا کے ہاں سے بدلہ ہے اور خدا کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔

ان آیات کی دلالت، جیسا کہ ہم نے وہاں پر واضح کیا، یہ تھی کہ... ان کا تفکر و تدبر، اور ان کا دعائیں اور التجائیں کرنا، اور ان کا خشوع و خضوع اور ان کی گریہ زاری خدا کے ہاں پذیرائی پا لیتی ہے، مگر کب؟ اُس وقت جب ان کا وہ تفکر، دعاء، خشوع اور گریہ ایک جیتے جاگتے عمل میں ڈھلتا ہے... ایک ایسے جیتے جاگتے عمل میں جو کارزارِ حیات پر براہِ راست اثر انداز ہو رہا تھا!

ایسی ہی ہدایات جن کو وہ کتاب اللہ میں جابجا پاتے، اور ایسی ہی تعلیمِ نبوی جو ان کو صبح شام ملتی، "مسلمان" کے تصورِ اسلام کی ساخت کر رہی تھی۔

چنانچہ اوائلِ اسلام کے مسلمان اور پھر اس سے متصل نسلوں کے مسلمان جانتے تھے کہ ان سے جو "عبادت" مطلوب ہے وہ محض "شعائرِ عبادت" میں قید نہیں، بلکہ اس سے نہایت وسیع تر اور جامع تر ایک حقیقت ہے...

ان کو یہ فہم حاصل تھا کہ "نماز و قربانی" (شعائر) محض وہ بیج ہے جس سے زمین میں "عبادت" کی ایک وسیع تر فصل حاصل کی جاتی ہے، البتہ "عبادت" بذاتِ خود وہ چیز ہے جو انسان کے پورے جیون کو محیط ہے، صرف جیون کو نہیں بلکہ انسان کے مرنے اور جان دینے تک کو (وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي)!

'مرنا' بذات خود "عبادت" کیسے ہو سکتا ہے؟! یعنی ایک ایسا فعل جس میں انسان کا اپنا کوئی اختیار ہی نہیں؟! اس فرمانِ خداوندی (وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) سے مراد دراصل یہ ہے کہ انسان مرے تو اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔ یہ انسان کے بوقتِ موت، حالتِ "عبادت" میں ہونے کی، کم از کم سطح ہے۔ جبکہ اس کی اعلیٰ ترین سطح یہ ہے کہ انسان کا مرنا شہادت فی سبیل اللہ ہو یعنی خدا سے وابستگی کی وہ جیتی اور بولتی شہادت جو انسان اپنی جان قربان کر دینے کی صورت میں پیش کرتا ہے... اور ایسی موت "عبادت" کی معراج ہے...

یہ ہے وہ منہج جس پر آنے سے "عبادت" کا وسیع تر معنیٰ تشکیل پاتا ہے؛ جس کی رو سے انسان کا جینا اور مرنا سب کچھ "عبادت" ٹھہرتا ہے۔ صرف اِسی صورت میں انسان کے وجود میں آنے کی غایت ممکنہ حد تک پوری ہوتی ہے۔

البتہ دورِ حاضر کا مسلمان "عبادت" کا جو مطلب لیتا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے!

دورِ حاضر کا مسلمان "عبادت" کے حوالے سے کچھ "شعائرِ تعبُّد" سے ہی واقف ہے؛ اور یہی اس کے خیال میں کل عبادت! اگر وہ یہ ادا کر رہا ہے تو باقی کیا ہے جو "عبادت" کے نام پر اس سے طلب کیا جائے؟!

لیکن اسلامی مفہومات کے لیے ہمارا مرجع خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے، نیز کتاب اور سنت کی وہ عملی تصویر جو اسلام کی نسل اول رضی اللہ عنہم کے ہاں ملتی ہے، اور جس کے "خیر القرون" ہونے کی شہادت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک سے ملی ہے:

خيركم قرني ، ثم الذي يليه (أخرجه الشيخان)

سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، ان کے بعد اس سے متصل زمانے کے لوگ

یہ ہے ہمارا مرجع اور حوالہ...، نہ کہ وہ انحراف اور وہ قصورِ فہم جو ایک طویل تاریخی عمل کے نتیجے میں مسلم نسلوں کے ہاں پروان چڑھتا رہا۔

ویسے یہ انحراف اور یہ قصورِ فہم جو صدیاں گزر جانے کے بعد ایک قوم میں پرورش پا گیا ہو، انسانی طبائع کے حوالے سے باعثِ تعجب نہیں:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْماً (طہ115)

اور بیشک ہم نے آدم کو اس سے پہلے عہد سونپا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

باعثِ تعجب البتہ یہ ہے کہ غربت اور انحطاط کے اِس گئے گزرے دور میں... اذہان جس "اسلام" کو پہچانتے ہیں ہم اُسی کو "اصل" سمجھ بیٹھیں! یعنی "اسلام" کا صحیح تصور وہ نہیں جس سے عہدِ اول کا مسلمان واقف تھا بلکہ وہ ہے جس سے آج کا مسلمان واقف ہے! بلکہ جو شخص ہمیں "اسلام" کی وہ اصل تصویر دکھانے کی کوشش کرے، اور جو کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ؐ اور سیرتِ سلف سے بہر حال عیاں ہے، الٹا اُس شخص کو ہی غلو اور انتہا پسندی کے طعنے دیں، البتہ اپنے تصورات کی تصحیح کرنے سے انکاری رہیں!

یہ ہے "عبادت" جو کتاب اور سنت میں وارد ہوئی

کتابِ منزل میں وارد ہوتا ہے کہ انسان نامی اِس مخلوق کے وجود میں آنے کا کوئی مقصد ہی نہیں سوائے یہ کہ اللہ کی عبادت کرے: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات56) "اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں")

اور اب وہ ہستی اپنی اِس مخلوق کو احکامات صادر کرتی ہے:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء36)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعاً بَصِيراً يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (النساء58-59)

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں[11] اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً (النساء74)

---

(11) اور اِن "امانات" میں سر فہرست اللہ واحد قہار کے لیے اپنی عبودیت کا اقرار ہے؛ جس میں اللہ کی وحدانیت کا اعتراف بھی آتا ہے، اُس ایک کے لیے شعائرِ عبادت کی ادائیگی بھی، اور جملہ امورِ زندگی میں اُس کی شریعت کی تحکیم بھی۔

پس چاہئے کہ جنگ کریں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ چکے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہوئے کوئی شخص مارا جائے یا جیت پائے، ہم عنقریب اس کو بہت بڑا ثواب عنایت فرمانے والے ہیں

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لا تُظْلَمُونَ (الانفال 60)

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دُوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً (النساء 19)

ان (اپنی بیویوں) کے ساتھ اچھے طریقے سے بودوباش رکھو، گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو، اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ .. (الملک 15)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمن 9)

انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو

غرض ایسے ہی بیسیوں فرائض؛ کہیں سیاسی تو کہیں سماجی، تو کہیں اقتصادی، تو کہیں فکری وروحانی واعتقادی تو کہیں اخلاقی...

اور پھر اُس کا رسول اِس کو احکامات دیتا ہے:

طلب العلم فريضة .. (أخرجه ابن ماجه)

جستجوئے علم ایک فریضہ ہے

إن الله كتب الإحسان **على كل شيء** . فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة ، وليحد أحدكم شفرته ، وليرح ذبيحته (أخرجه مسلم وأبو داود والنسائي وابن ماجه)

اللہ نے **ہر چیز میں** احسان فرض کر رکھا ہے۔ پس جب تم قتل بھی کرو تو احسان سے۔ اور ذبح کرو تو بھی احسان سے، اور چاہیئے کہ آدمی اپنی چھری تیکھی کر لے، اور جانور کو ذبح کرتے وقت راحت پہنچائے۔

اجتنبوا السبع الموبقات . قيل : يا رسول الله وما هن ؟ قال : الشرك بالله ، والسحر ، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق ، وأكل الربا ، وأكل مال اليتيم ، والتولي يوم الزحف ، وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات (أخرجه مسلم)

سات تباہیوں سے بچو۔ عرض کی گئی: وہ کیا ہیں اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک۔ جادو۔ ناحق قتل۔ سوائے وہ جو از روئے شریعت درست ہو، سود خوری۔ یتیم کا مال کھانا۔ جہاد میں مڈ بھیڑ کے روز پشت دکھانا۔ پاکدامن بے خبر مسلم خواتین پر تہمتیں لگانا۔

إذا أكل أحدكم فليأكل بيمينه ، وإذا شرب فليشرب بيمينه ، فإن الشيطان يأكل بشماله ويشرب بشماله (أخرجه مسلم)

تم میں سے جب کوئی شخص کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے، پیے تو داہنے ہاتھ سے؛ کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

يا غلام : سَمِّ الله ، وكل بيمينك ، وكل مما يليك (أخرجه مسلم)

برخوردار! بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے آگے سے کھاؤ

أمرنا رسول الله بسبع ونهانا عن سبع . أمرنا بعيادة المريض ، واتباع الجنائز ، وتشميت العاطس ، وإبرار القسم أو المقسم ، ونصر المظلوم ، وإجابة الداعي ، وإفشاء السلام ، ونهانا عن خواتيم أو تختم بالذهب ، وعن شرب بالفضة وعن المياثر ، وعن القسى ، وعن لبس الحرير والإستبرق والديباج (أخرجه مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم فرمایا اور سات باتوں سے ممانعت۔ ہمیں فرمایا کہ مریض کی عیادت کریں۔ جنائز کے پیچھے چلیں۔ چھینک لینے والے کو یرحمک اللہ کہیں۔ کوئی قسم ڈال دیں تو اس کی لاج رکھیں۔ مظلوم کی نصرت کریں۔ دعوت قبول کریں۔ اور سلام کو عام کریں۔ اور ممانعت فرمائی سونے کی انگوٹھی سے۔ چاندی کے برتن میں پینے سے۔ نیز رشمی گدیوں سے، اور ریشم سے خواہ وہ قسی ہو یا حریر یا استبرق یا دیباج۔

ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب ، يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ، ويفعلون ما لا يؤمرون . فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن . ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن . ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن . وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل (أخرجه مسلم)

جو بھی نبی اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا، امت میں سے اُس کے اصحاب اور حواری ہوتے رہے، جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے دستور کی اقتدا کرتے۔ پھر یوں ہوتا کہ ان کے بعد ناخلف لوگ آجاتے، وہ کہتے جو وہ کرتے نہ تھے، اور وہ کرتے جن کا اُن کو حکم نہ تھا۔ پس جو ان کے ساتھ جہاد کرے ہاتھ کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو ان کے ساتھ جہاد کرے زبان کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو اُن کے ساتھ جہاد کرے دل کے ساتھ وہ ایمان مومن ہوا، اور اس سے کم رائی برابر ایمان بھی نہیں رہتا۔

غرض اسی طرح کے بیسیوں فرائض: کہیں سیاسی تو کہیں سماجی، تو کہیں اقتصادی، تو کہیں فکری و روحانی و اعتقادی تو کہیں اخلاقی...

اب یہ جو فرائض بیان ہوئے... تو آخر یہ اُس "عبادت" میں کہاں فٹ ہوئے، جس کی بابت اُس کی کتاب نے پورے حصر کے ساتھ کہا کہ انسان کے وجود میں آنے کی غایت ہی صرف یہ ہے؟

یہ سب فرائض اُس "عبادت" میں داخل ہیں یا اُس سے خارج؟

اگر یہ اُس سے خارج ہیں تو اُس آیت کو کیونکر سمجھا جائے گا جو واضح طور پر بتاتی ہے کہ انسان کے وجود میں آنے کا مقصد سوائے "عبادت" کے کچھ ہے ہی نہیں؟

یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ ''عبادت'' جس کے لیے انسان وجود میں آیا 'شعائرِ عبادت' پر ختم ہو جاتی ہو، جیسا کہ زمانۂ آخر کی مسلمان نسلیں سمجھ بیٹھی ہیں۔ ضرور ''عبادت'' کا اس سے وسیع تر کوئی معنٰی ہونا چاہیے جو انسان کا پورا وجود اپنے احاطے میں لے سکے۔ اور یہ عین وہ چیز ہے جو قرآن مجید کے اِس مقام پر بیان ہوئی:

قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي **وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي** لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ .. (الانعام162-163)

کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، **میرا جینا اور میرا مرنا**، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ کوئی اس کا شریک ہے ہی نہیں۔۔

اِن دو آیات میں روئے خطاب رسول اللہ ﷺ کی طرف ضرور ہے مگر وہ بیک وقت آپؐ کی پوری امت کی طرف بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ خاص ہے تو وہ اس حوالے سے کہ آپؐ کو ''اول المسلمین'' ہو کر دکھانا تھا نہ کہ اس معنٰی میں کہ وہ حکم ہی آپؐ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ خاص ہے۔ یہ حکم بذاتِ خود البتہ ہر ''مسلم'' کے لیے ہے جو شہادت دے کہ ''نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ اور یہ کہ محمدؐ مبعوثِ خداوندی ہیں''۔

قرنِ اول کا مسلمان ''عبادت'' کا یہی معنٰی لیتا تھا!

وہ جس وقت جہاد میں ہوتا وہ اپنے آپ کو اُسی طرح ''عبادت'' میں سمجھتا جس طرح کہ نماز میں۔ وہ بھی عبادت۔ یہ بھی عبادت۔ نہ یہ اُس سے کفایت کرے اور نہ وہ اِس سے۔ کیونکہ ان ہر دو میں سے کوئی ایک، ''عبادت'' کا وہ پورا معنٰی دیتی ہی نہیں جو کہ خدا کا مقصود اور مراد ہے۔

اُس کا شادی خانہ آبادی کی طرف رخ کرنا عبادت تھا۔ کیونکہ اپنے نفس کو عفت اور پاکیزگی دلانا اور بے حیائی سے دور رکھنا خدا کی پسندیدہ حالت میں رہنا تھا۔ نیز وہ اس ذریعہ سے مسلم مجاہد امت کی بڑھوتری کرتا ہے، جو کرۂ ارض سے شرک کی بیخ کنی کرتی ہے اور زمانے میں خدا کی توحید اور اس کی شریعت کے ڈنکے بجاتی ہے۔ یوں خانگی زندگی اُس کے لیے عبادت تھی؛ اور ''عبادت'' کا یہ معنٰی عین اُس وقت بھی متاثر نہیں ہوتا جب اِس عمل سے وہ محض ایک جسمانی

لطف لیتا ہے۔ اسی معنیٰ کو نفوس میں پختہ کرنے کے لیے ہی رسول اللہ ﷺ اس کو باقاعدہ بیان کرکے دیتے ہیں(وفي بُضع أحدكم صدقة ''آدمی کا(بیوی کے ساتھ)ہم بستری کرنا نیکی ہے'') جب بظاہر یہ بات ان کو عجیب لگتی ہے(يا رسول الله أيأتي أحدُنا شهوتَه و يكون له فيها أجر ؟! ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی آدمی اپنی شہوت پوری کرتا ہے اور اس پر اس کا اجر بن جاتا ہے ؟!'')تو وہ معلمِ بے مثال ﷺ اُن پر واضح فرماتا ہے:(أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه فيها وزر؟ فكذلك إذا وضعها في الحلال كان له أجر (أخرجه مسلم) ''تم دیکھتے نہیں، اگر وہ یہ کام حرام میں کرے تو اِس پر اُسے گناہ ہو گا؟ تو اسی طرح جب وہ یہ کام حلال میں کرے تو اس پر اُس کو اجر ہو گا'')۔ جی ہاں معمول کا جسمانی نشاط–اسلام میں– ''عبادت'' کا درجہ پاتا ہے! اصل چیز یہ ہے کہ مقصود اللہ کا چہرہ پانا ہو نیز اُس کے اوامر کی پابندی ہو (جو کہ عبادت کی اصل ہے)، اس فریم میں رہتے ہوئے انسان کی جملہ سرگرمی عبادت ہے؛ حتی کہ اس کا لطف و مزہ بھی!

اسی طرح جب وہ طلبِ رزق کے لیے سرگرم ہوتا، یا علم کی جستجو کرتا، یا تعمیرِ ارض سے متعلقہ امور انجام دیتا، یا اپنے جسم، یا دماغ یا روح کی ضرورت کی کسی سرگرمی میں مشغول ہوتا... تو وہ سب ''عبادت'' ہوتی۔ وہ اس کو حقیقتاً عبادت سمجھتا نہ کہ مجازاً۔ یہاں بھی وہ اسی اخلاص کے ساتھ چلتا جو اخلاص وہ اپنی نماز کے لیے رکھتا۔

تو پھر ایسی امت ہر ہر شعبے اور ہر ہر میدان میں معجزے کیوں نہ کرتی؟!

پورے روئے زمین پر شرک کے قلعے لرزا کر رکھ دینا اور کرۂ ارض کا ایک بڑا حصہ شرک سے پاک کر دینا کوئی آسان کام نہیں تھا! جہان میں ایسی ایسی اعلیٰ قدروں کا فروغ، عدل اور انصاف کی ایسی بے مثال فراوانی، اخلاق اور رویوں کی یہ ناقابل بیان پاکیزگی، ایفائے عہد، جرأت اور دلیری کے وہ حیرت انگیز جوہر جن کا ظہور کسی وقت حالتِ جنگ میں موقوف ہوتا تھا اور نہ حالتِ امن میں...

نیز وہ علمی و سائنسی انقلاب جو اس تحریک کے ہاتھوں عالم میں برپا ہوا اور وہ تہذیبی و تمدنی پیشرفت جو ان کے دم سے دنیا کو دیکھنا نصیب ہوئی...

یہ سب معجزے یوں نہ ہوتے، حتی کہ ان کا ایک حصہ روپذیر نہ ہوتا... اگر یہ احساس ان کے وجود میں سرایت نہ کرچکا ہوتا کہ ان سب معاملات میں پورا اترتے ہوئے وہ اُس ''عبادت'' سے عہدہ برا ہورہے ہیں جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اس سرگرمیِ حیات کے لیے ان کے ہاں وہی اخلاص پایا گیا جو اُن کے ہاں ''نماز'' کے لیے پایا گیا۔

عبادت 'نماز' سے نہیں ''توحید'' سے شروع ہوتی ہے

تو پھر انسان کو کس انداز سے خدا کی عبادت کرنی چاہیے، تاکہ یہ اپنے وجود کی غایت سے عہدہ برا تصور ہو؟

ابتداء اِس بات سے کہ یہ پروردگار کی یکتائی کرے...

یعنی اس بات کا اقرار کہ ''نہیں کوئی الٰہ مگر اللہ'' جو کہ یکتا ہے اپنے پروردگار ہونے میں، اپنے لائق عبادت ہونے میں، اور اپنے جمیع اسماء وصفات اور اپنے افعال میں:

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (محمد19)

توخوب جان لو اس بات کی حقیقت کہ نہیں کوئی الٰہ مگر اللہ

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً (النساء36)

عبادت اختیار کرلو اللہ کی، اور نہ شریک کرو اس کے ساتھ کچھ

اب یہ ''عبادت اختیار کرلینا'' - جیسا کہ ہم پچھلی فصل میں بیان کر آئے - کچھ معیّن تقاضے رکھتا ہے... جو اگر پورے نہ ہوں تو یہ ''عبادت اختیار کرلینا'' شدید حد تک بے معنیٰ ہے۔ ''اللہ واحد لاشریک کی عبادت اختیار کرلینا'' کوئی لفظ بہر حال نہیں جسے آپ زبان سے ادا کر کے مطمئن ہو جائیں کہ ایک 'خانہ' تھا سو پُر ہوا؛ گو ارجائی فکر یہی تاثر دیتا ہے کہ محض ایک لفظ بول دینے سے یہ کام ہو جاتا ہے! البتہ کتاب اللہ سے یا سنتِ رسول اللہؐ سے اس پر کوئی سند نہیں پائی جاتی۔

"اللہ کی عبادت اختیار کرلینا" کا اقتضاء– جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا – پورا اسلام ہے! ہاں ان سب تقاضوں کی پابندی ایک درجے میں نہیں: ان میں کچھ کا تعلق اصلِ ایمان سے ہے؛ مانند اللہ کی وحدانیت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ہونے دینا، شعائرِ عبادت کو تنہا اُسی کے لیے مخصوص کر رکھنا، اور اُس ایک کی شریعت کی تحکیم کرنا۔ ۔ ۔ یہ وہ تقاضے ہیں جن کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی مومن ہی نہیں رہتا۔ پھر ان میں سے کچھ کا تعلق کمالِ ایمان سے ہے (نہ کہ اصلِ ایمان سے)؛ مانند اخلاقیاتِ لا الٰہ الا اللہ نیز وہ سب باقی ماندہ فرائضِ دین جو خدا نے انسان پر عائد کر رکھے ہیں۔ یہ وہ تقاضے ہیں جن کے بغیر آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔

یہ ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت اختیار کرنا، یعنی لا الٰہ الا اللہ کا اقرار۔ اس میں خدا کی جانب سے نازل ہونے والی ہر چیز کا اقرار اور پابندی آپ سے آپ شامل ہے۔ شعائرِ عبادت پر عمل کا درجہ اس کے بعد آتا ہے۔

بلاشبہ اسلام نے شعائرِ عبادت کو حد سے بڑھ کر اہمیت دی ہے، جس کی حکمت آپ سے آپ واضح ہے۔ قلوب کو خدا کی بارگاہ میں جھکائے رکھنا اور خدا کے ساتھ قلوب کے اس رشتے کو تازہ کرتے چلے جانا، یہ کام آپ کو شعائرِ عبادت ہی کر کے دے سکتے ہیں۔ "شعائر" ایک طرح سے شاہراہِ عبادت پر پائے جانے والی وہ منازل ہیں جہاں سے انسان زادِ راہ لیتا اور اپنی تازگی بحال کرتا ہوا اپنی حتمی منزل کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔

"شعائر" کو اسلام نے جو یہ اہمیت دی، وہ مسلمانوں کی نظر سے کبھی اوجھل نہیں رہی۔ شعائر کا اہتمام اور ان کی مرکزیت، اعمالِ دین میں ہمیشہ سرفہرست رہی۔

تاہم **"شعائر" کو حاصل یہ مرکزیت** دورِ آخر کی مسلم نسلوں کے ہاں کچھ غلطی ہائے مضامین کا شکار ہو گئی۔ یہ اغلاط ان کے تصور اور سلوک ہر دو میں جگہ پاتی چلی گئیں...

پہلی غلطی جو کہ ان میں سب سے سنگین رہی، یہ تھی کہ "عبادت" کو "شعائرِ عبادت" میں محصور جان لیا گیا: لہٰذا جو شخص شعائرِ عبادت ادا کرتا ہے وہ خدا کی مطلوبہ کل عبادت ادا کر رہا ہے! کچھ مزید "عبادت" کرنی ہے تو بھی اس کا میدان یہ "شعائر" ہی ہیں!

یہاں تک کہ خود لا الٰہ الا اللہ – اپنے تمام اعتقادی و سلوکی تقاضوں سمیت – عبادت کے دائرہ سے باہر ہو گیا! چنانچہ عام آدمی کا ذہن پڑھیں تو "عبادت" نماز سے شروع ہوتی ہے نہ کہ لا الٰہ الا اللہ سے!

عہدِ اول میں اگر کوئی فرق تھا تو وہ محض اصطلاحی حوالے سے تھا۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کو وہاں "عقیدہ" کے تحت بیان کر دیا جاتا تھا (اور جو کہ "عبادت" میں سرفہرست ہے)، جبکہ شعائر کو "عبادات" کے تحت بیان کر دیا جاتا تھا۔ جبکہ روزمرہ امورِ زندگی کو (حالانکہ ہیں وہ بھی "عبادت" ہی کی ایک صورت) "معاملات" کے تحت ذکر کر دیا جاتا۔ گو عوام کے حق میں یہ اصطلاحی فرق بعد ازاں کچھ سنگین مسائل پیدا کر دینے کا موجب ہوا۔ پھر جب ارجائی فکر نے ظہور کیا تو اُس نے عقیدۂ توحید ہی کو سکیڑ کر رکھ دیا، اور اس کلمہ کا کل مواد اس کے اندر سے نکال کر اسے ایک کھوکھلا لفظ بنا ڈالا، کہ بس یہ ایک عبارت ہے جس کی "تصدیق" کر دینا اخروی نجات کے لیے اور "زبانی اقرار" کر لینا دنیوی نجات کے لیے نہایت کافی ہے۔ یہاں سے "عقیدہ" ایک "عبارت" بنی اور اس کے اندر سے "عبادت" کے سب معانی روپوش ہوئے۔ اب یہ "لا الٰہ الا اللہ" خواہ کیسی ہی خوش الحانی سے ادا کر لیا جائے اُس "عبادت" کے معانی ادا کرنے سے قاصر ہو گیا جو انسان کے وجود کی کل غایت ہے۔ اب البتہ یہ ممکن نہ تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کی تفسیر (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) کے الفاظ سے کی جائے۔

"عقیدہ" اور "عبادات" میں تمیز.. ویسے یہ سنگین مسئلہ نہیں محض اصطلاح کا فرق ہے؛ ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان اسلام کے رکن اول سے غافل ہو جائے! لیکن دورِ حاضر کے مسلمان کو دیکھیے تو یہ مسئلہ ناقابل تصور حد تک سنگین ہے۔ . .

آج کے مسلمان کے ہاں "عبادت" نماز سے شروع ہوتی ہے نہ کہ لا الٰہ الا اللہ سے، تو اس کی عین یہی وجہ ہے۔ بلکہ... یہ "عبادت" اس کے تصور میں نماز سے شروع ہوتی ہے تو روزہ، زکاۃ، حج اور کچھ ذکر اذکار پر ختم بھی ہو جاتی ہے! "عبادت" کی ابتداء اللہ وحدہٗ لا شریک کے لیے اپنی عبدیت کے اقرار اور اظہار سے نہیں ہوتی! شرک کی نفی کرنے سے نہیں ہوتی! ہاں تو پھر 'نماز

روزہ' پایا جاتا ہے تو "عبادت" میں کیا خلل ہے اگر چہ آدمی شریعتِ غیر اللہ کی تحکیم پر ہی راضی برضا کیوں نہ ہو؟! آج کون ہے جو یہ مان کر دے کہ خدا کی شریعت کو دستور ٹھہرانے کا "ایمان" سے کوئی تعلق ہے یا "عبادت" سے کوئی رشتہ ہے؟! بھائی عبادت اور چیز ہے اور یہ سیاسی معاملات اور چیز، رسول اللہ ﷺ نے تو یہ تک فرمادیا کہ (إذا رأيتم الرجل يعتاد المساجد فاشهدوا له بالإيمان[12] "جب تم دیکھو کہ مساجد میں آنا آدمی کی روٹین ہے تو اس کے حق میں ایمان کی شہادت دے ڈالو")؟ دیکھتے نہیں، مساجد کی روٹین پر ایمان کی شہادت دلوائی جارہی ہے، ایمان کی شہادت دلوانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بھلا کسی حدیث میں تحکیمِ شریعت کی بات کی ہے؟!!

رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک بات سچ ہے۔ تاہم "ایمان" کے موضوع پر آپ ﷺ کی صرف ایک بات کو سامنے رکھنا اور ایمان کی حقیقت و نواقض کے حوالے سے آپ ﷺ کی تمام باتوں کو ایک ساتھ نہ لینا صائب منہج نہیں۔ اِسی مثال ہی کو لے لیں؛ کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے حق میں بھی مسجد کو روٹین بنالینے پر ایمان کی شہادت دلوائیں جو ابھی شرکِ صریح میں پڑا ہوا ہو اور لا الٰہ الا اللہ کو اساس سے ہی منہدم کر رہا ہو؟ مسجد میں آنے پر ایمان کی شہادت کیا اُس شخص کے حق میں بھی جس نے شرک کر لینے کی صورت میں ایمان کی جڑ پر ہی آرا چلا دیا ہو؟! کیا خود اس حقیقت ہی کو تسلیم کرنا اور اس کا پابند رہنا کہ "نہیں کوئی عبادت و بندگی کے لائق مگر اللہ" — اور جس کے واضح ترین تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کی شریعت ہی آدمی کا دستور ہو اور اللہ کی شریعت کے سوا آدمی کا کوئی دستور نہ ہو — ایمان معتبر ہونے کے لیے شرطِ لازم نہیں؟ اور کیا توحید کو اِس انداز میں یقینی بنا رکھنا مساجد کو روٹین بنانے پر مقدم نہیں؟! اور جب یہ چیز (شریعت کی تحکیم) معلوم من الدین بالضرورۃ ہے (دین کی وہ بات جو ہر کس و ناکس کو معلوم ہونا ضروری ہو) اور قرآن کی محکم آیات اور نبی ﷺ کے بیّن ارشادات سے ثابت ہے، تو اس کا الگ سے ذکر ہونا کیا ضروری ہے؟

---

[12] ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور دارمی میں روایت ہوئی۔ اس حدیث کے بارے میں محدث البانیؒ کہتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے سب طرق ایسے ہی (ضعیف) ہیں: (ضعيف الجامع الصغير " 1 / 184)

محض مسجد کی روٹین پر آدمی کے لیے ایمان کی شہادت دے ڈالنا ضروری ہے، اگرچہ وہ ایمان کی بنیادوں کو کیسے ہی ملیامیٹ کیوں نہ کرتا ہو!... تو کتنے لوگ ایسے تھے جن کے ادائے زکاۃ سے دست کش ہو جانے پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر ڈالا تھا؟ اُن کے ہاں 'مساجد کی روٹین' بگڑنا تو کہیں مذکور نہیں! پھر ان کے حق میں ایمان کی شہادت کیوں نہ دے ڈالی گئی؟ ان 'نمازیوں' کے خلاف قتال ہی ہوا، جنگ کے طبل ہی بجائے گئے، اس وجہ سے کہ انہوں نے احکامِ خداوندی میں سے محض ایک حکم سے اعراض کر لیا تھا، باوجود اس کے کہ بقیہ احکامِ شریعت کے وہ بدستور اقراری تھے بلکہ پابند بھی۔ تو پھر ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اللہ کی پوری شریعت سے اعراض کیے بیٹھا ہو اور اللہ کی شریعت کے ماسوا کسی اور شریعت کو ہی اپنا دستور بنا چکا ہو اور اسی پر راضی برضا ہو؟!

یہ واضح کرتے چلیں کہ **غیر اللہ کی شریعت کی تحکیم کے مسئلے پر آج لوگوں میں جو لاعلمی پائی جا رہی ہے اس کی بنا پر کس کا عذر بنتا ہے اور کس کا عذر نہیں بنتا، یہاں یہ ہمارا موضوعِ بحث نہیں**۔ لوگوں پر کوئی حکم لگانا سرے سے ہمارے پیش نظر نہیں؛ یہاں جو بات ہو رہی ہے وہ صرف ایک اصولی امر ہے کہ: غیر اللہ کی شریعت کی جانب تحاکم کرنا بحالتِ رضا وارادہ موجب کفر ہے، یعنی ارتداد؛ جو کہ اصلِ ایمان ہی کو ختم کر ڈالتا ہے۔ پس ہماری یہ سب گفتگو ایک اصولی بیان سے متعلق ہے نہ کہ افراد کو معیّن کر کے ان پر فتویٰ لگانے سے متعلق۔

غرض لا الٰہ الا اللہ کو اس کے تقاضوں سمیت "عبادت" کے دائرہ سے باہر سمجھنا، اور یہ تصور رکھنا کہ "عبادت" نماز روزہ ایسے شعائر سے شروع ہوتی ہے اور نماز روزہ ایسے شعائر میں ہی محصور رہتی ہے... اس سے معاصر مسلمان کے تصورِ دین میں ایسے ایسے ناقابل بیان خلل پیدا ہوئے ہیں کہ اسلام کی صورت ہی مسخ ہو کر رہ گئی۔ اِن امور کی تصحیح کرانا اب تصورات کے اندر بھی ضروری ہو چکا ہے اور سلوک کے اندر بھی۔ اس کے بغیر اس گڑھے سے نکلنا اور "خس وخاشاک" والی حالت سے باہر آنا کسی صورت ممکن نہیں۔

"عبادت" کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی چلی گئیں

عبادت کو "شعائر" میں محصور کر دینے کا نتیجہ یہ رہا کہ "عمل" اپنی تمام تر اقسام کے ساتھ "عبادت" کے دائرہ سے باہر ہو گیا۔ اس کی سب سے پہلی زد سیاسی امور پر پڑی جن پر اب "عبادت" کا اطلاق نہ ہو سکتا تھا۔ جبکہ حاکم کا احتساب، اور حق پر قائم رہتے ہوئے اس کے لیے ہمدردانہ نصیحت واصلاح، نیز حاکم کو معروف کی جانب توجہ دلانا اور منکر سے روکنا تاکہ حکومت کا معاملہ شریعت اور دستورِ خداوندی پر صحیح سلامت چلتا رہے، اور وہ عدل وانصاف کی اُس صورت پر قائم رہے جو مسلم معاشرے کے حق میں خدا کا حکم ہے، اور اِس کے نتیجے میں اسلام کا بول بالا رہے اور معاشرہ اسلام کے وہ ثمرات سمیٹتا رہے جو حق اور عدل پر قائم رہنے کا نتیجہ ہے اور جو کہ خدا کی جانب سے اتمامِ نعمت کا ایک لازمی تقاضا ہے (از روئے آیت الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً...) غرض حاکم کا احتساب اور اس سے ملحقہ یہ سب امور "عبادت" سے باہر ہو گئے۔ یہ بہت اچھے کام سہی مگر "عبادت" نہیں؛ "عبادت" وہی جو "شعائر" کی صورت میں ادا ہو!

ادھر اللہ رب العزت کیا فرماتا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ **إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً (النساء 58-59)

> اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو **اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو** یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب ، يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ، ويفعلون

ما لا يؤمرون . فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن . ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن . ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن . وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل (أخرجه مسلم)

جو بھی نبی اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا، امت میں سے اُس کے اصحاب اور حواری ہوتے رہے، جو اس کی سنت پر چلتے اور اس کے دستور کی اقتدا کرتے۔ پھر یوں ہوتا کہ ان کے بعد ناخلف لوگ آجاتے، وہ کہتے جو وہ کرتے نہ تھے، اور وہ کرتے جن کا اُن کو حکم نہ تھا۔ پس جو ان کے ساتھ جہاد کرے ہاتھ کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو ان کے ساتھ جہاد کرے زبان کے ساتھ وہ مومن ہوا، اور جو اُن کے ساتھ جہاد کرے دل کے ساتھ وہ ایمان مومن ہوا، اور اس سے کم رائی برابر ایمان بھی نہیں رہتا۔

چنانچہ یہ آیتِ مبارکہ مسلم معاشرے کے اندر "اختیارات کے سرچشمہ" کا نہایت واضح تعین کرتی ہے، یعنی "اللہ اور اس کا رسول"۔ اللہ کی اطاعت مطلق اطاعت، رسول کی اطاعت مطلق اطاعت، ہر ہر امر میں، ہر ہر نہی میں، کتاب اور سنت میں وارد ایک ایک حکم کی اطاعت بلاچوں وچرا۔ ہاں اس کے بعد اولی الامر کی اطاعت ہے، جو کہ مطلق اور قائم بالذات اطاعت نہیں کہ جس طرح اللہ اور رسول کو پلٹ کر پوچھنا جائز نہیں کہ یہ حکم کیوں اور کیسے دیا ویسے ہی حکمران کو ہر قسم کی جوابدہی سے بالاتر رکھا جائے۔ یہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ایک اطاعت ہے۔ یہ اللہ اور رسول کی اطاعت کی پابند ایک اطاعت ہے؛ یعنی جہاں یہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے خروج کرلے وہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں: إنما الطاعة في المعروف (أخرجه الشيخان) "اطاعتِ امیر معروف کے دائرہ کے اندر اندر ہے"۔ پھر یہ آیت اُس مرجع کا تعین کرتی ہے کہ جب نزاع ہو جائے تو سب اُس کی جانب رجوع کریں، اور اس کے علاوہ کوئی مرجع نہیں۔ پھر مسلم معاشرے کا یہ دستور (نزاعات میں اللہ اور اس کے رسول کو حتمی مرجع ٹھہرانا) بتا دینے کے بعد اس کو "اللہ اور یوم آخرت پر ایمان" کی شرط ٹھہرایا جاتا ہے، یعنی یہ عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے۔ یوں مسلم معاشرے کا سیاسی فریم ورک، یعنی "اختیارات کے سرچشمہ کا تعین" نیز راعی ورعایا کے مابین عند النزاع "حتمی مرجع کا تعین اور اس مرجع کی جانب رجوع" عقیدہ اور ایمان کا

مسئلہ بنا دیا جاتا ہے... یعنی یہ براہِ راست ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' ایسے اساسی قضیہ سے وابستہ ایک مسئلہ ہے۔

اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو یہ اس بات کا تعین کرتی ہے کہ جہاں اللہ کا حکم اور دستور توڑا جائے وہاں امت کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ حدیث نہایت واضح طور پر طے کرتی ہے کہ جہاں اللہ کی شریعت کو توڑا جائے وہاں مجاہدہ (مزاحمت) فرض ہے ہاتھ کے ساتھ، یا زبان کے ساتھ، یا دل کے ساتھ، تاوقتیکہ معاملہ شریعت کی طرف لوٹا نہ دیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت والی وہ صورتحال بحال نہ ہو جائے۔ پھر اس مسئلہ کو بھی براہِ راست ''ایمان'' کے ساتھ جوڑا جاتا ہے؛ یعنی جو شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد کہ شریعت کو توڑا جا رہا ہے، اس کے خلاف مزاحمت کے لیے اٹھ کھڑا نہیں ہوتا اور اس مزاحمت کے تین درجوں میں سے کسی ایک درجے میں آ نہیں جاتا... تو اس کی بابت کہا جا رہا ہے: وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل ''اس سے کم درجے پر رائی برابر ایمان نہیں''۔

یوں 'سیاسی عمل' عقیدے اور عبادت کا حصہ ٹھہرا دیا جاتا ہے نہ کہ اس سے خارج۔ امت نے اپنے نبی سے دین اسی طرح سمجھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسے خلیفہ ٔراشد کو اس کی رعایا کا ایک شخص اٹھ کر کہتا ہے: لا سمع لك اليوم علينا ولا طاعة حتى تبين لنا من أين لك هذا البرد الذي ائتزرت به ''آج ہم پر تمہارا سمع واطاعت کا کوئی حق نہیں رہا، جب تک یہ نہیں بتا دیتے کہ یہ تہبند جو تم نے باندھ رکھا ہے تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے''۔ یہی خلیفہ ٔراشد جب مہر کی حد مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو رعایا کی ایک عورت اٹھ کر ٹوکتی ہے: تم ایک وسیع چیز کو تنگ کیسے کر سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَاراً ''اگرچہ تم نے کسی عورت کو (دولت کا) ڈھیر کیوں نہ دے دیا ہو'' اور تم لوگوں پر پابندی لگا رہے ہو؟ جس پر خلیفہ کہتا ہے: ''عمر نے غلطی کھائی، عورت نے ٹھیک کہا''!

لیکن وہ سیاسی استبداد جس کا آغاز امویوں نے بہت ابتدا میں کر دیا تھا اور بعد ازاں وہ آگے سے آگے بڑھتا گیا، نیز فرائض سے چھٹکارا پانے کے وہ رجحانات جو معاشرے میں بتدریج

فروغ پاتے چلے گئے، علاوہ ازیں تصوف کے دیے ہوئے رجحانات جو کہ امت کو پیش آنے والے کچھ خاص احوال کی پیداوار تھی، اور آخر میں ارجائی فکر کا میدان میں آنا جس نے ''جنت میں داخل کرانے والے'' ایمان کو سرے سے 'تصدیق اور اقرار' میں بھگتا دیا اور یوں معاملے کو ویسے ہی ہلکا پھلکا کر دیا... یہ سب عوامل مل کر ''عبادت'' کو 'شعائرِ دینی' میں محصور کرنے کا موجب ہوئے۔ آخر کار اسلام بڑی حد تک ایک انفرادی عمل ٹھہرا۔ اب کون ہے جو ''سیاسی عمل'' سے تعلق رکھنے کو ''عبادت'' مان کر دے؟ باوجود اس کے کہ پیش ازیں امت اس کو عبادت سمجھ کر ہی اس میں شریک ہوتی تھی اور اس کو اجتماعی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری جانتی تھی، اور ایسا ہی ایک اعلیٰ وبرگزیدہ اجتماعی شعور رکھنے کے باعث، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عَلم بلند رکھنے کی بدولت یہ ''خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس'' کے منصب پر فائز رہی تھی:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
(آل عمران110)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے؛ کہ تم **امر بالمعروف کرنے والے، نہی عن المنکر کرنے والے**، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے

جونہی یہ سیاسی عمل ''عبادت'' کے دائرہ سے باہر ہوا، اسلام کی پہلی کڑی (حکمِ اسلامی) ایک خلل کا شکار ہونے لگی۔ بڑے عرصے تک اسلام کی یہ کڑی ٹوٹنے تو نہیں پائی کیونکہ معاشرہ ایک عمومی معنیٰ میں شریعتِ اسلام کی جانب ہی تحاکم کرتا تھا اور اس کے علاوہ کسی چیز کو اپنا دستور نہ مانتا تھا، تاہم حکمرانوں کے ہاں شریعت کی تحکیم کے ساتھ ساتھ جور و ستم اور مظالم بھی پائے جانے لگے تھے جس کے باعث شریعت کا نفاذ اُس کامل شکل میں باقی نہ رہا تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کر رکھی ہے اور جو کہ سلف کے ہاں پائی جاتی تھی۔ پھر شریعت کے اُس نفاذ پر، جس میں ایک گونہ جور و ظلم پایا جاتا تھا صدیاں گزر گئیں... یہاں تک کہ وہ وقت آیا، اور جو کہ ہمارا دور ہے، جب یہ کڑی سرے سے ٹوٹ گئی، اور جب شریعت کو منصبِ

حکمرانی سے باقاعدہ طور پر بے دخل کر دیا گیا اور رب العزت کی شریعت کو معزول کرا دینے کے بعد اس منصب پر کچھ اور شرائع کو فائز کر دیا گیا۔ یوں اسلام کی کڑیوں میں سے ٹوٹنے والی یہ پہلی کڑی ثابت ہوئی، اور جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے عین مطابق ہے:

لتنقضن عُرَى هذا الدينِ عروةً عروةً، فأولها نقضاً الحكمُ، وآخرَها نقضاً الصلاةُ

(أخرجه أحمد)

اس دین کی کڑیاں یقیناً ایک ایک کر کے ٹوٹیں گی۔ اس کی جو پہلی کڑی ٹوٹے گی وہ حکم (اسلام کا اقتدار) ہو گا، اور آخری کڑی جو ٹوٹے گی وہ نماز ہے

*****

ان سب عوامل کے ہوتے ہوئے، جن کی جانب ہم اشارہ کر آئے، اور جن کے باعث معاشرے کی سیاسی پیشرفت اور اس میں شمولیت اور ذمہ داری نبھانا "عبادت" کے دائرہ سے خارج ٹھہرا... ممکن نہ تھا کہ "عقیدہ" اور "عبادت" کے مفہوم کو سکیڑنے کا عمل اسی جگہ پر رکا رہے۔ رفتہ رفتہ اس کی زد میں "عمل و سرگرمیِ حیات" کی دیگر صورتیں بھی آتی چلی گئیں یوں یہ سب اشیاء ایمان اور عبادت کے دائرہ سے باہر ہوتی چلی گئیں۔ یہ سب کچھ اس معنٰی میں معطل نہیں ہوا کہ یہ اشیاء معاشرے کے اندر سرے سے موقوف ہو گئی ہوں کیونکہ زندگی کا پہیہ کسی نہ کسی ڈھب پر بہر حال چلتا ہے؛ کہ 'پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی'... [13] البتہ یہ اس معنٰی میں معطل ہو گیا کہ یہ سب ہنگامہ ہائے حیات "ایمان" اور "عبادت" سے بے دخل ٹھہرے۔ ایمان اب 'تصدیق اور اقرار' کا نام تھا اور عبادت 'شعائرِ تعبُّد' کا!!! ہنگامہ ہائے حیات کو "عبادتِ خداوندی" کا حوالہ اب حاصل نہیں رہا تھا؛ ہاں "عبادت" کے سوا اس کو جو بھی حوالہ حاصل ہو۔ یہ حوالہ 'زندگی بسر کرنا' ہو، 'حصولِ رزق' ہو، 'جستجوئے دولت' ہو، 'غلبہ واقتدار اور حصولِ اختیار' ہو، 'ترقی و خوشحالی' ہو، 'لذت و سرود' ہو، کچھ ہو مگر "ایمان" اور "عبادتِ خداوندی" نہیں۔ اب تصور یہ تھا کہ آدمی جس وقت "عبادت" کرتا ہے اس وقت وہ

---

(13) يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَى رَبِّكَ كَدْحاً فَمُلَاقِيهِ الانشقاق [6] "اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف محنت کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملنے والا ہے"

''کارِ جہان'' سے دور ہوتا ہے، اور جس وقت وہ ''کارِ جہان'' میں جتا ہوتا ہے اس وقت وہ ''عبادت'' سے دور ہوتا ہے۔ یہاں دو الگ تھلگ دنیائیں سامنے آ گئیں: ایک ہے ''کام'' اور ایک ہے ''عبادت''۔ بلکہ ''کام'' اور ''عبادت'' کے علاوہ شاید ایک تیسری دنیا بھی ہے: ''شغل و تفریح''؛ جو کسی وقت 'صاف ستھری اور پاکیزہ' ہو گی تو اکثر اوقات 'غیر صاف ستھری اور ناپاکیزہ'! پس ہر شخص کی زندگی میں اب یہ تین دائرے پائے جائیں گے؛ تین الگ تھلگ دائرے؛ ایک میں جانے کے لیے دوسرے سے نکلنا ہو گا!

ظاہر ہے یہ ایک مسخ شدہ تصویر ہے۔ اسلام کی پشتِ اول کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست تربیت پائی تھی معاملے کو اِس انداز میں نہیں دیکھتی تھی۔

یہ تھا سلف کا "خدا کی عبادت" کرنا:

قرنِ اول کا مسلمان زندگی کو ایک اکائی کے طور پر لیتا تھا؛ جو کہ اول تا آخر ''عبادت'' تھی۔ اُس کی نماز و قربانی بھی عبادت، اُس کا کام کاج بھی عبادت اور اُس کے شغل و تفریح کے لمحات بھی عبادت۔ اُس کی کوئی چیز ''عبادت'' کی تعریف سے خارج ہی نہیں تھی؛ کیونکہ روئے زمین پر اُس کا وجود اور اس وجود کا ایک ایک پل ''عبادت'' میں محصور تھا اور ''عبادت'' کے سوا وہ زمین میں کسی چیز کا مجاز ہی نہ تھا۔ ہاں اس کی یہ ''عبادت'' گوناگوں صورتوں کی حامل ضرور تھی۔ زندگی کے تمام صحتمند مظاہر اور وجود کے تمام پاکیزہ رنگ اُس کی ''عبادت'' میں جھلکتے تھے۔ چنانچہ اس ''عبادت'' میں ایک کے بعد ایک ساعت آتی اور پل پل کے بعد اس کا میدان بدلتا؛ البتہ ہزارہا صورت رکھنے کے باوجود تھی یہ سب ''عبادت''۔

نماز اور قربانی تھی تو عبادت۔

کارِ جہان میں محنت مشقت ہو رہی ہے... آدمی سیاست میں مگن ہے، یا سماج میں سرگرم ہے، یا اقتصاد کی گتھیاں سلجھا رہا ہے، یا فکر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہے، یا علم اور تحقیق میں مصروف ہے... تو عبادت۔

شغل اور تفریح ہو رہی ہے تا کہ یہ خدا کی نعمتوں سے محظوظ ہو، نیز کشمکشِ حیات کے لیے تازہ دم ہو... تو عبادت۔

نماز اور قربانی وغیرہ ایسے "شعائر" کیونکر عبادت ہیں، یہ تو خیر محتاجِ بیان نہیں۔

جہاں تک روزمرہ زندگی کا تعلق ہے، تو رسول اللہ ﷺ کی تربیت یافتہ پود، جس کی توصیف یہ آئی ہے کہ وہ "کھڑے بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے تھے"، اس معاملہ میں نہایت واضح تھی...

ہنگامہ ہائے حیات میں رہتے ہوئے خدا کی بندگی اور اطاعت کرنا اور مقاصدِ حق کو قدم قدم پر روپذیر کرانا مسلمان کی روزمرہ سرگرمی کا بہت بڑا میدان تھا۔ اِسی شاہراہ پر گامزن وہ پل پل پر خدا کو یاد کرتا اور شعائرِ عبادت اور اعمالِ قلوب سے اپنی ایمانی وروحانی غذا حاصل کرتا تھا۔

جس چیز کو ہم اپنی آج کی اصطلاح میں 'کارِ جہان' کہتے ہیں قرنِ اول کا مسلمان اس میدان میں ہر دم خدا کی عبادت کرتا تھا۔ اس عمل کو "عبادت" بنا دینے والے دو بنیادی وصف تھے جو اس کے ہاں بدرجۂ اُتم پائے جاتے تھے:

- ایک: اس عمل کو خدا کا چہرہ پانے کا ذریعہ بنانا اور اس کو خدائی مقاصد کے تابع کر دینا۔ (یعنی اخلاصِ نیت، نیز مقاصدِ حق سے "کارِ جہان" کا رشتہ جوڑنے میں ایک کمال درجے کی تخلیقی استعداد اور فاعلیت)
- دوسرا: اِس پورے عمل میں خدا کے نازل کردہ احکام کی پابندی۔

یہ دو وصف اُس کی جملہ سرگرمیِ حیات کو "عبادت" بنا دیتے اور اِس پر اُس کو خدا کے ہاں ثواب کا مستحق ٹھہراتے۔

رہ گئی تیسری چیز یعنی آسائش و تفریح... تو وہ دیکھتے کہ خود رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں اور گھر والوں کے ساتھ خوب دل لگی اور سیر و تفریح کا انداز رکھتے ہیں۔ اپنے اصحاب کے ساتھ ہر دم خوش مزاجی چلتی ہے۔ کوئی مجلس کسی باغ میں ہو رہی ہے تو کوئی مجلس مدینہ سے باہر کہیں

وادیوں اور پہاڑوں پر۔ مدینہ میں ہوتے ہیں تو آئے روز آپؐ کی موجودگی میں گھوڑوں کی دوڑ لگتی ہے، اونٹوں کی ریس ہوتی ہے، تیغ زنی اور تیر اندازی کے دلچسپ مقابلے ہوتے ہیں۔ اور یہی زندہ دل توانا عربوں کے کھیل تھے، جو کہ بیک وقت جنگوں کی تیاری بھی تھی۔ اور بھی کئی طریقوں سے صاف ستھری اور پاکیزہ تفریح کی جانب ان کو متوجہ کرتے، یا ان کو اجازت دیتے، تاکہ زندگی کے تھکا دینے والے معمولات کا بوجھ نفوس سے ایک حد تک ہلکا کیا جاسکے اور وہ تازہ دم اور تازہ عزم ہو کر کارزارِ حیات میں شریک ہوں اور پھر خوب دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ آگے بڑھیں۔ چنانچہ یہ بات ان پر واضح تھی کہ تفریح جہاں گناہ سے پاک ہو اور فرائض سے غافل کر دینے کا موجب نہ ہو، اور جہاں آدمی کی مصروفیات اور ذمہ داریاں اس کی اجازت دیتی ہوں، وہاں "تفریح" مقاصدِ حق کی تقویت ہی کا باعث ہے اور عبادت میں ایک دلجمعی لے آنے ہی کا موجب...؛ لٰہذا یہ بھی عبادت ہی کے ساتھ ملحق ہے۔

یوں پوری زندگی ان کے لیے عبادت کا درجہ اختیار کر گئی تھی۔ ایک ایسی عبادت جس میں روح بھی پوری طرح شامل، عقل بھی، اور جسم بھی۔ وجود کا ہر ہر پہلو اس عبادت میں اپنا حصہ پاتا۔ فطرت پر قائم یہ طریقِ عبادت ہر قسم کے تصنع اور تکلف سے پاک تھا۔ کوئی ایک چیز دوسری کی جگہ نہ لیتی۔ "عبادت" کی یہ ایک ایسی طبعی و بے ساختہ صورت تھی کہ انسان کہیں کسی الجھن میں نہ پڑتا۔ انسان اپنی ہمت و بساط سے بڑھ کر کسی چیز کا مکلف ہی نہ کیا جاتا۔ انسان سے جو چیز طلب کی جاتی وہ وہی تھی جو اس کے طبعی نشاط میں آتی ہو اور اس کی ساخت کے موافق ہو۔ نیز یہ وہ عبادت تھی جس سے انسان کی ساخت —اپنے تمام تر جوانب سمیت— اپنی طبعی حالت ہی برقرار رہے اور اپنی اُس کلی و ہمہ گیر ہیئت کو برقرار رکھتے ہوئے ہی بصورتِ عبادت ترقی و افزائش پاتی چلی جائے... اور یوں "پورا انسان" —بطورِ نفس اور بطورِ معاشرہ— "خدارُخ" و "خداجُو" ہو جائے۔

یہ تھا عبادت کا وہ صحیح تصور جو خدا کے ہاں سے نازل ہوا تھا۔ اِس تصور کو اپنی وہ جامعیت بھی برقرار رکھنی ہے اور اپنی وسعت بھی اور اپنی گہرائی بھی:

قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ .. (الانعام162-163)

کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ کوئی اس کا شریک ہے ہی نہیں..

*****

جب تک معاملہ اس فہم پر استوار رہا جسے اسلام کی نسلِ اول نے کتاب اللہ اور تعلیماتِ نبوی سے سمجھا تھا... تب تک یہ نوبت نہ آئی تھی کہ مسلمان کی زندگی میں یہ تین الگ تھلگ دائرے تشکیل پا جائیں، یوں کہ اُسے ایک دائرے سے "نکل کر" دوسرے میں اور دوسرے سے "نکل کر" تیسرے میں جانا ہو۔ "عبادت" مسلمان کی زندگی میں اِن "تین دائروں میں سے ایک دائرہ" نہ تھا۔ "عبادت" کے دائرہ سے نکل کر کسی دائرہ میں جانا اُس کے تصور سے باہر تھا۔ اُس کے ہاں صرف ایک ہی وسیع تر اور عمیق تر دائرہ تھا؛ ہاں اُس ایک دائرہ کے جوانب بے شمار تھے اور ان میں سرگرم رہنے کے انداز اَن گنت۔ مسلمان ان تمام جوانب کے اندر، اور سرگرمی کی ان تمام صورتوں میں، مسلسل وبلا انقطاع، اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کر رہا ہوتا تھا:

يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ (آل عمران191)

اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں

عبادت کی یہ ہیئت کوئی ایسا نفلی معمول نہ تھا جو بس اُنہی کا خاصہ ہو اور اُن کے مابعد نسلوں پر لاگو نہ ہوتا ہو... درحقیقت عبادت کا "مفہوم" ہی یہ تھا۔ عبادت کی اصل صورت ہی یہ تھی۔ ہاں "عبادت" کی اِس صورت پر آجانے کے بعد اُن میں درجات کا فرق ضرور تھا۔ مگر یہ درجات کا فرق عبادت کے جوہر میں نہ تھا (عبادت کا جوہر تو سب کے ہاں ایک تھا، یعنی تمام سرگرمیِ حیات میں خدا کی عبادت)۔ یہ فرق تھا تو اُس مقدار اور معیار میں جو ایک شخص کے ہاں "عبادت" کے حوالے سے پایا جاتا تھا۔ ہاں "عبادت" کے اس کثیر شعبہ میدان میں اور پھر اس کے معیار کو برقرار رکھنے میں کوئی شخص کم توفیق پاتا تو کوئی زیادہ۔

شعائرِ تعبُّد کا اُن کے ہاں خصوصی اہتمام تھا... اس اعتبار سے نہیں کہ عبادت کا بس یہی ایک میدان ہے لہٰذا اُن کو اپنا کل وجدان اور توجہ و حضورِ قلب اور سب خشوع و خضوع اور

اپنا سب جذبۂ اطاعت و بندگی اِسی میں صَرف کر دینا ہے، بلکہ اِس اعتبار سے کہ یہ عبادت کے کچھ مرتکز لمحات ہیں؛ اور اس لحاظ سے یہ عبادت کی جان ہیں۔ شعائرِ تعبّد اُن کی نظر میں وہ چشمہ تھا جس سے لبریز ہو ہو کر اُن کو کارزارِ حیات میں اترنا ہوتا تھا۔ یہ وہ منازل تھیں جہاں سے وہ ہر ساعت بعد اپنا توشہ اور زادِ سفر اٹھاتے اور اپنا یہ بندگانہ سفر جاری رکھنے میں مدد اور یکسوئی پاتے۔

"صلوٰۃ" وہ یومیہ توشہ تھا جس کی پانچ خوراکیں روزانہ لینا ہوتی تھیں۔ "صیام" وہ سالانہ توشہ جو مرتکز صورت میں پورا ایک مہینہ مسلسل لینا ہوتا تھا اور یہ ایک مہینہ اس طرح گزارنا ہوتا تھا کہ "عبادت" کی ایک صورت سے نکل دوسری میں اور دوسری سے نکل تیسری میں جانا اور یوں مسلسل "عبادت" میں غوطہ زن رہنا ہوتا تھا۔ "زکوٰۃ" ربیع اور خریف کی صورت سالانہ ایک یا دوبار کا توشہ جس سے انسان حرص و طمع سے پاکیزگی پاتا اور مال لٹانے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ پھر حج زندگی میں ایک بار لیا جانے والا ایک نہایت مرتکز و مرغن توشہ؛ کہ جب وہ اس فانی جہان کی ہر چیز کو خیر باد کہہ کر اپنے پروردگار کی طرف چل دیتا ہے اور تلبیہ و تکبیرِ مسلسل کی صورت اپنا کل رخ اور توجہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی جانب اور اُس کی کبریائی اور وحدانیت کے عظیم تاریخی نشانات کی طرف کرلیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس عبادت کا توشہ اور عبادت کی جان ہے، البتہ خود عبادت اِن اعمال سے وسیع تر ایک چیز۔

آیئے چند نمونے دیکھتے چلیں کہ کس طرح صحابہؓ کے رویہ و سلوک میں یہ حقیقت اپنی دقیق اور عمیق شکل میں بولنے لگی تھی اور کس طرح "عبادت" اُن کے تصور میں ہر عمل، ہر سوچ، ہر احساس اور ہر رویے کو شامل اور زندگی کی ہر ساعت اور ہر رویّے کو محیط تھی۔ "عبادت" اُن کی نظر میں وہ چیز نہ تھی جو چند "شعائرِ تعبُّد" کی صورت میں ادا کر دی جاتی ہے!

- اِس اَعرابی کو لے لیں جسے رسول اللہ ﷺ غنائم میں سے اُس کا حصہ مرحمت فرماتے ہیں اور وہ بولتا ہے: میں نے اِس غنیمت کے لیے تو آپ کی پیروی اختیار نہیں کی۔ میں نے تو آپ کی پیروی کی ہے کہ تیر یہاں آکر لگے —ساتھ میں اپنی شاہ رگ کی جانب

اشارہ کرتا ہے – اور میں جان دوں اور جنت میں جاؤں۔ جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اگر تو خدا کے ساتھ سچا ہے تو یقیناً خدا بھی تیرے ساتھ سچا ہے!

(أخرجه النسائی)

کیا یہ شخص جو اِس کیفیت سے سرشار تھا، عبادت کی بلندی پر نہیں تھا؟! باوجود اس کے کہ "شعائرِ عبادت" میں سے کسی ایک بھی شعار کی ادائیگی میں اُس وقت وہ مصروف نہیں تھا! دراصل اُس وقت وہ اس منہج پر تھا کہ ہر گھڑی کی عبادت مختلف ہے۔ ہر موقع کی عبادت الگ ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ یہ عبادت جس درجہ پہ جاکر کر رہا تھا وہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں!

- اس عورت کو لے لیجئے جس کو تکلیف دہ دورے پڑتے ہیں اور اس سے وہ برہنہ ہو جاتی ہے۔ تب یہ آکر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتی ہے کہ آپؐ اس کے شفایاب ہو جانے کے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جس پر آپؐ جواب دیتے ہیں: تم چاہو تو صبر کرلو اور جنت پاؤ، اور چاہو تو میں تمہاری صحتیابی کے لیے اللہ سے دعا کر دیتا ہوں۔ کہتی ہے: میں صبر ہی کر لیتی ہوں! پھر کہتی ہے: حضور مگر میں برہنہ ہو جاتی ہوں بس یہ دعا فرما دیجئے کہ میں برہنہ نہ ہوں، اور آپ ﷺ اُس کے لیے یہ دعا فرما دیتے ہیں...!

کیا یہ عورت جب یہ الفاظ بول رہی تھی، عبادت کی چوٹی پر نہیں تھی؟! معروف "شعائرِ عبادت" میں سے آخر وہ کونسا عمل تھا جو وہ اُس وقت ادا کر رہی تھی؟ دراصل یہ اُس منہج پر تھی کہ ہر گھڑی کی عبادت مختلف ہے۔ ہر موقع کی عبادت الگ ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ یہ عبادت جس درجہ پہ جاکر کر رہی تھی وہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں!

- ادھر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لے لیجئے، جس وقت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے خطاب فرما رہے ہیں: أيها الناس ، اسمعوا وأطيعوا "لوگو! سنو اور مانو"، تو سلمانؓ بول اٹھتے ہیں: "آج آپ کی سننا اور ماننا ہم پر لازم نہیں رہا"۔ عمر رضی اللہ عنہ غضب میں آئے بغیر پوچھتے ہیں کہ

''کیوں، کیاماجرا ہے؟'' سلمانؓ بولتے ہیں: ''جب تک آپ یہ وضاحت نہیں فرما دیتے کہ آپ کے پاس یہ دوسری چادر کہاں سے آئی جسے آپ نے تہبند بنار کھا ہے''۔ عمرؓ پھر بھی غصے میں نہیں آتے اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو پکار کر کہتے ہیں: ''تمہیں خدا کا واسطہ، بتاؤ یہ تہبند جو میں نے پہن رکھا ہے کیا تمہارا تہبند نہیں؟''عبداللہ بن عمرؓ بولتے ہیں: ''جی، یہ میرا ہے''۔ تب سلمانؓ کہتے ہیں: ''اب حکم فرمایئے، ہم آپ کی سنیں گے اور مانیں گے''!

کیاخیال ہے، سلمانؓ اور عمرؓ اُس وقت (ہمارے ہاں معروف) ''شعائرِ عبادت'' میں سے کونسا عمل ادا کررہے تھے؟ جبکہ یہ دونوں صحابی اُس لمحہ یقینی طور پر عبادت سے ہی عہدہ براہو رہے تھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ مصروفِ عبادت تھے کیونکہ وہ حاکمِ وقت کا احتساب کررہے تھے اور مسلم معاشرے کے اندر اس بات کو یقینی بنارہے تھے کہ وہ عدل و انصاف جو اس امت پر فریضۂ ربانی ہے اور اس امت کا ایک حقیقی امتیاز ہے عین اپنی اصل حالت میں برقرار رہے اور مسلم معاشرہ اپنی اِس جوابدہی میں خدا کے ہاں سرخرو ہو۔ جبکہ عمر رضی اللہ عنہ مصروفِ عبادت تھے بلکہ عبادت کی معراج پر تھے کیونکہ وہ اِس عدلِ ربانی کو عملاً قائم کیے ہوئے اور اس کی روح کو حقیقتاً زندہ رکھے ہوئے تھے، جس کی بدولت خلیفۂ وقت گز بھر کپڑے کی خاطر بھری مسجد میں جوابدہی کے کٹہرے کے اندر کھڑا کرلیاجاتاہے!

- ادھر اس تنگدست آدمی اور اس کی بیوی کو لے لیجئے، جب ایک دن تنگ آکر یہ شخص کسی اور کے آگے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اپنی بپتا سنانے اور اپنی بھوک اور فاقے کے مداوا کے لیے آپؐ سے درخواست کرنے کا ارادہ باندھتا ہے تو اس کی بیوی بول اٹھتی ہے: کیا تم اللہ کی شکایت اُس کے رسولؐ کے آگے کروگے؟! تب اس شخص کے قدم وہیں رک جاتے ہیں اور وہ دونوں اپنے اُسی صبر پر ثابت قدم رہتے ہیں!

کیایہ جوڑاحالتِ عبادت میں نہیں تھا؟! بلکہ عبادت کی چوٹی پر نہیں تھا؟!

⮰ ادھر اس آدمی کو لے لیجئے جو جہاد کی منادی سن کر نکل کھڑا ہوتا ہے اور ہاتھ میں کچھ کھجور اٹھا رکھی ہے، مگر جنت کی خوشبو اسے بے چین کر دیتی ہے یہاں تک کہ اُس کے لیے وہ مٹھی بھر کھجوریں پوری کرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ تب وہ کھجوریں پھینک، اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور یہ کہتا ہوا میدان میں کود جاتا ہے "ان کھجوروں کے ختم ہونے تک بھلا کون صبر کرے!"

ایسے ایمان بھرے لمحات کو آپ کیا نام دیں گے ؟ یہ اگر حالتِ عبادت نہیں بلکہ عبادت کی معراج نہیں تو پھر عبادت کیا ہوتی ہے ؟!

*****

یہ تھا... صحابہ رضی اللہ عنہم کا اپنے پروردگار کی عبادت کرنا...

وہ اللہ کی عبادت کرتے نماز اور مناسک کی صورت میں...

وہ اللہ کی عبادت کرتے جہاد اور عمل کی صورت میں...

وہ اللہ کی عبادت کرتے اُس کی مباح کردہ پاکیزہ آسائشوں کو اختیار کرنے کی صورت میں جو قلوب سے غفلت اور تاریکی کو دور رکھیں...

کارہائے جہان کو "بطورِ عبادت" انجام دینا... اور کارہائے جہان کو "عبادت" بنائے بغیر انجام دینا... یہ فرق ہے سلف کے "خدا کی عبادت" کرنے کے مابین اور ہمارے "خدا کی عبادت" کرنے کے مابین۔ بلکہ اسی فرق کو ذرا کھول لیا جائے، تو یہی فرق ہے ہمارے سلف کے "کارِ جہان کو ہاتھ ڈالنے" اور جدید یورپی انسان کے "کارِ جہان کو ہاتھ ڈالنے" کے مابین۔ جس سے خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ نہ ہمارا "عبادت" کا تصور سلف والا اور نہ "کارِ جہان" کا تصور سلف والا؛ ہر دو تصور شاید ہم نے کہیں اور سے لیے ہیں۔ یہ دوئی پیدا کر لینے کے بعد اب ہر دو میدان سے باہر ہیں۔ اس کی کچھ وضاحت ذیل میں کی جاتی ہے۔

"عبادت"، سلف اور ہم... 'تو ثابت وہ سیارہ'!

ان دو صورتوں کے مابین زمین آسمان کا فرق ہے:

- ایک: عبادت کا نماز روزہ ایسے شعائر میں محصور ہونا، درحالیکہ "کام" اور "راحت" عبادت سے خارج ہوں
- دوسری: یہ کہ یہ سب کچھ عبادت ہی میں شامل ہو؛ ہاں ہر گھڑی اور ہر ساعت کی عبادت الگ ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک بھی گھڑی ایسی نہ ہو جب آدمی دائرۂ عبادت سے باہر ہو اور جب اس کا وجود خدا کی جانب یکسو اور خدا کے احکام کا پابند نہ ہو۔

دونوں کے مابین جو فرق ہے سب سے پہلے وہ "سوچ اور رویے کی پاکیزگی" میں ہی نمایاں ہے...

پھر یہ فرق اُس "نتیجے" اور "پیداوار" میں نمایاں ہے جو انسانی سرگرمی سے روئے زمین پر سامنے آئے گی، خواہ وہ فرد کے حوالے سے ہو اور خواہ معاشرے کے حوالے سے...

جہاں تک سوچ اور رویے کی پاکیزگی کا تعلق ہے، تو یہ بہت واضح ہے:

جس وقت "کام" عبادت میں آتا ہو اس وقت خیانت، بددیانتی، کام چوری، جھوٹ، دو نمبری، دھوکہ دہی، دوسروں کا حق مارنا اور ظلم وجور کی صورت ان کا استحصال کرنا، یا محض کسی وقتی فائدے کے لیے حرام اشیاء کا ارتکاب کرنا... اس کام کا حصہ نہیں رہے گا۔

جس وقت راحت اور آسائش عبادت کا معنیٰ لیے ہوئے ہو گی... اس وقت آدمی گھٹیا اور سفلہ پن کی طرف نہیں جائے گا۔ نہ ہی وہ اپنی انسانیت کی سطح سے گرے گا جیسا کہ معاصر جاہلیت کے اندر ہو رہا ہے، جہاں "تفریح" لچرپن اور غلاظت کا ہم نام ہو گئی ہے اور جہاں "دل لگی" فحاشی اور بدکاری کا عنوان بن گئی ہے، بلکہ پہلے یہ بدکاری کا نام تھا اور اب بدفعلی کا۔

اور جہاں تک "نتیجے" اور "پیداوار" کا تعلق ہے... تو شاید بعض لوگوں کا خیال ہو کہ تاریخ میں سب سے بڑھ کر "نتیجہ خیزی" اور "پیداآوری" وہ ہے جو دورِ حاضر میں یورپ نے کر کے

دی ہے، اور جس میں یورپ "دین" اور "عبادت" ایسے تصورات سے کوسوں دور تھا... مگر یہاں چند حقائق کے ادراک کے لیے انسان کا بیدار ہونا ضروری ہے:

بلاشبہ معاصر مادی تہذیب نے "پیداوار" کے ڈھیر لگائے ہیں، جس میں نمایاں ترین: حالیہ سائنسی ترقی، ٹیکنالوجی کی یہ پیشرفت جو سائنسی ثمرات کو مشینوں اور آلات میں ڈھال کر انسانی مشقت کم کر دینے کا باعث بنی، نیز یہ حیرت انگیز انتظامی عبقریت جس نے روزمرہ معاملات کو سہل اور ممکن الحصول بنا دیا اور جو بہت سی انسانی محنت اور وقت کی بچت کا ذریعہ بنی، نیز کچھ 'انسانی' جوانب جن کی رو سے چند حقوق اور ضمانتوں کو معاشرے کے اندر یقینی بنایا گیا۔

مگر اِس تمام تر پیداوار کا جو حتمی نتیجہ رہا وہ دور دور تک "انسان" کی کوئی اعلیٰ تصویر پیش نہیں کر رہا۔ یہ تمام تر 'ترقیاتی' پیش رفت وجودِ انسانی کی کوئی تابناک صورت پیش کرنے سے بری طرح قاصر ہے۔ اِس نے زمین پر جتنی روشنیاں کیں اس سے بڑھ کر اندھیرا کیا۔ سیاست ہے تو 'چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر'، اقتصاد اور معیشت ہے تو استحصال اور آدم خور استعمار، سماج اور سماجی بندھن ہیں تو ریزہ ریزہ، وہ سب حرمتیں جن سے انسانیت کسی بھی دور میں واقف رہی ہوگی آخری حد تک پامال، اخلاق کا دیوالیہ، غلاظت کے ناقابل بیان ریکارڈ، نفسیاتی امراض جن کی حد نہیں، اور روحانی امراض کا تو خیر ذکر ہی نہ کریں، مادہ کی پرستش، ہر چیز کی عبادت سوائے رب العالمین کے۔

یہاں ہے وہ اصل تمیز جو "ترقی" کی اِن ہر دو صورتوں کے مابین پائی جاتی ہے: ایک وہ ترقی جو انسانیت کو معاصر یورپ کے ہاتھوں نصیب ہوئی اور دوسری وہ ترقی جو انسانیت کو امتِ اسلامیہ کے ہاتھوں اُس وقت نصیب ہوئی تھی جب اس کے یہاں اسلام اپنی اصل صورت میں قائم تھا۔

یورپ انسانیت کو آج جو دے رہا ہے یہ وہ چیز نہیں جو امتِ اسلامیہ سے انسانیت کو ملی تھی۔ یہ اُس کے پاسنگ بھی نہیں اگرچہ دونوں میں بظاہر کچھ مماثلت پائی جاتی ہو۔

امتِ اسلامیہ کا کارنامہ محض وہ کشور کشائی اور غلبہ وسیادت کا حصول نہیں تھا۔ امتِ اسلام کا اصل کارنامہ محض وہ سائنسی وتمدنی پیشرفت یا وہ زمینی ترقی وعمران بھی نہیں تھا جو اِس امت کے ہاتھوں رونما ہوا۔ یہ تو وہ خدائی دین ہے جو کچھ ہمت دکھالینے کے عوض کافروں کو بھی مل جایا کرتی ہے اور مومنوں کو بھی:

كُلاًّ نُّمِدُّ هَؤُلاءِ وَهَؤُلاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوراً (الاسراء20)

اِنکو بھی اور اُنکو بھی، دونوں فریقوں کو ہم (دنیا میں) سامان زیست دیے جارہے ہیں، یہ تیرے رب کا عطیہ ہے، اور تیرے رب کی عطا کو روکنے والا کوئی نہیں ہے

تاریخ میں بہت سی جاہلیتوں کو یہ چیز حاصل رہی ہے:

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ **كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا** وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ **أَسَاءُوا السُّوأَى** أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ (الروم9-10)

کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا؟ وہ ان سے بہت زیادہ توانا (اور طاقتور) تھے اور انہوں نے (بھی) زمین بوئی جوتی تھی اور ان سے زیادہ آباد کی تھی اور ان کے پاس ان کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ یہ تو ناممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرتا لیکن (دراصل) وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ آخرکار جن لوگوں نے بُرائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت برا ہوا، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ **فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ** وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (غافر83)

تو جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے، تو وہ اسی پر خوش رہے جو ان کے پاس دنیا کا علم تھا اور انہیں پر الٹ پڑا جس کی ہنسی بناتے تھے

مسلم امت کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ تمدن، تعمیرِ ارض، اور حصولِ قوت و سطوت و شکوہ کا یہ سارا عمل اِس نے خدائی نقشے پر کر کے دکھایا۔ یہاں پر خدائی اقدار اور شرعی معیارات قائم کر کے دکھائے۔ اپنی قوت اور برتری سے جہان میں اخلاق کا بول بالا کیا۔ اور یہ کارنامہ پوری تاریخ میں اس سطح پر صرف اور صرف امتِ اسلامیہ کے ہاتھوں رونما ہوا۔

ایک طرف وہ اسلامی فتوحات دوسری جانب یہ استعماری قبضہ جات، کوئی ان دونوں عالمی تحریکوں کے مابین موازنہ کرنا چاہے تو ضرور کرے۔ کہاں وہ عدلِ ربانی جو مسلمانوں نے زمین میں لاگو کیا اور کہاں وہ 'انصاف' اور 'حقوق' جو معاصر جاہلیت کے زیر سایہ ریڈ انڈین اقوام سے لے کر گورے شکاریوں کے جہازوں میں لادے جانے والے افریقیوں اور صدیوں تک امریکہ میں پائی جانے والی ان کی سیاہ فام نسلوں، نیز فلسطین، ایتھوپیا، ارٹیریا، چاڈ، فلپائن اور پورے کمیونسٹ بلاک کے پنجے میں کراہنے والی مسلم اقوام کے نصیب میں آئے؛ اور یہ وہ سلسلہ ہے جو آج تک جاری ہے! بلکہ دنیا کے کسی خطہ میں چلے جایئے جہاں جہاں مسلمانوں کو ان 'تہذیب یافتہ' اقوام کے زیر اقتدار زندگی گزارنا پڑی وہاں وہاں مسلمانوں پر کیا بیتی؟ معاہدوں کا پاس جس طرح مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں کر کے دکھایا ایک طرف، اور معاہدوں اور قراردادوں کا جو حشر اِن 'مہذب' قوموں نے کر کے دکھایا دوسری طرف؛ جو شخص چاہے ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھ لے۔ مسلمانوں کے ہاتھ کوئی سائنسی سرمایہ لگا تو وہ کیونکر اخلاق اور قدروں کی خدمت میں لگایا گیا، ادھر معاصر جاہلیت نے اسی علم اور سائنس کو کیونکر خالق کا کفر اور بغاوت کروانے کے لیے ایک موثر آلے کے طور پر برتا، مشینوں کے بل بوتے پر کیونکر دین اور اخلاق کا جنازہ نکالا[14]، تخریب اور انارکی کا کیسا ایک دیوہیکل عالمی سیٹ اپ کھڑا کر

---

(14) "مانع حمل گولیاں" نامی ایک چھوٹی سی ایجاد دنیا میں کس کس طرح زناکاری کی غلاظت پھیلانے کے کام آئی، یہ ایک ہی بات اِس 'تہذیب' کے بارے میں آدمی کو حیران کر دینے کے لیے کافی ہے! آج آپ کو ٹیوبوں میں بھرا ہوا مردانہ مادہ منویہ مارکیٹ سے دستیاب ہے؛ یعنی عورت ایک پچکاری کے ذریعے جس نسل کے مرد کا چاہے اپنے رحم کے اندر نطفہ رکھوائے! کیا شک رہ جاتی ہے کہ اِس "پیداواری عمل" نے ارحام، انساب، رشتے اور خاندان سب کے سب 'لیب' کے سنک میں بہادیے!

کے دیا... جو شخص چاہے ان دونوں کے مابین موازنہ کر کے دیکھ لے۔ روحانیت کو مسلم ادوار میں جو فروغ ملا، اور اِن مغربی ادوار میں روحانیت کا جو قتل عام ہوا وہ اَظہر من الشمس ہے۔

یہ ہے عین وہ فرق جو کارِ جہان کو ''عبادت'' بنانے اور نہ بنانے کے مابین ہے!

بلکہ صحیح تر الفاظ میں: وہ فرق جو کام کاج کو ''اللہ کی عبادت بنانے''... اور (دانستہ یا نادانستہ) ''شیطان کی عبادت'' بنانے کے مابین ہے!

امتِ اسلامیہ نے بڑی دیر تک کارِ جہان کو ''عبادت'' بنا کر رکھا؛ وہ تمام عرصہ اس کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ بعد ازاں جیسے جیسے مسلمان کی نظر میں 'دنیاوی کام' عبادت کا وہ خوبصورت معنیٰ کھوتا گیا... ویسے ویسے مسلمان اُس بلندی سے نیچے آتا چلا گیا۔

معاملہ صرف 'دنیاوی کام' کو ـ اس کے تمام تر میدانوں سمیت ـ ''عبادت'' کے مفہوم سے باہر کر دینے پر بھی نہیں رکا...

ذرا دیکھئے یہ سلسلہ کہاں تک پہنچتا ہے:

یہاں تک کہ اَخلاق بھی ''عبادت'' نہ رہا!

عبادت کو ''شعائر'' میں محصور کر دینے کا یہ رجحان اس سے کہیں آگے بڑھا یہاں تک کہ ''اخلاق'' کو بھی عبادت کے دائرے سے باہر کر ڈالا...!

اِس دین کے عظیم ترین امتیازات میں اس کا اخلاقی نظام آتا ہے۔ یوں بھی اخلاق وہ جامع اور وسیع دائرہ ہے جو انسان کے جملہ معاملات کو اپنی زد میں لیتا ہے۔

انسان کی زندگی میں کوئی ایک بھی چیز ایسی نہیں جو اخلاق کے دائرۂ کار میں نہ آتی ہو۔ انسان کا رویہ وسلوک، اس کا فکر، اس کے احساسات وجذبات، میل جول، رہن سہن، سیاست، سماج، معیشت، آرٹ کوئی چیز ''اخلاق'' سے مستثنیٰ نہیں۔ انسان کی تمام سرگرمی کو دراصل اُس اخلاقی ضابطے سے پھوٹنا ہے جو اِس کے عہدِ اَلست میں گوندھ رکھا گیا ہے اور جس کی رو سے انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی خدا کے آگے اپنی بندگی اور عبدیت تسلیم کر آیا ہے:

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَعَلانِيَةً وَيَدْرَأُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد19-20)

بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص جو تمہارے رب کی اِس کتاب کو جو اس نے تم پر نازل کی ہے حق جانتا ہے، اور وہ شخص جو اس حقیقت کی طرف سے اندھا ہے، دونوں یکساں ہو جائیں؟ نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں۔ اور اُن کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ **اللہ کے ساتھ اپنے میثاق کو پورا کرتے ہیں، اُسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے**۔ اُن کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو بر قرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں بر قرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔

اس "میثاق" کی تفسیر خواہ وہ عہد ہو جو انسان عالم ارواح میں باندھ آیا ہے، یا وہ عہد جو ہر رسول اپنی قوم پر پیش کرتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے غیر کی عبادت سے دست کش رہیں (اور جو کہ اُسی پہلے والے عہد کی توثیق ہے):

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (الاعراف172)

اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انہوں نے کہا "ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں" یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ "ہم تو اس بات سے بے خبر تھے،"

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل36)

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبر دار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو"

اس "میثاق" سے جو بھی عہد مراد ہو، اہم چیز یہ ہے کہ یہاں "میثاق" کا اقتضاء ذرا تفصیل میں بیان کر کے دیا جاتا ہے۔ (مذکورہ بالا آیۃ الرعد)۔ اور یہاں آپ پر کھلتا ہے کہ بے شک یہ اعتقاد، رویے اور ذہنیت سے متعلقہ کچھ عظیم ترین امور پر مشتمل ایک چیز ہے مگر اپنی عمومی شکل میں یہ "میثاق" اعلیٰ درجے کی ایک اخلاقی تصویر ہے: (الَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَعَلانِيَةً وَيَدْرَأُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ .. "ایسے انسان جو **اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، اُسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے**۔ اُن کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بری طرح حساب نہ لیا جائے۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں"۔)

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اخلاقی پابندی کا اصل منبع کہاں ہے: "عبادتِ خداوندی"، جس سے پہلے خدا کی الوہیت اور محمد ﷺ پر اترے ہوئے ایک ایک لفظ کی صداقت پر یقین پختہ کرا لیا گیا ہو۔ یعنی ایک اعلیٰ اخلاقی تصویر رکھنا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر ایمان کا براہِ راست تقاضا ہوا۔

ان آیات سے، اور اس مضمون کی دیگر آیات سے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میثاق جس سے اسلام کی پوری اخلاقی بنیاد پھوٹ کر نکلتی ہے، ایک ایسی وسیع و برگزیدہ حقیقت ہے کہ تمام خوبصورت اعمال اسی کے فریم میں جڑ کر دیکھے جاتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاماً وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً وَالَّذِينَ لا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلا

يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَاناً إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَحِيماً وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَاباً وَالَّذِينَ لا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلاماً خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً (الفرقان63-76)

رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ کو آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔ جو دعائیں کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، جہنم کے عذاب سے ہم کو بچالے، اُس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے۔ وہ بڑا ہی برا مستقر اور مقام ہے"۔ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو مکرّر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عملی اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔ (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ جنہیں اگر اُن کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا"۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے آداب وتسلیمات سے اُن کا استقبال ہو گا۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے صبر کا پھل منزل بلند کی شکل میں پائیں گے آداب و تسلیمات سے اُن کا استقبال ہو گا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ .. (المومنون 1-11)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان والوں نے جو: اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ لغویات سے دور رہتے ہیں۔ زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔ اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں۔ جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث دیکھتے ہیں تو اخلاق کا ایمان سے ایک ایسا اٹوٹ رشتہ سامنے آتا ہے گویا اخلاق ہے تو ایمان ہے اور اخلاق نہیں تو ایمان بھی نہیں:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليحسن إلى جاره ، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليسكت (أخرجه مسلم)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ خوب بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

ما آمن بي من بات شبعان وجاره جوعان وهو يعلم .. (أخرجه الطبرانی)

نہیں ایمان لایا میرے ساتھ وہ شخص جو سویا اس حالت میں کہ اس کا اپنا پیٹ بھرا ہے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہے، جبکہ اسے اس بات کا علم بھی ہے۔

الإيمان بضع وسبعون (أو بضع وستون) شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله ، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق . والحياء شعبة من الإيمان (متفق عليہ)

ایمان ستر سے اوپر شعبوں پر مشتمل (ایک حقیقت) ہے۔ سب سے برگزیدہ شعبہ اس بات کاورد کرنا ہے کہ نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، اور اس کا کمترین شعبہ یہ ہے کہ آدمی راستے سے رکاوٹ ہٹادے۔ اور ہاں حیاء ایمان کا باقاعدہ شعبہ ہے۔

أربع من كن فيه كان منافقا خالصا ، ومن كان فيه خلة منهن كان فيه خلة من النفاق حتى يدعها : إذا حدّث كذب ، وإذا عاهد غدر ، وإذا وعد أخلف ، وإذا خاصم فجر (متفق علیہ)

چار خصلتیں ہیں، جس آدمی میں یہ ہوں وہ پکا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوئی، جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کردے: وہ جب بولے جھوٹ بولے۔ عہد کرلے تو غدر کرے۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔

سئلت عائشة - رضي الله عنها - عن خلق رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقالت : كان خلقه القرآن . (أخرجه مسلم)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی بابت دریافت کیا گیا تو ام المؤمنین نے جواب دیا: آپ ﷺ کا اخلاق خود قرآن ہی تھا۔

عن سفيان بن عبد الله الثقفي قال : قلت يا رسول الله قل لي في الإسلام قولا لا أسأل عنه أحدا بعدك ؟ (أو قال غيرك) قال : " قل آمنت بالله ثم استقم (أخرجه مسلم)

سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ سے روایت ہے، کہا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسلام میں مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو مجھے آپ کے بعد کسی اور سے نہ پوچھنی پڑے۔ فرمایا: کہو میں ایمان لایا اللہ پر، اور پھر اس پر ڈٹ کر دکھادو

غرض اس مضمون کی بے شمار احادیث۔

کتاب اور سنت کے اس پورے بیان سے یہ عیاں ہے کہ اس دین کے اجزائے ترکیبی میں "اخلاق" ایک نہایت مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز یہ کہ اخلاق کا تصور براہِ راست "ایمان" سے

پھوٹتا ہے، اور مومن کا اخلاق سے آراستہ ہونا عبادتِ خداوندی کی ایک نہایت عظیم صورت ہے۔ مومن کی زندگی میں "اخلاق" کوئی سرسری اور حاشیائی چیز نہیں۔ مومن اپنے وجود کی اِس جہت کو "عبادت" کے دائرۂ کار سے باہر کبھی نہیں سمجھتا۔

لیکن "عبادت" کا مفہوم جب سکیڑ دیا گیا، یہاں تک کہ اس کو "شعائر" میں محصور جان لیا گیا... تو (عقیدہ کی طرح) اخلاق بھی رفتہ رفتہ "عبادت" کے مفہوم سے باہر ہوتا چلا گیا... اس کا نتیجہ کیا رہا؟

نتیجہ یہ کہ... مسلم معاشرے میں یہ بات کسی کے کان کھڑے کر دینے والی نہ رہی کہ ایک آدمی مسجد کا باقاعدہ نمازی ہے بلکہ مسجد اس کی 'روٹین' ہے مگر پرلے درجے کا جھوٹا اور بددیانت ہے! ادھر رسول اللہ ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا گیا: کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ (أخرجه مالك في الموطأ)

نتیجہ یہ کہ... یہ بات کسی کو حیران تک نہیں کرتی کہ آدمی مسجد میں نماز پڑھ کر باہر آئے اور ٹھگی اور نوسربازی کرے! جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (من غشنا فليس منا "جو ہمارے ساتھ دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں") (أخرجه مسلم)

نتیجہ یہ کہ... یہ بات کسی کو متعجب نہیں کرتی کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ کر باہر آئے اور اپنی اس امانت یا ذمہ داری میں جو اس کو سونپ رکھی گئی ہے خیانت کرے۔ یا وعدہ خلافی کرے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے علاماتِ نفاق میں شمار فرمایا ہے۔

انہونی بات یہ نہیں کہ لوگوں میں اخلاقی قیود سے جان چھڑانے کے رجحانات پرورش پانے لگیں؛ کیونکہ اخلاقی قیود پر پورا اترنا اِلا ماشاء اللہ واقعتاً ایک مشکل کام ہے۔

انہونی بات یہاں پر یہ ہوئی ہے کہ اخلاق سے جان چھڑانے نہ چھڑانے کا "عبادت" سے کوئی تعلق متصور نہ ہو! بھائی عبادت کچھ مخصوص اعمال (شعائر) کا نام ہے، آپ وہ کر رہے ہیں تو عبادت تو ہو رہی ہے! ٹھیک ہے یہ اخلاقی خرابیاں ایک بڑی لعنت ہیں اور خود ہمارے واعظ

خدا کا شکر ہے کوئی خطبہ اس پر بات کیے بغیر نہیں چھوڑتے، مگر بھائی اس کو "عبادت" کے ساتھ خلط مت کریں، عبادت جس چیز کا نام ہے وہ بہر حال نماز روزہ اور ذکر اذکار اور وظائف وغیرہ ہی ہے!

یہاں تک کہ امت کے حق میں یہ شرمناک واقعہ پیش آیا کہ معاصر جاہلیت اپنا یہ امتیاز پیش کرنے لگی کہ روزمرہ معاملات میں اس کے ہاں سچ کا التزام زیادہ ہے! (جھوٹ کا سارا استعمال 'غیر روزمرہ' امور اور سیاسی ہتھکنڈوں کے لیے بچا رکھا جاتا ہے!) دیانتداری اسکے ہاں زیادہ ہے، کرپشن اور دو نمبری اسکے ہاں ہماری نسبت کم ہے، جبکہ ہماری یہ 'امتِ اسلامیہ'؟ الامان والحفیظ، سر تا پیر بد دیانتی، غبن، جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی!

یورپ—ہماری نظر میں—کسی حقیقی اخلاق کی حامل قوم نہیں...

مغرب کے ہاں روزمرہ معاملات میں جو چیز 'اخلاق' باور ہوتی ہے وہ ایک کاروباری اخلاق ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو مغرب نے چالاک یہودی سے سیکھی ہے۔ یہ یہودی جو دو صدی کے عرصہ میں یورپ کی پوری مارکیٹ پر چھا گیا... یورپ نے دیکھا یہ یہودی، گاہک کا دل موہ لینے کے لیے کمال خوش اخلاقی کا سہارا لیتا ہے، گاہک کو کھری چیز دینا اور اس کے ساتھ صاف ستھرے انداز سے پیش آنا کاروبار میں لمبا چلنے کا اصل گر ہے! اور کاروبار میں جھوٹ، ملاوٹ، دغابازی اور وعدہ خلافی اُس کی نظر میں وہ کاٹھ کی ہنڈیا جو ایک ہی بار چڑھتی ہے؛ اور جسے یہودی بنیا اپنے دیرپا اصولوں کے خلاف سمجھتا ہے! یہاں سے یورپ نے بھی 'کارباری اخلاقیات' کو اپنا 'پیٹنٹ اصول' بنایا اور اسی پر اپنے بچوں کی تربیت شروع کر دی۔ بلاشبہ ان کے درسی نصابوں اور تعلیمی نظاموں میں اس (pregmatic morality) پر خاطر خواہ محنت اور توجہ ہوتی ہے اور بلاشبہ اس کے اثرات ان کے معاشرے اور ان کی روزمرہ زندگی میں خاصے عام ہیں۔

البتہ ظلم یہ کہ وہ اس کو 'تہذیبی اقدار' کا نام دیتے ہیں...!

مگر ہم اس کو 'اخلاق' اور 'اقدار' کے تحت نہیں بلکہ "کاروباری اصولوں" کے تحت درج کرتے ہیں۔ آج بھی مغرب کا دِین وہی سرمایہ داری ہے۔ آج بھی اُس کے دین میں 'روپیہ

سب سے بڑا' ہے۔ 'منافع' آج بھی اس کے دین کا عظیم ترین ستون ہے۔ اُس کے ہاں سچائی اور امانت وغیرہ ایسے فضائل وغیرہ خود اپنی ذات میں فضائل نہیں بلکہ 'کامیاب زندگی' کا راز ہیں اور 'دیرپا منافع' کا ایک موثر ذریعہ! دینِ سرمایہ داری کے جملہ معیارات یہود کے دیے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں مسئلہ 'کامیاب زندگی' اور 'دیرپا منافع' سے متعلق نہ ہو اور جہاں سچائی اور ایمانداری کچھ مہنگی پڑ جاتی ہو وہاں دیکھئے اسی 'اخلاق' نامی چیز کے کیونکر بخئے ادھڑتے ہیں! اس کے مظاہر دیکھنے ہوں تو 'قوموں' کے ساتھ معاملہ کرنے میں دیکھئے، خصوصاً قوموں پر ''استعمار'' کے شکنجے کسنے میں! یعنی گورے کے 'اخلاق' دیکھنے ہوں تو وہاں دیکھئے جہاں معاملہ غیر گوری چمڑی کے ساتھ ہو!

البتہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو یہاں ''اخلاق'' خود اپنی ذات میں ایک فضیلت ہے۔ یہاں؛ اخلاق کو 'کامیاب زندگی' یا 'دیرپا نفع' کے فریم میں رکھ کر دیکھنا ابکائی لے آنے والی چیز ہے۔ یہاں؛ اخلاق کا تعلق انسان کے اُس ''عہد'' اور اُس ''میثاق'' سے ہے جو یہ عالم اَرواح میں اپنے خالق کے ساتھ باندھ آیا ہے اور جو کہ اس کی ''احسنِ تقویم'' کا حصہ ہے اور جو کہ ''عبادتِ خداوندی'' کی اساس پر قائم ہے۔ یہ ہے اصل ''تہذیبی قدر''۔ اسکی آفاقیت اسکو ایک غیر متبدل انسانی قدر بناتی ہے؛ کیونکہ یہ 'ملکوں' اور 'قوموں' کا فرق نہیں جانتی؛ مسلمانوں کی اخلاقی دیانت کافر کے ساتھ بھی عین اُسی طرح پوری اترتی ہے جس طرح کہ مومن کے ساتھ؛ کیونکہ ''اخلاق'' ہمارے ہاں ایک ازلی وآفاقی قدر ہے۔

چنانچہ جس وقت یہ امت جہان میں اپنے ''ایمان'' اور ''دین'' کے حوالے سے جانی جاتی تھی، اور ''عبادت'' کے درست تصور پر قائم تھی، اور جب ''اخلاق'' اس کی نظر میں باقاعدہ اُس ''عبادت'' کا حصہ تھا جو خدا کی جانب سے اُس کے مومن بندوں پر فرض کر رکھی گئی ہے... اُس وقت یہ امت جہان میں معجزات کرتی رہی ہے!

آپ حیران رہ جاتے ہیں نصف صدی سے کم عرصہ میں اسلام کی قلمرو مشرق میں ہند سے لے کر مغرب میں بحر اوقیانوس تک چلی جاتی ہے! اِس سرعت، اِس شان، اور اِس ہیبت اور

جلال کے ساتھ کوئی دین اور کوئی نظریہ پھیلتا دنیا کے اندر کبھی دیکھا ہی نہیں گیا! پھر؛ اس حیرت انگیز توسیع کا ماحصل صرف "زمین" نہیں تھا۔ اِس بات کو جھٹلانا تاریخ کے کسی طالبعلم کے بس میں نہیں کہ: مسلمان جس وقت جزیرۂ عرب سے نکلے تھے اُس وقت "زمین" دور دور تک ان کی طلب نہ تھی۔ مسلمانوں کی کوئی طلب تھی تو وہی جو رستم کے دربار میں ربعی بن عامر کی زبان پر بے ساختہ بیان ہوتی ہے: الله ابتثعنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله ، ومن جور الملوك إلى عدل الإسلام، ومن ضيق الدنيا إلى سعة الدنيا والآخرة "ہمیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر برپا فرمایا ہے، یہ مشن دے کر کہ اُس کے حکم سے ہم عباد کو عباد کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت میں لائیں، نیز بادشاہوں کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل میں لائیں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیاوآخرت کی کشادگی میں لائیں"۔

پھر عملاً بھی... اس طوفانی پیش قدمی کا ماحصل "زمین" نہیں رہا تھا بلکہ "قلوب" تھے جو بہت جلد خدا کے نور سے ہدایت پانے لگے اور جوق در جوق دینِ خداوندی میں داخل ہوتے چلے گئے۔

یہ ناقابل یقین "تبدیلی" جو کرۂ ارض کے ایک وسیع وعریض خطے میں رونما ہو رہی تھی نہ تو فاتحین کے خوف اور دہشت کے زیر اثر ہو رہی تھی اور نہ کسی زبردستی کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں نے ان اقوام کو جان، مال اور دین کی پوری امان دے رکھی تھی؛ جس کا مشاہدہ دنیا آپ اپنی آنکھوں سے کرتی رہی۔ اسلام کے زیر سایہ لوگوں کو اپنے دین پر رہنے کی آزادی کس واضح انداز میں حاصل رہی، اس کا ثبوت دینے کو آج بھی وہ طبقے موجود ہیں جو اِن خطوں کے اندر صدیوں سے بستے چلے آئے ہیں اور آج تک مسلمانوں کے دین میں داخل نہیں ہوئے۔

تو پھر وہ کونسی چیز تھی جو فاتحین کے لیے مفتوح اقوام کے دیدہ ودل فرشِ راہ کرواتی چلی گئی تھی؟ سب سے پہلے اور سرِ فہرست، یہ فاتحین کے "اخلاق" تھے جو دراصل ایک عکس تھا اخلاقِ رسول اللہ ﷺ کا! اخلاقِ نبویؐ کی ایک جھلک دنیا اُس وقت مسلمان کے اخلاق میں دیکھ رہی تھی! پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس پر فریفتہ نہ ہوتی! وہ نبیؐ جس کو آسمان سے سند دی گئی:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم 4)

اے نبی! یقیناً آپ اخلاق کے بلند رتبے پر ہیں

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران 159)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے نبی! تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے چھٹ جاتے

یہ معجزہ صرف اتنا نہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز طوفانی توسیع تھی، اور نہ صرف یہ کہ لاکھوں کروڑوں انسان آپ اپنے شوق سے 'فاتحین' کے دین میں داخل ہوئے، اور نہ صرف یہ کہ یہ نو مسلم ('مفتوح') اقوام خود بھی دنوں کے اندر اِس دین کی وفادار سپاہ بن گئیں اور اِس کے نشر واقامت کے لیے 'فاتحین' کے شانہ بشانہ "میدانِ جہاد" میں جا اتریں، جس کے لیے ان اقوام پر فاتحین کی طرف سے نہ ذرہ بھر دباؤ تھا اور نہ کوئی ادنیٰ ترین زبردستی... بلکہ یہ معجزہ اس حد تک پہنچا... یہ قومیں 'فاتحین' پر اور ان کی ایک ایک چیز پر یوں فدا ہوئیں... کہ اپنی زبان اور اپنا رہن سہن تک بھول گئیں! یہاں رضاکارانہ 'فاتحین' کی زبان اور انہی کا رہن سہن اختیار کر لیا گیا؛ جس کے لیے اِن اقوام پر کوئی دباؤ تھا اور نہ زبردستی۔ اور یہ آخری بات تو اس قدر زورآور اور ناقابل مزاحمت رہی کہ اپنے آبائی دین پر برقرار رہنے والے طبقے بھی یہاں عربی زبان اور عربی رہن سہن اختیار کر گئے۔ آج آپ شام، عراق، مصر اور سوڈان سے لے کر لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش تک جا کر دیکھ آیئے؛ یہاں کے عیسائی بھی آج صرف اور صرف عربی بولتے ہیں اور اپنی وہ زبانیں جو وہ اسلامی فتوحات سے پہلے کبھی بولتے ہوں گے، یکسر بھلا چکے ہیں! یہاں تک کہ اِن خطوں کے اندر نصاریٰ اپنے مذہبی مراسم اور عبادات "عربی" میں ادا کرتے ہیں!

پھر براعظم ایشیا اور افریقہ میں ملکوں کے ملک آپ ایسے پاتے ہیں جہاں اسلام نے غالب آنے کے لیے تلوار سرے سے استعمال نہیں کی؛ اسلام وہاں محض کچھ مسلم تاجروں کی آمدورفت کے نتیجے میں پھیلا! لطف کی بات یہ کہ یہ تاجر وہاں "دعوت" کے لیے نہیں بلکہ معمول کی "تجارت" کے لیے جایا کرتے تھے!!! ہاں مگر یہ وہ زمانہ تھا جب

مسلمان کے "اخلاق" اسلامی تھے؛ اور یہ مسلمان کے پاس پائی جانے والی ایسی سحر انگیز چیز تھی کہ یہ اقوام اسی کو اپنا دل دے بیٹھیں! نبی ﷺ سے سیکھے ہوئے اخلاق ہے ہی ایسی نایاب سوغات! اس کی تاب لانا قوموں کے لیے ممکن ہی نہیں! وہ دین جو ایسے اعلیٰ اور شان دار اخلاق پیدا کراتا ہے خود کیسا اعلیٰ اور شان دار ہو گا! یہ ایک چیز تھی جو ان اقوام پر اِس دین کا حسن منکشف کروانے لگی اور... یہاں بھی شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے!

تو پھر دیکھ لیجئے... یہ مسلمانوں کے اخلاق ہی تھے جو کبھی لوگوں کو اسلام میں لانے کا موجب تھے، اور آج یہ مسلمانوں کے اخلاق ہی ہیں جو خدا کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں!

جبکہ ادھر حالت کیا ہو گئی ہے؟ یورپ اور اس کے بطن سے جنم لینے والا پورا مغرب آج اُس پریشان حالی کے عروج پر ہے جس کی قرآن مجید میں وعید سنا رکھی گئی ہے (وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (طٰہ 124) "اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے")۔

یہ من کی ویرانی ہے جس کا کوئی مداوا اس مادی وسائنسی وٹیکنالوجی، ومعاشی وسماجی ترقی کے بس میں نہیں ہے۔ بلکہ "خود کفیل معاشروں" سے بڑھ کر وہاں کے وہ معاشرے جو "سرپلس" میں جا چکے ہیں ان کے ہاں یہ من کی ویرانی اور پریشان حالی 'خود کفیل' معاشروں کی نسبت اور بھی بڑھ کر ہے! تصور تو کیجئے سب سے زیادہ کھاتی پیتی قومیں سب سے بڑھ کر نفسیاتی آلام میں گرفتار! اضطراب، بے چینی، حواس باختگی، تشنج، بے خوابی، اعصابی امراض، ڈیپریشن کے دورے، پاگل پن، خود کشی، شراب نوشی، منشیات، جرائم، بدفعلی اور فطرت کا مسخ ہوتے چلے جانا... اِس 'ترقی' اور 'آسودگی' کے نہایت عام تحفے ہیں؛ جہاں جثہ سب سے زیادہ فربہ، وہاں روح سب سے بڑھ کر تار تار!

اس ہولناک صورتحال سے نکلنے کے لیے آج اُن کو کوئی راہ تک سجھائی نہیں دیتی۔ لوگ طرح طرح کے خبط مار رہے ہیں۔ دل کی اس ویرانی سے پناہ پانے کے لیے کوئی بدھ مت کا رخ کرتا ہے، کوئی کرشنا کی پوجا میں، تو کوئی کہیں خبط مارتا ہے...

البتہ جس کو اسلام مل جاتا ہے اُس کا اطمینان اور چین تصور سے باہر ہے! (لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ)۔ ہزاروں لوگ ہر سال مغرب میں اسلام قبول کر رہے ہیں...

مگر جس طرح کی ویرانی آج وہاں پر ہے... ہم کہتے ہیں یہ 'ہزاروں' کب کے 'لاکھوں' میں بدل چکے ہوتے بشرطیکہ وہ بہت سے عوامل نہ پائے جا رہے ہوتے جو آج یورپین کے قبولِ اسلام میں مانع ہیں، جن میں سے ایک صلیبی بغض بھی یقیناً ہے، نیز ''دین'' سے ان کا متنفر ہونا جس کے پیچھے کلیسا کا وہ کردار ہے جو اس نے دین کا تصور مسخ کرنے میں ادا کیا اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو ''دین'' کے نام سے ہی ہول آنے لگ گیا... مگر اُن کے اسلام کے قریب نہ آنے میں ایک بڑا کردار مسلمانوں کی اپنی حالت ہے۔

داعیانِ اسلام اقوامِ مغرب کو اسلام کی بابت جو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بات بتائیں وہ زبانِ حال یا زبانِ قال سے بہرحال یہی کہتے ہیں کہ تمہارے پاس اگر واقعی کوئی ایسا خوبصورت دین ہے تو تمہارا اپنا معاملہ اس قدر بدصورت کیوں ہے؟! یہ کرپشن، جھوٹ، دھوکہ دہی، دو نمبری، وعدہ خلافی، آپس کی بدسلوکی، اختلاف اور نزاع، یہاں تک کہ کسی ایک چیز پر اکٹھے نہیں ہو سکتے!

یوں ہم مسلمان ہی دعوتِ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں انسان صرف ہماری وجہ سے اسلام سے دور ہیں!

اس کے باوجود... یہ سب دیکھ کر افسوس ضرور کر لیا جائے گا، سرد آہیں ضرور بھر لی جائیں گی، مگر ''اخلاق'' اور ''عبادت'' رہیں گے دو الگ الگ دائرے! یعنی اخلاق کو ''توحید'' اور ''عبادت'' کا جزوِ اصیل بہرحال نہ مانا جائے گا!

مجھے ابھی تک یاد ہے ایک نامور علمی شخصیت، جن کی دعوتی مساعی کی میں دل سے قدر کرتا ہوں، یونیورسٹی میں کسی طالبعلم کے تھیسس کے نگران تھے۔ نوجوان نے تھیسس میں لا الٰہ

الا اللہ اور اخلاق کے مابین گہرا رشتہ قائم کیا تھا، جس پر حضرت نے سرزنش فرمائی: یہ تم لا الٰہ الا اللہ سے اخلاق کا رشتہ کہاں سے نکال لائے؟ بھائی یہ عقیدہ ہے اور اسکا دائرہ جو ہم نے آج تک پڑھا ہے وہ ہے: الٰہیات، نبوات اور سمعیات... اور بس!

جی ہاں! اخلاق، سلوک اور روزمرہ رویوں، بلکہ آپ کہنا چاہیں تو "عملی زندگی" کی یہی حیثیت ہے۔ اس کا "عقیدے" اور "عبادت" سے کیا تعلق؟ اخلاق بڑی اچھی چیز ہے، لیکن آپ اس کو عقیدے اور عبادت کے ساتھ کیوں الجھا رہے ہیں...؟ آپ نے لا الٰہ الا اللہ بول دیا، یہ ایمان ہوا۔ آپ نے نماز روزہ وغیرہ شعائر ادا کر لیے، یہ عبادت ہوئی۔ باقی اشیاء کہاں سے لے آئے؟! ویسے؛ ہم بھی "اخلاق" کو خارج از حساب تھوڑی ٹھہرا رہے ہیں، کیا کوئی خطبہ، کوئی وعظ، کوئی تقریر ایسی ہے جس میں ہم 'اخلاق' کی فضیلت و اہمیت پر بات نہ کرتے ہوں! یہ الگ بات کہ 'اخلاق' پر گفتگو فرمانے سے پہلے اور گفتگو فرما دینے کے بعد ہمیں یقین پورا ہوتا ہے کہ ہے یہ محض ایک 'وعظ' جسے ہمیشہ کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جانا ہے، پھر بھی ہم وعظ سے بڑھ کر کیا کر سکتے ہیں، خدا کو منظور ہوا تو کسی دن لوگوں پر اس کا اثر ہو جائے گا!

کیا خیال ہے جس دن ہم نے اخلاق کو "شُعَبِ ایمان" سے خارج ٹھہرایا، اُس دن ہم نے "ایمان" کے کتنے شعبے منہدم کر ڈالے؟![15]

اور آخر... شعائرِ عبادت سے بھی "عبادت" کو نکال دیا گیا!

بعد کی نسلوں میں جب عبادت کا مفہوم 'نماز روزہ' میں قید ہو گیا...؛ جس کے نتیجے میں سب 'روزمرہ کار' عبادت سے باہر! خواہ وہ "روزمرہ کار" مسلمانوں کے امور میں سیاسی شرکت ہو، یا سماجی، یا اقتصادی... اسی طرح "اخلاقیاتِ لا الٰہ" بھی عبادت کے مفہوم سے باہر... دوسری

(15) حدیث میں ہے: الإيمان بضع وسبعون شعبةً. "ایمان ستر سے اوپر شعبوں پر مشتمل ایک حقیقت ہے"۔

جانب معاصی (گناہوں، خدا کی نافرمانیوں) کی بہتات ہونے لگی، فسق وفجور، انحرافات اور ظلم وفساد عام ہوگئے... تو یہاں سے مسلم معاشرے کے نیچے لڑھکنے کا عمل تیزی اختیار کر گیا۔

"عبادت" جو مسلسل سکڑ رہی تھی اور 'شعائر' پر آکر رک گئی تھی؛ یہاں پہنچ لینے کے بعد اب اور بھی سمٹنے لگی . . .

سب سے پہلے؛ یہ 'شعائر' بذاتِ خود سمٹنے لگے:

کتاب وسنت کی رو سے، نیز دستورِ سلف کی رو سے، شعائر میں سے ایک ایک عمل ایک خاص غایت کو پورا کرانے کے لیے تھا، اور ہر ایک کے اپنے مطالبے اور تقاضے۔ نفس پر ہر عبادت کے اپنے خاص اثرات اور نتائج مرتب ہوتے تھے:

نماز کی بابت فرمایا: وَأَقِمِ الصَّلاةَ **إِنَّ الصَّلاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ** (العنکبوت 45) "اور نماز قائم کرو، **بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے**"

روزے کی بابت فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (البقرة 183) "اے وہ لوگو جو ایمان لائے! فرض کیے گئے تم پر روزے جس طرح یہ فرض کیے گئے تھے تم سے پہلوں پر، **تاکہ تقویٰ اختیار کرلو**"

جبکہ حدیث میں اس حد تک صریح الفاظ آئے: **من لم يَدَع قولَ الزّورِ والعملَ به** فلا حاجةَ لله بتركه طعامه وشرابه (أخرجه البخاری) "**جو شخص جھوٹ ناحق بات کہنے اور اس پر چلنے سے باز** نہیں آتا تو اللہ کو کوئی حاجت درپیش نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے"۔ **نیز فرمایا:** رُبّ صائم ليس له من صيامه إلا الجوع والعطش (أخرجه أحمد وابن ماجة) "کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کے حصے میں اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ آنے والا نہیں"۔

زکاۃ کی بابت فرمایا: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً **تُطَهِّرُهُمْ** وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (التوبة 103) "ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) **پاک** اور (باطن میں بھی) **پاکیزہ** کرتے ہو"

جبکہ حدیث میں **فرمایا:** أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا ، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: "يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا، إني بما تعملون

عليم" وقال: "يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم" ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء : يا رب ! يا رب ! ومطعمه حرام ، ومشربه حرام ، وملبسه حرام ، وغذي بالحرام . فأنّى يستجاب لذلك ؟! (أخرجه مسلم) "لوگو اللہ پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاک کو۔ اور اللہ تعالیٰ نے عام مومنوں کو بھی اُسی چیز کا مامور کیا جس کا اُس نے اپنے رسولوں کو مامور کیا، چنانچہ فرمایا: "**اے رسولو کھاؤ پاکیزہ اشیاء سے، اور عمل کرو اچھے، تم جو کرو میں بے شک اس کو جاننے والا ہوں**" اور فرمایا: "**اے ایمان والو کھاؤ ہماری عطا کردہ پاکیزہ اشیاء سے**"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، پراگندہ زلف اور گرد میں اٹا ہوا، (یوں بدحال) آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتا ہے: یا پروردگار! یا پروردگار! جبکہ اُس کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کا پہناوا حرام کا، وہ پلا رزقِ حرام سے؛ تو پھر اس کی دعاء کہاں سے قبول ہو!؟"

جبکہ حج کے بارے میں فرمایا: **الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلا رَفَثَ وَلا فُسُوقَ وَلا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ** (البقرة 197) "حج کے مہینے مقرر ہیں اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ جنسی میل ملاپ، گناہ اور لڑائی جھگڑے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اور (حج پر نکلتے وقت) اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، **سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو**"۔ اور فرمایا: **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ**

الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ (الحج 27-37) "اور لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو کہ تمہاری پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور دراز رستوں سے چلے آتے ہو (سوار ہو کر) چلے آئیں۔ **تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔** اور (قربانی کے) ایام معلوم میں چہار پایاں مویشی (کے ذبح کے وقت) جو خدا نے ان کو دیے ہیں ان پر خدا کا نام لیں۔ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ اور **فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ۔** پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔ یہ (ہمارا حکم ہے) **جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔** اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں۔ سوا ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں **تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ صرف ایک خدا کے ہو کر اس کے ساتھ شریک نہ ٹھیرا کر۔** اور جو شخص (کسی کو) خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اُڑا کر پھینک دے۔ (یہ ہمارا حکم ہے) **اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔** ان میں ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے فائدے ہیں پھر ان کو خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) تک پہنچانا (اور ذبح ہونا) ہے۔ اور ہم نے ہر اُمت کے لئے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چارپائے خدا نے ان کو دیئے ہیں (ان کے ذبح کرنے کے وقت) **ان پر خدا کا نام لیں۔ سو تمہارا معبود ایک ہی ہے تو اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے (اس میں سے) (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔** اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے

لئے شعائر خدا مقرر کیا ہے۔ ان میں تمہارے لئے فائدے ہیں۔ تو (قربانی کرنے کے وقت) قطار باندھ کر ان پر خدا کا نام لو۔ جب پہلو کے بل گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور **قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ**۔ اس طرح ہم نے ان کو تمہارے زیر فرمان کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ **خدا تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون۔ بلکہ اس تک تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح خدا نے ان کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اس نے تم کو ہدایت بخشی ہے اسے بزرگی سے یاد کرو**۔ اور (اے پیغمبر) نیکو کاروں کو خوشخبری سنا دو"۔

جبکہ حدیث میں فرمایا: والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة (متفق عليه) "وہ حج جو گناہ و معصیت سے سلامت رہا، جنت سے کم اس کی کوئی جزا نہیں"۔ نیز فرمایا: من أتى هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق ، رجع كما ولدته أمه (متفق عليه) "جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے، اور اس دوران جنسی ملاپ اور گناہ سے دور رہے، تو وہ یوں (پاک صاف) لوٹے گا جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا"۔

اِن سب آیات اور احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ "عبادات" بذاتِ خود کچھ ایسے مطالبات اور تقاضے رکھتی ہیں جن کا تعلق روزمرہ حیات سے ہی۔ یعنی یہ (عبادات) ایسی چیز بہر حال نہیں ہیں کہ آپ نے ان کو 'ارکان و شروط و واجبات و مستحبات سمیت' ادا کر دیا تو بس وہ ادا ہو گئیں؛ خود ان "عبادات" کے ساتھ کچھ نجی و سماجی مطالبات نتھی کر رکھے گئے ہیں۔ خود انہیں کچھ لازمی آثار و نتائج کا پابند کر دیا گیا ہے؛ یوں کہ یہ آثار و نتائج پائے جائیں تو یہ "شعائرِ تعبُّد" اپنے حقیقی معنٰی میں پائے جائیں گے، بصورتِ دیگر نہیں پائے جائیں گے۔ اس لحاظ سے "شعائرِ تعبُّد" خود بھی مسلم زندگی اور مسلم معاشرے میں باقاعدہ ایک کردار رکھتے ہیں، اور یہ کردار ادا ہوئے بغیر اِن کا "ادا ہو جانا" ہرگز متصور نہیں۔ یعنی "عبادات" معاشرے کے اندر خود ایک بڑے فریم میں فٹ ہوئے بغیر نہیں رہتیں؛ مذکورہ بالا آیات اور احادیث اس معنٰی پر نہایت صریح ہیں۔

درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن عبادات کے ذریعے سے اِس امت سے اپنی پرستش کروانا چاہی ہے، اور اللہ رب العزت اپنی مرضی میں آزاد ہے کوئی اُس کو پوچھنے اور ٹوکنے والا نہیں

ہے (لا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء23) "وہ جو کرے کسی کو جوابدہ نہیں، اور سب اُس کے آگے جوابدہ ہیں") کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی ایسی صورت یا ہیئت کو ذریعۂ پرستش بنائے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر فرض یا مستحب نہیں ٹھہرایا۔ ہم بلاشبہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ "عبادات" آپ اپنی ذات میں مقصود ہیں اور کوئی چیز ان کا قائم مقام نہیں۔ آدمی خواہ آسمان سے تارے کیوں نہ توڑ لائے، اور اپنی ایجاد کردہ کسی (مبنی بر بدعت) صورت میں خدا کو خوش کرنے پر اپنا پورا زور کیوں نہ صرف کر دے؛ خدا کا مطالبہ "عبادت" کی یہی صورتیں اور ہیئتیں ہیں جو اُس نے آپ اپنی جناب سے مشروع ٹھہرا دی ہیں...

تاہم یہ بھی اپنی جگہ پر واضح ہے – جس پر آیات و احادیث صراحت کے ساتھ شاہد ہیں؛ اور یہ محض ہمارا یا کسی کا استنباط اور اجتہاد نہیں[16] – کہ ان عبادات کی اپنی کچھ غایتیں بھی ہیں جن کو خود شریعت نے ہی ان کے ساتھ نتھی کر دیا ہے، اور یہ غایتیں ان عبادات کے ماسوا کوئی چیز ہے، اور جس کا تعلق آدمی کی روزمرہ حیات کے ساتھ ہے۔ جو کہ اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ "عبادات" کا آپ اپنی ذات میں مقصود ہونے کا وہ معنیٰ بھی درست نہیں جو یہاں کی ایک بیشتر تعداد لے رہی ہے، اور جس کی رو سے "عبادات" کا زندگی میں کردار "ادائے عبادت" کے تصور سے منہا کر دیا گیا ہے۔ ایک عبادت اپنے وہ اثرات نہیں دے رہی اور انسان کی زندگی میں وہ غایتیں پوری نہیں کر رہی جس کے لیے وہ خدا کی جانب سے مشروع ٹھہرائی گئی ہے تو اس کو 'ادا' متصور کرنا "عبادت" کا ایک نہایت غلط تصور ہے۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی پرستش کے لیے بندوں پر یہ عبادات فرض ٹھہرائی ہیں، اور اس سے اس کا مقصد محض یہ دیکھنا ہے کہ کون بن دیکھے اُس کی اطاعت اختیار کرتا ہے اور کون اُس کی نافرمانی پر اڑا رہتا ہے، اور یہ کہ یہ سرے سے ضروری نہیں کہ ان عبادات اور ان

---

(16) عبادات کی غیر منصوص حکمتوں کو جاننے کے لیے کسی وقت استنباط اور اجتہاد کا سہارا بھی لیا جاتا ہے، یہ درست ہے۔ مگر نص خود ہی ایک عبادت کا مقصد یا غایت بیان کر رہی ہو وہاں کونسا استنباط اور اجتہاد؟

کی ہیئتوں اور نصابوں کے مقرر ٹھہرائے جانے کے پیچھے کارفرما حکمتوں کو بشر سمجھ تک سکے، کیونکہ یہ حکمتیں خدا ہی کے جاننے کی ہیں... یہ کہنا، فی ذاتہٖ درست ہونے کے باوجود، وہ پوری بات نہیں جو اِس باب میں کہنے اور جاننے کی ہے۔ "عبادات" کی قیمت اور حیثیت اور معنویت اس سے کہیں بڑھ کر ہے...

کیوں؟

جب خدا نے خود ہی ان عبادات کو فرض کرنے کے پیچھے کارفرما حکمت یا اس حکمت کا کوئی ایک جزء بیان فرما دیا ہے... تو ہم مجاز نہیں رہ جاتے کہ اللہ یا اُس کے رسول کی منصوص کردہ ایک حکمت کو کالعدم ٹھہراتے پھریں اور اس عبارت کو کسی مطلق قاعدے کے طور پر نشر کریں کہ 'یہ عبادات بجائے خود فرض ہیں؛ اور ان کے پیچھے یا ان کے ذریعے کچھ اور مقصود نہیں'!

بجائے خود فرض ہیں، بالکل درست۔ مگر **برائے خود** فرض نہیں ہیں۔ یہ عبادات برائے خود بھی فرض ہیں اور ان غایتوں اور مطالبوں کی خاطر بھی فرض ہیں جو ان کے ساتھ نتھی ہیں۔ پس جب ہم ان کو 'برائے خود' کی بنیاد پر لے رہے ہوں گے اور ہمارا ان کو ادا کرنا بھی اسی چیز تک محدود ہو گا جبکہ وہ غایتیں اور مطالبے جو شریعت نے ان کے ساتھ نتھی کر رکھے ہیں ہماری نظر سے اوجھل ہوں گے... تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہم وہ "عبادت" ادا کر رہے ہیں جو خدا نے ہم پر فرض کر رکھی ہے؟!

یہ ہے وہ قضیہ جس سے دورِ آخر کی یہ مسلمان نسلیں بے خبر ہیں۔ یعنی ایک ظلم یہ کہ "عبادت" کو 'شعائرِ عبادت' میں محصور کیا، اور دوسرا ظلم یہ کہ "شعائر" کو محض 'ادائیگی' میں محصور کر دیا...!

یہ درست ہے کہ "عبادت" کا یوں سکڑتا چلا جانا جن آثار اور نتائج کا باعث بنا، وہ لوگوں کو کھلتے بھی بہت رہے ہیں۔ خصوصاً عبادات کا اپنے تقاضوں کے بغیر پایا جانا، بلکہ ان تقاضوں کے برعکس امور کا جنم لیتے چلے جانا... لوگوں کے ہاں باعثِ تنقید رہا ہے۔ آدمی کا نماز پڑھنا مگر بے حیائی اور منکرات سے باز نہ آنا، روزے رکھنا مگر برائی چھوڑنے کا نام نہ لینا، زکاۃ دینا مگر حرام

حلال کا فرق بالائے طاق کیے رکھنا، 'حاجی' کی زندگی میں تقویٰ اور خدا کی یاد اور خشیت میں گھلنے (اِخبات) کا نام ونشان تک نہ ہونا اور جھوٹ ناحق (قول الزور) بول جانے میں اس کو ذرہ بھر تردد نہ ہونا... یہ سب کچھ لوگوں کے ہاں باعثِ تنقید ضرور رہا ہے، کیونکہ انسانی فطرت ایسے تناقضات کو قبول کرنے پر تیار ہی نہیں ہو سکتی...

لیکن لوگوں کے ہاں ان رویوں پر تنقید ہو جانا اور فطرت کا اس بات کو ہضم نہ کر پانا ایک نہایت ناکافی چیز ہے۔ یہ وہ چیز نہیں جو ایسے بڑے انحراف کو معاشرے سے ختم کروا سکے۔ وہ اصل مسئلہ جس کی وجہ سے اس گھمبیر صورتحال نے جنم لیا اپنی جگہ باقی ہے۔ محض فطری کراہت اس پر کڑھنے کا عمل تو جاری وساری رکھ سکتی ہے مگر اس کو بنیاد سے ہاتھ ڈالنا اور اساس سے اس کی تصحیح کر دینا خود 'مصلحین' کے ہاں روپوش ہے۔ اس مسئلہ کی فکری الجھنیں جوں کی توں باقی ہیں اور عالموں اور داعیوں کے دور کرنے سے ہی دور ہوں گی۔ لوگ اس پر کڑھ سکتے ہیں؛ اس کو ایک مختلف نظر سے دیکھ نہیں سکتے۔ ''عبادت'' لوگوں کی نظر میں بجائے خود یہی ہے کہ یہ 'شعائر' میں قید کوئی چیز ہے، جبکہ 'شعائر' وہ چیز جو کچھ 'شروط، ارکان، واجبات اور مستحبات' کی صورت میں 'ادا' ہو جاتی ہے! یعنی یہ سب لوگ جو 'عبادات' اور 'منکرات' کو یکجا دیکھ کر پریشان ہوتے اور اس پر جلتے بھنتے ہیں، وہ بھی سمجھتے یہی ہیں کہ 'نماز روزہ' کی صورت میں لوگوں کے ہاں ''عبادت'' تو بہر حال ادا ہو رہی ہے!

حالانکہ یہ ''عبادت'' کب کر رہے ہیں؟ یہ تو کچھ 'شعائر' ادا کر رہے ہیں۔ کہاں ''عبادت'' کرنا اور کہاں محض کچھ 'شعائر' پورے کر دینا!

اسلامی عبادات میں تو کوئی ایک بھی عبادت نہیں جس کی بابت شریعت کا کل مطلوب یہ ہو کہ بس وہ 'ادا' کر دی جائے...

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ محض 'شعائر' ادا کرنے سے دنیا کی زندگی میں آدمی کو ''اسلام'' کا ظاہری سرٹیفکیٹ مل سکتا ہے اور دنیوی اعتبار سے اس پر ''مسلم'' کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں۔ لیکن محض شعائر ادا کرنا (اپنی غایت اور معنویت کے بغیر) اللہ کے ہاں قبول نہیں۔

لا الٰہ الا اللہ کا آغاز کلمہ 'بول دینے' سے ضرور ہو جاتا ہے... مگر اس کو بول دینے سے وہ توحید متحقق نہیں ہو جاتی جو کہ "اسلام" کی اصل حقیقیت ہے، تاوقتیکہ آدمی ذہن، شعور، رویے اور سماجی کردار کی صورت حقیقتِ توحید کی پابندی اختیار نہ کرلے؛ اور جس کے لیے اُسے شرک سے دستبردار ہونا ہوتا ہے، نیز عبادت کے جملہ امور کو خدائے لاشریک کے لیے مختص کرنا، شعائرِ عبادت کو اُس ایک کے حضور پیش کرنا، اور زندگی کے جملہ امور میں اُس کی شریعت کو اپنا واحد دستور ٹھہرانا ہوتا ہے۔

نماز کا آغاز نماز 'ادا کرنے' سے ضرور ہو جاتا ہے۔ نماز کی وہ ہیئت جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر ٹھہرا رکھی ہے ادا ہونے سے اسلام کا ظاہری سرٹیفکیٹ وجود میں آجاتا ہے، مگر یہ سرٹیفکیٹ خدا کے ہاں تبھی کام دیتا ہے جب اس کے تقاضے اور غایتیں بھی اس کے ساتھ وجود میں آئیں اور اس کی نماز بے حیائی اور برائی کے مقابلے پر ایک بریک کا کام دینے لگے۔ یہ ہے عین وہ معنیٰ جو "نمازیوں" کو وعید سنانے کے پیچھے مضمر ہے، حالانکہ کہاں "نماز" ایسا صالح عمل اور کہاں وعیدِ عذاب ایسی روح فرسا چیز۔ (**فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ** الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ (الماعون 4-7) "**پس بربادی ہے نمازیوں کے لیے** جو اپنی نماز سے غافل ہیں، جو ریاکار ہیں اور (تنگ دل اتنے کہ) کسی کو تھوڑی سے چیز دینے پر تیار نہیں") جس کا مطلب یہی ہے کہ نماز ایک وہ ہے جس کے تقاضے ادا نہ ہوئے ہوں اور ایسا 'کارِ عبادت' وبال ہے، جبکہ ایک وہ نماز ہے جس کے تقاضے بھی اس کے ساتھ ادا ہو گئے ہوں اور یہ درحقیقت "کارِ عبادت" ہے۔

اور یہی معاملہ بقیہ سب عبادات کا ہے...

*****

یہ ابھی ہم نے عبادات سے ملحق غایتوں اور تقاضوں کے حوالے سے بات کی ہے۔ خود ان عبادات کی 'ادائیگی' کیونکر سکیڑ دی گئی، یہ کہانی باقی ہے...

عبادت کا مفہوم ایک بار سکڑا تو پھر سکڑتا ہی چلا گیا۔ یہ احساس ہی جب جاتا رہا کہ یہ وہ کل "عبادت" نہیں جو خدا کی جناب سے ہم پر فرض ٹھہرائی گئی بلکہ یہ "عبادت" کا یہ ایک قاصر اور

منحرف تصور ہے... یہ احساس ہی جب جاتا رہا تو کیا مانع تھا کہ "عبادت" کا تصور پھر اور سے اور سمٹتا چلا جائے؟!

قرنِ اول کا مسلمان عبادت کو شعائرِ عبادت میں محدود بے شک نہیں سمجھتا تھا مگر وہ ان شعائر کا ایک خصوصی اہتمام ضرور کرتا تھا۔ اُس کی نظر میں یہ اُس کی روز کی غذا تھی جس پر اُس کے ایمانی وجود کی گزر بسر تھی اور جس کے دم سے زمین پر اُس کی "حیات" ممکن تھی۔

نماز اُس کے تیئں - اور در حقیقت - خدا کے دربار میں روز کی حاضری تھی۔ روز خدا کے آگے گھگھیانا، لرزنا، دست پھیلانا، اپنی عاجزی اور محتاجی کا اعادہ کرنا اور اس کی بڑائی کے آگے گھلنا اور پسیجنا، غرض اس دربار میں حاضری سے آدمی پر جو حال اور کیفیت گزر سکتی ہے، اُس کا نام "نماز" تھا۔ خدا کو اپنے قریب پانا، خدا کی عین نگاہ میں ہونا... خدا کا ان کو دیکھنا جب وہ نماز کی جانب رخ کر رہے ہوں، پھر جب وہ نماز میں جا کھڑے ہوں، پھر جب وہ اُس کا کلام پڑھنے اور اُس کا کلام سننے میں محو ہوں، پھر جب وہ رکوع اور سجود اور تشہد اور قیام کی صورت حالتیں بدل بدل کر اپنی عبدیت، اپنی کم مائیگی اور اپنے فقر وفاقہ کا اظہار اور اُس کے جلال وپادشاہی کا بیان کر رہے ہوں، جسم کے سب جوارح کا اپنی تمام حرکات سے دستبردار ہو کر اُس کی جانب متوجہ ہو جانا، خدا جو ان کے دلوں کی دھڑکنیں سنتا، ان کی عاجزی اور خشوع کو پذیرائی بخشتا اور ان کی دعاؤں اور التجاؤں کو قبول فرماتا ہے... اِس احساس اور شعور کے ساتھ ہر چند ساعت بعد اُس خدا کے دربار میں جا کھڑے ہونا اور اُس کی اِس دین سے مالا مال ہو کر آنا نفس پر ایک حالت طاری کر دیتا۔ ایسی نماز ایک مسلمان کا یومیہ وظیفہ تھا جسے کم از کم پانچ بار دہرانا ہوتا البتہ زیادہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اِس "نماز" کی صورت روز قربت کی کچھ منزلیں طے ہوتیں اور برائی وبے حیائی سے فاصلے بڑھتے۔ نفس میں خدا اور رسول کی اطاعت کے لیے آمادگی بڑھتی؛ کیونکہ یہ اطاعت ہی اس کو دنیا اور آخرت میں خدا کے ہاں پذیرائی دلوانے اور قیامت کے مجمعِ عظیم کے دن سرخرو کروانے والی اصل حقیقت تھی...

روزہ اُس مسلمان کے تئیں–اور در حقیقت–عبادت کا ایک عظیم سیزن تھا،یعنی نیکیوں اور قربتوں کی بے تحاشا برسات...

'رمضان' دن کو بھوکا رہنے اور رات کو پیٹ بھرنے کا نام نہیں تھا!

یہ ایک سیزن تھا جس کے شروع ہونے سے پہلے وہ اسی طرح تیاری کرتے جیسے ایک مشاق تاجر اپنا سیزن لگانے کے لیے تیار ہوتا ہے، یا جس طرح ایک بادشاہ سے ملنے کا شائق بادشاہ کے دربار میں داخل ہونے سے پہلے تیاری کرتا ہے۔ رمضان کے لیے وہ جس راشن کا انتظام کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے پھر رہے ہوتے کا اُس کا نام تھا خشیت، انابت، توبہ، خشوع اور ذکر و فکر۔ اِس تیاری کے ساتھ وہ اپنے اِس سالانہ ریفریشر کورس کا آغاز کرتے اور پھر اس کے ایک ایک لمحے سے ایمان اور تقویٰ کی فصل لیتے چلے جاتے۔ شب کی ساعتیں قرآن میں غوطہ زن رہنا، اس کورس کا باقاعدہ حصہ تھا۔یوں قرآن کی شعاعیں ان کے قلوب کا گوشہ گوشہ روشن کر دیتیں۔

موسمِ صیام اُن کے لیے ایک نہایت ہمہ گیر عبادت لے کر وارد ہوتا۔ نفس سے میل کچیل یوں اترنے لگتی جیسے موسلا دھار بارش درخت کا ایک ایک پتہ دھو ڈالتی ہے۔ اُس کی زندگی جو سال بھر عبادت ہی سے پر رہتی اب تو یہاں عبادت اور روحانیت کا عجب سیلاب ہوتا۔ سال بھر کے معمولات جو زندگی میں ایک یکسانیت اور ٹھہراؤ لا چکے ہوتے یکسر بدل جاتے اور اِیمان و اِذعان کی ایک خاص مرتکز صورت دھار لیتے۔ معمولات کا بدلنا جس طرح جسم پر ایک نیا اثر رکھتا اور اس میں ایک نئی تازگی بھرتا، عین اسی طرح روح اور نفس میں بندگی اور عبدیت کے کچھ تازہ معانی بھرتا۔ انسان کا وجدان، احساسات، خواہشات اور ترجیحات سب ایک نئی کیفیت سے گزرتے۔

علاوہ ازیں ''صیام'' لشکرِ شہوات کے مقابلے پر ایک طرح کی فوجی مشق تھی اور نفس کا اپنی خواہشات پر جیت پانے اور اپنے میلانات کو قابو میں لانے کی اعلیٰ ترین استعداد پیدا کرنا۔

جس دل میں خواہشات سر اٹھائے کھڑی ہوں وہاں تقویٰ کا پنپنا ایک دشوار کام ہے۔ ہاں خواہشات کو لگام ڈال لی گئی ہو اور وہ حدودِ خداوندی کے ایک ایک مقام پر بے سکت کر ڈالی گئی

ہوں تو یہ وہ فضا ہے جہاں تقویٰ خوب پرورش پاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (البقرة 187) "یہ ہیں اللہ کی حدیں، ان کے قریب مت پھٹکو") نیز (تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (البقرة 229) "یہ ہیں اللہ کی حدیں، ان سے مت گزرو")۔

یہ ضبطِ نفس ایک باقاعدہ مشق کا ضرورتمند ہے تاکہ یہ نفس کا معمول بن جائے۔ یہاں تک کہ نفس کی خواہشات اور جسم کے مطالبے انسان کی قوتِ ارادی کے آگے سپر ڈال دیں اور ان کی زمام انسان کے شعور کے ہاتھ میں آجائے۔ اس کا شعور اس زمام کو جہاں اور جس قدر چاہے ڈھیلا کردے اور جہاں اور جس قدر چاہے کھینچ لیا کرے۔ اِس مشق کا نام 'صیام" ہے۔ اسکو سب سے زیادہ نفس کی تین خواہشوں پر ضرب لگانا ہوتی ہے: یعنی انسان کا کھانا، اس کا پینا اور اسکی جنسی خواہش۔ لیکن اس مشق سے جو اصل چیز برآمد کرائی جانا ہے اس کا نام "تقویٰ" ہے؛ یعنی خدا کو جاننے، ماننے، خدا سے آگاہ اور اس کی حدوں کا پابند رہنے کی ایک خاص شعوری و عملی حالت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة 183)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے! فرض کیے گئے تم پر روزے جس طرح یہ فرض کیے گئے تھے
تم سے پہلوں پر، تاکہ تقویٰ اختیار کرلو

زکاۃ اُس مسلمان کے تیئں – اور درحقیقت – صرف مال کی زکاۃ نہیں بلکہ مال اور نفس ہر دو کی زکاۃ تھی...؛ جس سے اُس کی پوری زندگی حسی و معنوی ہر دو پہلو سے پاکیزہ ہو جاتی۔ "زکاۃ" ریاست کو ادا کیا جانے والا کوئی ٹیکس نہیں تھا... بلکہ خدا کے ہاں قربت پانے کے لیے خالص نذرانہ تھا۔

کہاں وہ ٹیکس جو دولت یا جائیداد سے نکال کر ریاست کو دیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے ریاست کی رِٹ کا ایک احساس اور اقرار جیا جاتا ہے اور کہاں وہ زکاۃ جس کے ذریعے قلوب خدا کو اُس کے رزق و نعمت و احسان پر سپاس پیش کرتے ہیں اور جس کے نتیجے میں انسان کا نفس اپنے میل کچیل سے طہارت پاتا ہے۔ صفحۂ دل کا اجلاپن جن دھبوں سے داغدار ہو رہا تھا ان

سے ڈھل کر اپنی اُس حالت کو بحال کر الاتا ہے جہاں قلوب سب سے بڑھ کر اپنے پیدا کرنے والے سے محبت کرتے اور اُس کی عظمت پر فدا ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں قلوب کی وہ طبعی حیثیت بحال ہوتی ہے کہ وہ زمین کی چھاتی پر پورے زور اور اعتماد سے چلیں اور اس کے بطن سے اپنے لیے رزقِ خداوندی بر آمد کریں اور حیاتِ دنیوی کو آخرت کی کھیتی بنائیں:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ .. (الملک15)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

زکاۃ کی بابت سورہ توبہ میں جو آیت ہے: (خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا (التوبۃ103) "ان کے مالوں سے زکاۃ وصول کرو جو ان کی تطہیر کرے اور ان کو پاکیزگی دے")، اس میں تطہیر اور پاکیزگی سے مراد صرف حرص و بخل سے پاکیزہ ہونا نہیں، اگرچہ زکاۃ مال کے حوالے سے یہی چیز سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے، بلکہ اس سے مراد خود اُس سعی کی تطہیر بھی ہے جو زمین کی چھاتی پر چلنے اور رزق کی صورت میں اُس کے چھپے خزانے بر آمد کرنے سے عبارت ہے۔ یوں "زکاۃ" کے نتیجے میں وہ سعی بھی پاکیزہ ہو جاتی ہے، یعنی اب اِس سعی میں حرام وارد نہیں ہو گا اور نہ ہی یہ سعی حرام صورتوں کو اپنے روپذیر ہونے کا ذریعہ بنائے گی۔

وہ صالح انسان جس کو زمین پر خدا کا نام بلند کرنا اور صالح تہذیب کی پرورش کرنی ہے، یعنی خلافتِ ارض، اُسے ایک تو شہوتِ مال پر فتح پانی ہے۔ دوسرا، اُس اخوت کا احساس اور اُس رشتے کا ادراک کرنا ہے جس کا حوالہ اُس کا ایمان اور عقیدہ ہو، اور جس میں اس عقیدہ کے حامل دولتمند اس عقیدہ کے حامل ضرورتمندوں کی کفالت کرنے تک چلے جاتے ہیں، اور جس کے نتیجے میں اس کے سماج کی ناہمواریاں اس کے عقیدہ کے ہاتھوں ختم ہونے لگتی ہیں، اور جس کی بدولت "معاشرتی یگانگت" محض فلسفے یا خالی وعظ و نصیحت کی بجائے عمل اور انفاق کی زبان اختیار کر لیتی ہے۔

انسان جس وقت اپنی سعیِ رزق میں ہی ''پاکیزہ اور حلال'' کی جستجو کرنے لگتا ہے، اور پھر اُس ''پاکیزہ اور حلال'' کو بھی مالک کی خوشی پر قربان کرنے اور اُس کے نام پر وجود میں آنے والی برادری پر خرچ کرڈالنے تک چلا جاتا ہے... تو یہ بلاشبہ وہ مقام ہے جہاں اُس کا نفس پاکیزگی کی ایک نہایت اعلیٰ سطح کو چھونے لگتا ہے اور جس کو ''زکاۃِ نفس'' یا ''تزکیۂ نفس'' کا نام دیا گیا ہے:

(قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (الشمس 9) ''کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کرلیا'')

یوں ''تزکیۂ مال'' کے ساتھ ''تزکیۂ نفس'' کا ملحق ہونا دینِ اسلام کا ایک نہایت عظیم و نفیس مبحث ہے۔ دراصل وہ سعی جس کا نام تلاشِ روزگار ہے وہ ایک ایسا میدان ہے جہاں نفس کے حق میں ایک سے بڑھ کر ایک پھسلن ہے۔ اس کی دنیا ان مرغوباتِ نفس سے اٹی پڑی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا .. (آل عمران 14)

> مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔

نفوس یہاں ہر وقت اس زد میں ہیں کہ یہ اِن مرغوبات نفس کی طلب میں بہہ جائیں، الا یہ کہ ایک جانب یہ ''پاکیزہ اور حلال'' کے پابند کر رکھے جائیں، اور دوسری جانب یہ کچھ ایسی اعلیٰ وارفع قدروں سے وابستہ کر رکھے جائیں جو اِس ''پاکیزہ و حلال'' کو بھی کسی بلند تر مقصد پر لٹانے اور قربان کرنے کا حوصلہ رکھیں اور اِس ''پاکیزہ و حلال'' کو ایک ابدی جہان کی خریداری کے لیے پونجی کا درجہ دیں اور اِس کو صرف اِسی فانی دنیا کی خریداری کی کرنسی نہ رہنے دیں۔ چنانچہ اگلی ہی آیت میں فرمایا:

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا

آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ **الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ** (آل عمران15-17)

کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں، اُن کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ "مالک! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتش دوزخ سے بچالے"۔ یہ (میرے) صبر کرنے والے (بندے)، یہ راستباز، یہ فرمانبردار اور یہ فیاض اور یہ رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگنے والے۔

چنانچہ ''زکاۃ'' کی حقیقت اِن دو بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے:

ایک: خود یہ جستجوئے روزگار کی سعی ہی پاکیزہ اور صاف ستھری ہو۔ یہاں؛ نفس کیلئے قدم قدم پر لگائے گئے پھندوں سے بچنا اور چوکنا رہنا ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کی زکاۃ نفس ہے۔

دوسری: اِس پاکیزہ اور صاف ستھری جستجوئے روزگار کے ماحصل کو اس سے بھی کسی اعلیٰ وارفع مقصود پر خرچ کرڈالنا۔ اور یہ دوسری طرح کی زکاۃ نفس ہے۔

یہاں سے نفس کو پاکیزگی اور برگزیدگی کی وہ بنیاد ہاتھ آتی ہے جو اس کو مرغوباتِ نفس کے آگے ناقابل تسخیر بنادے؛ اور یہ مخلوق اپنی اِس ''عبادت'' کی بدولت خدا کے ہاں پذیرائی پالے:

إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا (أخرجه مسلم)

اللہ پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاک کو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ (البقرۃ267)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے، اُس سے بہتر حصہ راہ خدا میں خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو۔

یہاں سے ''زکاۃ'' مسلمان کی زندگی میں ایک نہایت وسیع مطلب اختیار کرتی ہے اور صرف ''مال'' تک محدود نہیں رہ جاتی:

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ (المومنون 60)

اور جن کا حال یہ ہے کہ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور دل اُن کے اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔

رہ گیا حج، تو باوجود اس کے کہ وہ زندگی میں ایک بار ہے، اور گنتی کے چند دن ہیں، پھر بھی وہ مسلمان کی زندگی میں بڑے گہرے اثر کی حامل عبادت ہے، بشرطیکہ مسلمان اس عبادت کو اس طرح لے جس طرح اسلام کی نسل اول لیتی تھی اور جو کہ ''عبادت'' کے ایک جامع اور عمیق معنیٰ پر کاربند تھی۔

یہ ایک عبادت ہے مگر اپنے اندر بے شمار عبادات رکھتی ہے... جن میں خصوصی ترکیز عبادتِ توحید کو حاصل ہے...

سب سے پہلے، یہ اللہ کے لیے خالص ہو جانا ہے... آدمی کے اہل خانہ، اس کا مسکن، وطن، متاعِ دنیا غرض ہر وہ چیز جس سے نفس کو کچھ تعلق ہوتا ہے یہاں تک کہ آدمی کی پوشاک جو اس کی روزمرہ کی زینت ہے یہاں تک کہ اُس کے سائز کا سلا ہوا کپڑا... ہر چیز پیچھے چھوڑ دی جاتی ہے۔ یعنی یہ آدمی پوری دنیا سے نکل آیا ہے۔ اور اب یہ اپنے مالک کو لبیک لبیک کہتا ہوا اور پل پل پر اُس کا ذکر کرتا ہوا اور اس کی شانِ وحدانیت بیان کرتا ہوا وادیاں اور گھاٹیاں عبور کرتا چلا جاتا ہے...

اور وہاں وہ ایک ایسے مجمع میں شامل ہوتا ہے جو اسے مجمعِ حشر کی یاد دلاتا ہے...

اور پھر مسلسل جہد اور مشقت ہے۔ اس کی ایک جہد اور مشقت وہ تھی جو وہ اپنے وطن میں معمول کی زندگی کے دوران جستجوئے رزق میں کرتا رہا ہے اور ایک جہد اور مشقت اب یہ ہے جس کا عنوان یومِ آخرت ہے۔ اس کے یہ چند دن گویا دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں بسر ہو رہے ہیں!

گنتی کے چند دن، مگر نفس میں کچھ ایسی تبدیلیاں اور نفس کے فاسد مادوں کی کچھ ایسی دھلائی کہ آخر میں یوں صاف ستھرا آدمی نکل آتا ہے کأنما ولدته أمه ''گویا اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنم دیا ہے''!

*****

مگر... ''عبادت'' کا مفہوم بدلا تو یہ سب کچھ جاتا رہا۔

آخر تک آتے آتے، ''عبادت'' میں صرف نماز روزہ اور حج زکاۃ رہ گئے تھے، یعنی شعائر۔ اور وہ بھی اپنے آثار ولوازم سے کٹ کر۔ یہاں تک کہ اب یہ بھی 'بھگتانے' کی چیز ہوئے؛ خود اِن کے اندر اب ''عبادت'' کے معانی تلاش کرنا گویا نوادرات کی جستجو ہے۔ خود اِن کے اندر ''عبادت'' کا رنگ بھرنا اب خال خال کہیں دیکھنے کی چیز رہ گیا۔ 'نماز روزہ' میں بھی اب خشوع، انابت، توجہ، انکساری، ذلت، تعظیم، توحید اور بیانِ فقر وفاقہ ایک انہونی چیز ٹھہرا۔ یہ عبادتیں بھی اب محض ایک روٹین اور ایک مشینی عمل کا نام تھا۔ بلکہ بہت سے لوگوں کے لیے ایک معاشرتی ریت اور دیکھا دیکھی کا عمل نہ کہ کوئی شعوری عمل۔

یہ تھی ''عبادت'' کی وہ تصویر جو دورِ انحطاط کی اِن نسلوں کے حصے میں آئی...

عبادت صرف 'نماز روزہ'، اور وہ بھی اس طرح...!

نماز چند حرکات پر مشتمل ایک عمل کا نام ہے؛ چند منٹ میں فارغ! اس کے اندر یادِ خداوندی ہے، اُس کی تعظیم اور توحید ہے، اُس کے آگے اظہارِ ذلت وعاجزی ہے جو ہر چند ساعت بعد ضروری ہو جاتا ہے، خشوع اور انابت ہے، پھر اس میں جو پڑھا اور سنا جاتا ہے وہ معانی کا ایک سمندر رہے اور قلوب میں اس کا تلاطم برپا ہونا ضروری ہے... یہ سب تصورات روپوش ہوئے۔ چند منٹ کا ایک میکانکی عمل اور بس، ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھائیے! نفس اس کے اثرات ساتھ لے کر نماز سے باہر آئے اور وہ اثرات آدمی کے روزمرہ تصرفات میں جھلکنے لگیں، اس کا اب تصور کہاں ؟! بہت سوں کے لیے تو نماز وقتِ فراغت کا نام ہے، بہت سے حساب کتاب اور سلسلۂ یادداشت کی بحالی کے لیے یکسو ہونے کا بھی یہی ایک موقع ہے!

روزہ کیا ہے؟ پورا دن کھانے پینے سے اجتناب اور رات کے کھانے کی تیاری! اور پھر رات آئے تو الامان والحفیظ! رمضان گویا ماہِ صیام نہیں بلکہ ماہِ طعام ہے! نیز... دن کے وقت کیونکہ 'روزہ ہوتا ہے' لہٰذا کھانے پینے کی طرح لغویات بھی رات کے لیے موخر رکھی جائیں گی! ٹی وی انٹرٹینمنٹ سب رات کے وقت؛ یہ احترامِ رمضان کا باقاعدہ حصہ ہے! بہت سے مسلم ملکوں میں تھیٹر کی رونقیں رمضان کی راتوں کو جس قدر عروج پر ہوتی ہیں پورا سال وہ گرمجوشی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ اس لیے کہ 'روزے رکھنے سے' طبیعتیں اکتا جاتی ہیں اور ''تفریح'' کی ضرورتمند ہو جاتی ہیں! جاہلیت نے یہاں بڑے بڑے 'مستند' محاورے عام کر رکھے ہیں: 'نماز روزہ اپنی جگہ، اور دنیاداری و دل لگی اپنی جگہ'! اور 'شوق تو بہرحال شوق ہے'؟!

رہ گئی زکاۃ تو ایک دولتمند سال میں ایک بار اگر یہ کارروائی کرتا ہے تو اس کے عوض پورا سال وہ سود اور حرام کے لیے چھوٹ پاتا ہے! بھائی وہ عبادت ہے، یہ کاروبار ہے! اِس کا اُس سے کیا تعلق؟! یہ بھی اگر آپ اُن 'شرعی' حیلوں پر بات نہ کریں جو زکاۃ سے بچنے یا زکاۃ کا مال ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے ہاتھ سے واپس لے لینے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں!

اور حج؟ ایک اچھے خاصے خرچے کا کام جس کے بغیر آدمی 'حاجی' نہیں ہوتا! ہاں 'حاجی صاحب' کے لیے جھوٹی قسم کھانا بھی مباح ہے اور فراڈ کرنا بھی، نیز بہت سے سماجی فوائد! گھاٹے کا سودا بہرحال نہیں ہے! نیز دورانِ حج کیا ہوتا ہے، وہ ایک مسلمان تو کیا عام عقلمند کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ حج کے دوران یہ ایک عبادت گزار نہیں بلکہ دھوش معلوم ہوتا ہے! کندھوں کے زور سے لوگوں کو دھکیلتا اور بے دید ہو کر اپنا راستہ بناتا چلا جائے گا! وہ سب اس کے مسلمان بھائی ہیں جو خدا کے اِس گھر کا طواف کرنے کے لیے اپنے گھربار چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہ اِس کی اسلامی برادری ہے جس کو یہ روندتا چلا جا رہا ہے! رمی پر کنکریاں بھگتانی ہیں خواہ راستے میں مسلمانوں کے ساتھ جتنی مرضی دھینگا مشتی ہو! ابھی اُس جہالت کی بات مت کریں جس کے باعث لوگ حج کے کئی کئی ارکان اور واجبات چھوڑ آتے ہیں اور احکامِ حج کی بڑی بڑی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کا کفارہ دیے بغیر لوٹ آتے ہیں!

*****

اور اب یہاں؛ علماء کا فتویٰ نقل کیا جاتا ہے: فرض ادا ہو جائے تو آدمی 'عہدہ برا' ہو جاتا ہے، خواہ جیسے بھی ادا ہو، اور اگرچہ آدمی کیلئے اُس پر کوئی ثواب نہ ہو، مگر وہ فرض سر سے اتر جاتا ہے! یعنی ایک خانہ خالی تھا سو پُر ہوا؛ قصہ ختم!

وہ ایک فتویٰ ہے اور اس کا اپنا ایک خاص دائرہ ہے جو اُس عمومی فضا سے باہر نہیں جو اسلام کے جامع تصورِ عبادت سے تشکیل پاتا تھا؛ مگر یہاں "سر سے اتارنے" کی پوری ایک اپروچ آپ کے سامنے آکھڑی ہوتی ہے!

اول تو "عبادت" ہی لے دے کر چند شعائر کا نام رہ گیا، اور اب یہ بھی سر سے اتارے جائیں گے، آخر اس پر 'فتویٰ' موجود تو ہے!

علماء کا فتویٰ ہے: آدمی نے جس انداز سے بھی ایک فرض پورا کر لیا ہو، تو اَب وہ جہنم میں ہیشگی پانے والے دائرے سے بہر حال نکل آیا ہے۔ گو مرجئہ نے آکر تو کمال ہی کر دیا، جن کا فرمان ہے کہ: کلمہ گو کو تو ویسے ہی جنت میں جانا ہے، خواہ وہ اعمالِ اسلام میں سے کوئی ایک بھی عمل کرنے والا نہ ہو!

علماء نے جو کہا ہم اس پر بحث نہیں کریں گے، باوجود اس کے کہ آج جس صورتحال پر علماء کے اس قول کا انطباق کیا جاتا ہے اور اس پر آیات اور احادیث لائی جاتی ہیں وہ ایک چیز ہی اور ہے جبکہ علماء کے اُس قول کا ایک نہایت مخصوص سیاق وسباق ہے اور وہ ہماری آج کی اس 'تن داغ داغ' صورتحال کو باقاعدہ وجہِ جواز دے ڈالنے کے موضوع پر سرے سے غیر متعلقہ ہے۔ یہاں تو پوری قوم کو اس منہج پر لا کھڑا کیا گیا ہے کہ آدمی کے اعمال اور اعتقادات مخلد فی النار (جہنم میں ہیشگی پانے والے) نہیں تو مسئلہ ہی کیا ہے! کچھ عرصہ یا 'عرصوں' کے لیے دوزخ میں جلنا تو خیر مسئلہ ہی نہیں (معاذاللہ)، بحث اس پر کرو کہ کونسا عمل اور رویہ ہے جو کلمہ گو کو مخلد فی النار (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی) کرتا ہے!

وہ سب گنجائشیں جو اِس وقت نکالی جارہی ہیں، 'شدت پسندوں' کے ڈراووں کو بے اثر کرنے کی وہ سب 'علمی مساعی' جو اِس وقت ہو رہی ہے، اور وہ سب چھوٹیں جن پر امت کا

ہاتھ اس وقت رکھوایا جارہا ہے... ان تمام بحثوں اور دلیلوں کا تعلق ''مخلد فی النار'' والے مسئلے سے ہے!

یعنی پوری ایک امت کو اگر کچھ دیکھنا ہے تو بس یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ ''دائمی دوزخ'' میں تو نہیں جا پڑا؟! نیز یہ کہ کونسے قول اور کونسے فتوے اور کونسی دلیل سے یہ دائمی دوزخ 'مشتبہ' و'غیر یقینی' ٹھہرائی جاسکتی ہے اور یوں مسئلے کو 'پریشانی' کے دائرہ سے – 'ممکنہ حد تک' – باہر لایا جاسکتا ہے؟!

ایسی امت پھر وہ خس و خاشاک کیوں نہ ہو جس کا حدیث میں ذکر ہوا ہے؟ قومیں اس لذیذ دستر خوان پر دعوتیں کیوں نہ اڑائیں؟ ایسی امت کا کوئی وزن ہو اور معاملاتِ عالم میں اس کے کہے سنے کی بھی کچھ وقعت ہو، ایں خواب است وخیال است وجنوں! یہاں تو وہ معاملہ ہے جو کبھی کسی شاعر نے قبیلہ تیم کی بیچارگی کی تصویر کھینچتے ہوئے ذکر کیا تھا:

ویُقضَی الأمرَ حینَ تغیب تَیّمٌ   ولا یُستأذَنون وهم شهود !

تیم کے بھلے مانس ایسے ہیں کہ ان کے غیر حاضر ہوتے ہوئے سب فیصلے ہو جاتے ہیں۔
پاس بیٹھے ہوں تو ان سے پوچھنے کی زحمت نہیں کی جاتی!

*****

کہاں عبادت کا وہ مفہوم جو خدا کے ہاں سے نازل ہوا، اور جس کے سکھانے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ صرف فرمائی، اور جس کو سمجھنے اور عملاً لے کر چلنے میں اسلام کی نسل اول نے اپنی پوری پوری زندگیاں کھپا دیں... اور کہاں عبادت کا وہ بے جان، مریل، توڑا موڑا مفہوم جو دورِ آخر کی اِن نسلوں کے ہاں پایا جاتا ہے، خواہ اس پر عمل ہو رہا ہو یا عمل تک نہ ہو رہا ہو!

اول الذکر وہ مفہوم ہے جس نے "خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس" برپا کی تھی...
جبکہ ثانی الذکر وہ مفہوم جس نے ''خس وخاشاک'' پیدا کیا...
ناگزیر ہے کہ مفہومات کی تصحیح کروائی جائے...

إِنَّ اللّٰهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد 11)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

قُلْ لا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (المائدۃ 100)

اے پیغمبرؐ! اِن سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں خواہ ناپاک کی بہتات تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔

ہمارا یہ تصورِ عبادت... آخر اس سے حاصل کیا ہو گا؟

مسئلہ ثانوی یا حاشیائی نوعیت کا ہرگز نہیں ہے... یہ کوئی ایسا سرسری مسئلہ نہیں ہے جو کچھ وعظ وارشاد کے ذریعے سلجھا لیا جانے والا ہو... بلکہ 'کچھ وعظ' کیا، آپ وعظ وارشاد کا سیلاب لے آیئے، یہ مسئلہ حل ہو کر دینے کا نہیں...

صاف صاف، یہاں ایک تعمیرِ نو ضروری ہے...

اِس بے جان، مریل، توڑے مروڑے مفہوم پر ہزار سال تک "عبادت" کیوں نہ ہوتی رہے... مراکش تا انڈونیشیا پورا عالم اسلام اِس مفہوم کا "عبادت گزار" کیوں نہ ہو جائے اور پورا ڈیڑھ ارب کا ڈیڑھ ارب اِس معنیٰ میں 'نمازی روزہ دار' کیوں نہ ہو جائے... وہ ذلت اور بیچارگی جو ان پر مسلط ہے کہیں جانے والی نہیں۔

کیونکہ... یہ وہ عبادت نہیں جو خدا کی جانب سے مشروع ٹھہرائی گئی ہے۔ ہاں وہ عبادت جو خدا نے مشروع ٹھہرائی ہے اُس کے ساتھ لازماً عزت اور تمکنت لکھ دی گئی ہے۔ اُس عبادت کے ساتھ بلاشبہ استخلاف فی الارض آتا ہے...:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً **يَعْبُدُونَنِي** لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً

جی ہاں **يَعْبُدُونَنِي** لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً[17] "بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔ یہ البتہ وہ عبادت ہے جو اُس کے ہاں سے نازل ہوئی۔

رہ گئی وہ 'عبادت' جو برا عظم تا برا عظم اِس "خس و خاشاک" کے ہاں پائی جاتی ہے (ایک تھوڑی سی تعداد کو چھوڑتے ہوئے، جو اِس "خس و خاشاک" والی حالت سے بچی ہوئی ہے)... رہ گئی وہ عبادت جو لا الٰہ الا اللہ کو محض زبان سے پڑھ دیا جانے والا ایک ایسا کلمہ بناتی ہے جس میں لا الہ الا اللہ کا نہ کوئی مطالبہ اور نہ کوئی تقاضا!... وہ عبادت جس میں چند 'شعائر' کے علاوہ فرائضِ دین کی کوئی بات سماتی ہی نہیں ہے، اور پھر 'شعائر' بھی روح سے خالی اور نرا ایک بے جان جثہ ہوتے ہیں... تو ایسی عبادت سے تو یہی زیاں ہاتھ آتا ہے جسے یہ خس وخاشاک آج 'اسلام' اور 'عبادت' کے نام پر لیے بیٹھا ہے!

ستم کی بات یہ ہے کہ یہ خس و خاشاک اپنی اِس لاغر، بے جان، توڑی مروڑی عبادت سے صرف اپنی بیچارگی ثابت نہیں کر رہا؛ بلکہ یہ اِس کے ذریعے دوسروں کو اسلام کے راستے سے روکنے کا بھی انتظام کیے ہوئے ہے!

وہ بہت سے مخلص اور نیک نیت اصحاب (مرجئہ) جو اِس خس وخاشاک والی صورتحال کو 'علمی' بنیادیں فراہم کرنے میں مصروف ہیں اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ اس مضمون کی بحثیں فرمارہے ہوتے ہیں کہ 'ہے تو مسلمان، جنت میں جانے والا تو ہے نا اگرچہ اعمالِ اسلام میں سے کوئی ایک بھی عمل نہ کیا ہو'... یہ حضرات شاید یہ اندازہ تک نہیں رکھتے کہ ان کی اس 'علمی مساعی' کے مضمرات کیسے سنگین اور نقصان دہ ہیں۔

---

(17) سورۃ النور[55]. اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ انکو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کیلئے اُنکے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُنکے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، **بس وہ میری بندگی کریں** اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں

اول... یہ 'علمی دفاع' خود اِس خس وخاشاک کے حق میں کس قدر نقصان دہ ہے، کہ یہ اپنی اسی حالت میں مدہوش رہے اور اپنے آپکو تبدیل کرنے کیلئے پریشان تک نہ ہو!

دوم... یہ 'علمی دفاع' آج کے پڑھے لکھے اس نوجوان کے حق میں کس قدر نقصان دہ ہے جسے ہم اسلام کی دعوت دینے جارہے ہیں!

آج جب ہم اِس اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوان کو بتاتے ہیں کہ: ''جہان کی سب مشکلات کا حل اسلام ہے۔ سب مسائلِ عالم کی کنجی یہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اِس الجھی ہوئی صورتحال سے نکلنے کی راہ صرف خدائے واحد کی عبادت اختیار کرنا ہے''... تو پھر کیوں نہ یہ نوجوان کندھے اچکا کر اور ایک خندۂ استہزاء کے ساتھ پوچھے: یہ اسلام جو آپ کے یہاں پایا جاتا ہے ہمارا دیکھا بھالا ہی تو ہے، آپ کا یہ لا الٰہ الا اللہ اپنا نظارہ کروا تو رہا ہے، وہ عبادت جس کو آپ حل قرار دے رہے ہیں یہاں پر ہو تو رہی ہے، پھر آپ کے یہ 'مسلمان' ہی سب سے بڑھ کر پسماندہ کیوں ہیں؟ دنیا کے اندر سب سے بڑھ کر آپ کے یہ 'کلمہ گو' ہی اقتصادی، سیاسی اور سماجی بحرانوں میں گرفتار کیوں ہیں؟ سب سے زیادہ بدحال اور قابل ترس دنیا بھر میں آپ کے یہ مسلم معاشرے ہی کیوں ہیں؟ سب سے زیادہ ان کے ہی گھروں میں راکھ کیوں اڑتی ہے؟ کیا اِس اسلام میں ہم اپنے مسائل کا حل ڈھونڈیں جس کے ''ہوتے ہوئے'' تمہارے ہاں ایسی خاک اڑتی ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ اپنے مسائل کا حل ہم کہیں اور ڈھونڈیں؟!

یہاں؛ ضروری ہو جاتا ہے (افراد پر حکم لگانے کے منہج سے دور رہتے ہوئے) کہ ہم خود اپنے درون میں اور پھر لوگوں کے ساتھ صراحت اور صاف گوئی سے کام لیں: دیکھئے حضرات! آج جو چیز اِن مسلم معاشروں میں پائی جارہی ہے اس کا نام ''اسلام'' نہیں۔ یہ وہ ''دین'' نہیں جو خدا کے ہاں سے نازل ہوا ہے۔ یہ وہ ''عبادت'' نہیں جس کا خدا نے حکم دے رکھا ہے۔ یہاں ''اسلام''، ''ایمان''، ''دین'' اور ''عبادت'' کی بابت تصورات کو ہی سرتاپیر بدلا جانا ہے اور پھر ان صحیح ومستند مفہومات کی بنیاد پر سرتاسر ایک نئی عمارت اٹھائی جانا ہے۔

ہمیں اِس نوجوان کو صاف صاف یہ بتانا ہے: مسلم معاشروں میں تمہیں آج جو یہ خاک اڑتی نظر آتی ہے، یہ پسماندگی جو تہذیبی، علمی، سائنسی، عسکری، سیاسی، مادی، روحانی، اقتصادی، سماجی اور فکری ہر ہر میدان میں تم کو دکھائی دیتی ہے اس کی وجہ نہ ان کا "مسلمان" ہونا ہے [18] اور نہ ہی کوئی "تاریخی حتمیات" یا کوئی نام نہاد "معاشی ادوار"! [19] اس کا سبب صرف ایک ہے: مسلمان عمل اور فاعلیت کے میدان میں حقیقتِ اسلام سے دور ہوئے، بعد ازاں فہم اور تصور کے میدان میں حقیقتِ اسلام سے غافل ہوئے، اور اب یہ تصور اور عمل ہر دو میدان میں حقیقتِ اسلام سے دور ہیں۔ آج یہ جس چیز کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں کچھ اور ہے...

ورنہ...

- جس روز "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" [20] ایک عبادت تھی... اُس روز کسی مائی کے لال کی جرأت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی زمین پر پیر بھی رکھ کر دکھائے؛ اِن کو نسل در نسل غلام بنا کر رکھنا، اِن کے وسائل کو لوٹنا اور خود اِنہی کی بیوروکریسی سے اپنے لیے ٹیکس کلکٹری کروانا تو بہت دور کی بات ہے!
- جس روز "طلب العلم فريضة" ایک عبادت تھی... اُس روز یہاں کوئی علمی پسماندگی اور سائنسی بدحالی نہیں تھی، بلکہ اُس روز امتِ مسلمہ علم اور آگہی میں دنیا کی امام تھی۔ یہی یورپ ہے جو اُس روز ہمارے سکولوں اور ہماری جامعات میں داخلے لیتا پھرتا تھا!

---

(18) یہ وہ مقولہ ہے جو مغرب نے یہاں پر اپنی فکری و ثقافتی یلغار کو کامیاب بنانے اور اسلام کے رہے سہے نشانات کو مٹانے اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے عام کر رکھا ہے۔

(19) اور یہ وہ مقولہ ہے جو کمیونسٹوں نے یہاں پر اپنی فکری و ثقافتی یلغار کو کامیاب کرنے اور لوگوں کو اس بات کا قائل کرنے کے لیے عام کیا ہے کمیونزم تو اب آپ سے آپ نوشتۂ دیوار ہے!

(20) سورۃ الأنفال [60] "اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو"

- جس روز "فَامۡشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنۡ رِزۡقِهٖ"[21] ایک عبادت تھی... اُس روز مسلم معاشرے دنیا کے دولتمند ترین معاشرے تھے!
- جس روز "كلكم راعٍ وكلكم مسئولٌ عن رعيته" ایک عبادت تھی، اور "والی" یہ جانتا تھا کہ دراصل وہ ایک راعی (چرواہا) ہے جس کو اپنے گلے کی بابت پوچھ گچھ ہونی ہے... اُس روز مسلم معاشرے کے غریبوں اور ناداروں کو جلوس نکالنے کی ضرورت نہیں تھی! غربت اور معاشی ناہمواریوں کا علاج تو خود اِس شریعت کے اندر ہے جو کہ اُس روز مسلم معاشرے کے اندر قائم تھی[22] اور جس کے ایک ایک حکم پر سر تسلیم خم کرنا آپ سے آپ "عبادت" ہے!
- جس روز "وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ"[23] ایک عبادت تھی اُس روز مسلم عورت اپنے 'حقوق' کے لیے سڑکوں پر خوار ہوتی نہیں پھر رہی تھی۔ کیونکہ سب حقوق اور سب سماجی

---

(21) سورۃ الملک[15] "چلو اُسکی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے"

(22) یحیٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں: "مجھے عمر بن عبد العزیز نے افریقہ میں زکاۃ کا مسئول بنا کر بھیجا۔ میں نے غریبوں کو تلاش کیا مگر مجھے غریب نہ ملے، کیونکہ عمرؒ نے ان کو مستغنی اور خود کفیل کر دیا تھا۔ میں نے اُس پیسے سے غلام خرید کیے اور ان کو آزاد کر دیا"۔ امام حافظ ابو عبید قاسم بن سلّام متوفی 224ھ اپنی کتاب "الاموال" میں لکھتے ہیں: "اور بیان کیا مجھ سے سعید بن ابی مریم نے، کہا: عمر بن عبد العزیز نے عراق میں متعین عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو لکھا: لوگوں کو ان کے وظائف بہم پہنچا دو۔ جس کے جواب میں عبد الحمیدؒ نے عمرؒ کو لکھا: میں لوگوں کو اُن کے وظائف پہنچا چکا ہوں، پھر بھی بیت المال میں خاصا مال باقی ہے۔ تب عمرؒ نے مکتوب بھیجا: جائزہ لو کون کون مسلم نوجوان کنوارا ہے اور شادی کا خواہشمند ہے۔ اس مال کو ایسے ہر شخص کی خانہ آبادی اور مہر کی ادائیگی کے کام میں لاؤ۔ عبد الحمید نے پھر لکھا: جتنے کنوارے ملے میں نے سب کو بیاہ دیا ہے بیت المال میں پھر بھی مال باقی ہے۔ عمرؒ نے مکتوب روانہ فرمایا: جائزہ لو جس جس ذمی پر جزیہ ہے اور کاشتکاری کے لیے اس کا ہاتھ تنگ ہے اس کو ایڈوانس دو تاکہ وہ اپنی کاشت پر خوب طاقت پائے، ہمیں یہ ذمی کوئی ایک دو سال کے لیے تو نہیں (بڑے عرصے کے لیے) چاہئیں!

(23) سورۃ النساء[19] . "اور ان (اپنی جوروؤں) کے ساتھ نیک معاشرت رکھو"

ضمانتیں بدرجۂ اتم اس شریعت میں درج ہیں، جس کی لفظ بلفظ پابندی آپ سے آپ خدائے واحد قہار کی "عبادت" ہے!

اور جی ہاں... اس امت کا آخری حصہ ہرگز نہ سنورے گا جب تک وہ نقشہ نہ ہو جس پر اِس کا اولین حصہ سنوارا گیا تھا...

پہلے مفاہیم اور تصورات کی تصحیح، پھر اِن درست تصورات پر ایک نئ عمارت اٹھانا۔

ورنہ ایسا کوئی جادو نہیں پایا جاتا جو دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی اِس ناتوانی کو ختم کر ڈالے اور اس گھمبیر پسماندگی سے منٹوں میں آپ کی جان چھڑوا دے... آپ آنکھ کھولیں تو یہ امت طاقت اور ترقی کی راہ میں فراٹے بھر رہی ہو!

اِس دنیا میں کچھ خدائی سنتیں ہیں جو ملکوں اور قوموں کے احوال بدلنے کے پیچھے کار فرما رہتے ہیں۔ ہاں ان سنتوں کا اتباع کر لیں تو مسئلے کا حل نکل آتا ہے۔

یہ خدائی سنتیں اس بات کی گنجائش بہرحال نہیں دیتیں کہ ہم حقیقتِ اسلام سے بیگانہ ہو جانے کے بعد... محض دعاؤں اور وظیفوں کے بل پر صورتحال کو تبدیل کر ڈالیں! اس کے برعکس:

دنیا کا معاملہ ہے، تو فرمایا گیا: **وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ** فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً (النور 55) "**اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں** کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔

آخرت کا معاملہ ہے، تو فرمایا گیا: **لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ** مَن يَعْمَلْ سُوءاً يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيّاً وَلَا نَصِيراً **وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ**

مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلا يُظْلَمُونَ نَقِيراً (النساء123-124) "(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلا دیا جائے گا اور وہ خدا کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مدد گار۔ اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی"۔

آیات سے واضح ہے... کہ (مسلم امت کے لیے) دنیا میں کامیابی کا راستہ بھی وہی ہے جو آخرت میں کامیابی کا راستہ ہے؛ ہر دو کے یکساں تقاضے ہیں:

دنیا میں تمکین اور استخلاف ملتا ہے تو ان کو جو: **الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** اور آخرت میں سرخرو ہوتے ہیں تو وہ جو: **وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ**

اس پر تعجب بھی کیا؟ یہ وہ دین ہے جو دنیا کو ہی آخرت کی کھیتی ٹھہراتا ہے! اس کے اندر: نظامِ عدل قائم کرنا، جستجوئے علم، زمین کی چھاتی پر چلنا اور اس کی کوکھ سے رزق بر آمد کرنا اور اس سے مقاصدِ حق کو پورا کرانا، اہل خانہ کے ساتھ نیک معاشرت، خدا کے دشمنوں کے ساتھ پورا اترنے کے لیے طاقت اور ہتھیار فراہم کرنا، اور اعلیٰ وپاکیزہ اخلاق رکھنا... سب کچھ، بیک وقت، "عبادت" کا حصہ ہے اور نماز، زکاۃ، روزہ اور حج ہی کی طرح آدمی سے مطلوب ہے۔

رہ گیا مرجئہ کا دیا ہوا راستہ، جس میں عمل "ایمان" کی تعریف سے ہی خارج ہے، اور جس میں "عبادت" ایک چٹکی بجا دینے میں ہو جاتی ہے، تو یہ وہ راستہ ہے جس پہ چل کر آپ دنیا کا بھی گھاٹا لے کر آتے ہیں اور آخرت کا بھی۔ عمل سے مسلمان کی "دنیا" بنتی ہے اور عمل سے ہی اس کی "آخرت"... اُس وقت جب "عمل" کی بنیاد میں "ایمان" بھرا گیا ہو:

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (الاسراء84) "کہہ دو! کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر عامل ہے"

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا (الانعام132) "ہر شخص کا درجہ اُس کے عمل کے لحاظ سے ہے"

*****

جوابات تلاش کیجئے
برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

عبادت کا مفہوم جس بری طرح سکیڑ دیا گیا

54. عبادت کا پوری زندگی پر محیط ہونا" انسان" کا بھی درست تعارف ہے۔ "خدا" کی بھی درست پہچان ہے۔ اِن دونوں امور کی وضاحت کریں۔

'شعائرِ عبادت'... عبادت کی روح ہے، "کل عبادت" نہیں

55. "شعائرِ عبادت" کسے کہتے ہیں۔ "عبادت" سے ان کا کیا رشتہ ہے؟

56. انسان سے مطلوب عبادت ایک خاص نوعیت کی عبادت ہے جو اِسکے وجود پر فٹ آتی ہو۔ فرشتوں والی عبادت اس سے مطلوب ہوتی تو اسکو فرشتوں والی ساخت مل جاتی۔ تو پھر انسان سے مطلوبہ عبادت کیا ہے؟

یہ ہے "عبادت" جو کتاب اور سنت میں وارد ہوئی

57. مصنف نے کتاب اور سنت میں وارد اہم احکامات سامنے لا کر خدا کی مطلوب "عبادت" کے چیدہ چیدہ میدان واضح کیے ہیں۔ اس بیان کی روشنی میں انسان سے مطلوب "عبادت" کا تعین کریں۔

58. قرنِ اول کا مسلمان "عبادت" کے کن کن میدانوں میں سرگرم دیکھا گیا؟

عبادت 'نماز' سے نہیں "توحید" سے شروع ہوتی ہے

59. عبادت کی ابتداء نماز سے نہیں توحید سے ہوتی ہے۔ اس منہج کی درستی سے "عبادت" میں کیا فرق آتا ہے؟

60. مسجد کی روٹین ہی "عبادت" کی درستی کا واحد معیار نہیں۔ تو پھر عبادت کی درستی کا معیار کیا ہے۔

61. لا الہ الا اللہ کو اس کے تقاضوں سمیت "عبادت" سے باہر کر دینا... اِس تصورِ عبادت کی کجی واضح کیجئے۔

"عبادت" کی کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹتی چلی گئیں

62. مسلم انحطاط میں زندگی کی ایک ایک سرگرمی "عبادت" کے مفہوم سے نکلتی چلی گئی اور آخر صرف "شعائر" بچ گئے۔ یہ واقعہ کیونکر ہوا۔

یہ تھا سلف کا "خدا کی عبادت" کرنا:

63. "عبادت" کا وہ جامع تصور جو ہمیں سلف کے ہاں نظر آتا ہے، کیا ہے؟

64. 'کارِ جہان' کو "عبادت" بنانے کیلئے تین وصف درکار ہیں۔ ان کا بیان کیجئے۔

65. رویہ و سلوک میں "عبادت" کس طرح بول سکتی ہے؟ مثالوں کے ساتھ وضاحت کیجئے۔

"عبادت"، سلف اور ہم... 'تو ثابت وہ سیارہ'!

66. کارہائے جہان کو بطورِ عبادت انجام دینا، اور بطور غیر عبادت انجام دینا... دونوں کے مابین زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ فرق "سوچ اور رویے" کے اندر بھی جھلکتا ہے اور "نتیجے اور پیداوار" کے اندر بھی۔ محمد قطب کے بیان کردہ اس پورے مقدمے کی وضاحت کیجئے۔

67. مسلم امت نے تمدن، تعمیرِ ارض، اور حصولِ قوت و سطوت و شکوہ کا وہ سارا عمل خدائی نقشے پر کر کے دکھایا۔ اس واقعہ کا اسلام کے دیے ہوئے تصورِ عبادت سے کیا تعلق ہے؟

68. ماضی کی اسلامی فتوحات اور دورِ حاضر کے استعماری قبضہ جات... ان دونوں کے مابین تصورِ عمل کے حوالے سے فرق کی نشاندہی کیجئے۔ مسلمانوں کا "کارِ جہان" کو اللہ کی عبادت بنانا اور مغرب کا "کارِ جہان" کو شیطان کی عبادت بنانا، ان دونوں کا موازنہ کیجئے۔

یہاں تک کہ اَخلاق بھی "عبادت" نہ رہا!

69. عہدِ اَلست کا اخلاقی حسن و جمال سے کیا تعلق ہے؟

70. تمام خوبصورت اعمال "عبادت" کے فریم میں رکھ کر دیکھے جاتے ہیں۔ قرآن اور حدیث سے اس کے کچھ استشہادات پیش کیجئے۔

71. مسلم انحطاط میں... اخلاق کو "عبادت" کے دائرہ سے باہر کر دیا گیا۔ اس کے کچھ بدنما مظاہر ذکر کیجئے۔

72. مغرب کے دیے ہوئے کاروباری اخلاق کے تصور... اور عبادت گزار متقین کے اخلاق کے مابین کیا فرق ہے؟

73. 'نفع آور تہذیبی اقدار'... اور "عقیدۂ آخرت سے پھوٹنے والی تہذیبی اقدار" کا ایک مختصر موازنہ کیجئے

74. عہدِ اول کی اسلامی فتوحات کے پیچھے مسلمانوں کے عقیدہ کا حسن جتنا کارفرما رہا اتنا ہی ان کے اخلاق کا حسن۔ قومیں دنوں میں ان کی دیوانی اور ان کے دین کی گرویدہ ہو گئیں۔ دین اسلام کی اس اخلاقی قوت پر ذرا روشنی ڈالیے۔

75. عہدِ اول کی اس بے مثال اسلامی توسیع کو محض تلوار کا کرشمہ باور کرانے اور معاملے کی اصل اور پوری تصویر کو چھپانے کے پیچھے کارفرما استشراقی محرکات کی نشاندہی کیجئے۔

76. اس وقت لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے میں مسلم معاشروں کی اخلاقی حالت کہاں تک موثر ہے؟

77. اسلامی احیائی عمل میں اخلاق کو "عبادت" کا حصہ بنانا کیونکر اہم ہے؟

اور آخر... شعائرِ عبادت سے بھی "عبادت" کو نکال دیا گیا!

78. اسلامی عبادات (شعائرِ عبادت) کی چیدہ چیدہ غایتیں قرآن و حدیث کے اندر منصوص ہیں۔ مسلم انحطاط میں... عبادات سے وابستہ ان غایتوں کا فوت کر دیا جانا اس بات کا موجب ہوا کہ شعائرِ عبادت تک سے عبادت کا بہت سا مادہ نکل جائے۔ اِس چیز کی وضاحت کیجئے۔

79. اسلامی عبادات آپ اپنی ذات میں مقصود ہیں۔ بلاشبہ یہ بجائے مقصود ہیں۔ تاہم یہ برائے خود مقصود نہیں۔ اِن دونوں باتوں کا فرق بیان کیجئے۔

80. "تعبد" کے کچھ معانی جو خاص شعائرِ عبادت ہی کے ذریعے نفسِ انسانی میں جھلک سکتے ہیں۔ محمد قطب کی کھینچی ہوئی تصویر ان پہلوؤں سے بیان کیجئے: عہدِ اول کے مسلمان کی نماز۔ عہدِ اول کے مسلمان کا روزہ۔ عہدِ اول کے مسلمان کی زکاۃ۔ عہدِ اول کے مسلمان کا حج۔

81. عہدِ اول کے مسلمان کے مقابلے پر آج کے مسلمانِ کے اعمالِ عبادت کی بھی محمد قطب نے ایک تصویر کھینچی ہے۔ بیان کیجئے: آج کے مسلمان کی نماز۔ آج کے مسلمان کا روزہ۔ آج کے مسلمان کی زکاۃ۔ آج کے مسلمان کا حج۔

ہمارا یہ تصورِ عبادت... آخر اس سے حاصل کیا ہوگا؟

82. آج کا عالم اسلام اپنی اس بے جان لاغر عبادت سے خود "عبادت" ہی سے متعلق دنیا کو ایک نہایت غلط پیغام دے رہا ہے۔ محمد قطب کے اس مقدمہ کی وضاحت کیجئے

83. "عبادت" اپنے درست تصور کے ساتھ جب مسلمان کے وجود سے نشر ہو تو وہ دنیوی خلافت اور اخروی سرخروئی کی موجب بنتی ہے۔ محمد قطب دورِ اول سے اس کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ اس کے وہ خاص پہلو بیان کیجئے جو جو دورِ حاضر میں مفقود ہیں۔

"قضاء وقدر"

"لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ "[1]

عقیدہ قضاء وقدر... ایک عظیم قوتِ فاعلہ

"قضاء وقدر پر ایمان" مسلمان کے عقیدہ کا جزوِ اساس ہے۔ حدیثِ جبریل میں اِس کا باقاعدہ بیان ہوا ہے:

الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والقدر خيره وشره (متفق علیہ)

ایمان یہ ہے کہ تمہارا ایمان ہو: اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، اور یوم آخرت پر، اور اچھی اور بری تقدیر پر

"قضاء وقدر پر ایمان" امتِ اسلام کا ایک اصیل امتیازی وصف ہے۔

لیکن امت کی ابتدائی نسلوں کے ہاں جس قدر یہ ایک متحرک، زور آور اور پید آور "قوت" کا نام تھا، عہدِ آخر کی نسلوں کے ہاں یہ اُسی قدر ایک منفی، پیچھے کی سمت دھکیلنے اور حوصلہ پست کرنے والی 'قوت' نظر آنے لگی۔ پہلی نسلوں نے وہ تابناک تاریخ رقم کر ڈالی، زمین میں ہر سو پھول کھلائے، صالح تہذیب کی بنا رکھتے ہوئے یہاں آبادیات، تعمیرات، حرکت اور عمل کی انتہا کر دی تو اس کے پیچھے یہی قوتِ فاعلہ تھی۔ لیکن جب یہی عقیدہ ایک انحراف اور بگاڑ کا شکار ہوا تو عمل، حرکت، تعمیر، فاعلیت اور پید آوری کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بنا!

ہر دو عہد میں؛ بظاہر یہ ایک ہی عقیدہ تھا، مگر حقیقت کے اعتبار سے ہر دو کے مابین زمین آسمان کا فرق!

بغور دیکھیں تو ہر اسلامی عقیدہ کا یہی حال رہا... ظاہر میں وہی عقیدہ؛ مگر مفہوم کے اعتبار سے پہلوں اور بعد والوں کے تصور میں زمین آسمان کا فرق!

---

[1] [الحدید 23] ' تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تمہیں دے اس پر اتراؤ نہیں"۔

کلمۂ شہادت ہی کو لے لیجئے...؛ الفاظ تو آج بھی عین وہی ہیں جو اسلام کی ابتدائی نسلوں کی زبان پر ہوا کرتے تھے...: " أشهد ألا إله إلا الله، وأشهد أن محمداً رسول الله"۔ لیکن تب یہ الفاظ ایک دنیا کو دہلاتے تھے؛ ان کلمات کی تہہ میں بولتی حقیقتیں عالم انسان کے اندر ایک طلاطم برپا کرتی تھیں۔ مگر دورِ آخر کی مسلمان نسلوں کا یہی الفاظ بولنا کوئی سرسری واقعہ تک نہیں! دنیا کو ہلانا تو دور کی بات، دنیا اِن پر چڑھی آتی ہے اور اِدھر اپنا آپ بچا لینے کی سکت نہیں! آج مسلمان پر کیسی کیسی یلغار نہیں ہو رہی؟ فوجی، سیاسی، اقتصادی، فکری ہر طرح کے طوفان کیوں اِسی کے گھر کا پتہ پوچھتے ہیں؟ خاص طور پر فکر اور ثقافت کے جھکڑ، جو اِس کا سب کچھ تہ و بالا کر چکے۔ تاریخ کو پہلی بار یہ دیکھنا پڑ رہا ہے، اِن طوفانوں کے آگے "مسلمان" کس طرح آج بے بس ہے! اعضاء ہیں گویا ہل کر نہیں دے رہے... جبکہ یہ مسلمان بھی وہی أشهد ألا إله إلا الله، وأشهد أن محمداً رسول الله پڑھتا ہے! وجہ صاف ظاہر ہے: یہ الفاظ جن عظیم الشان حقیقتوں کا بیان تھے وہ آج اِس کے ہاں روپوش ہیں!

نماز کو لے لیجئے۔ سب حرکات وسکنات وہی ہیں۔ قیام، رکوع، سجود، قعود، قراءتِ قرآن؛ کوئی ایک چیز بھی تو تبدیل نہیں ہوئی! مگر کوئی وقت تھا کہ نماز کے لیے مسلمانوں کی صفیں بننا کسی زندگی اور فاعلیت کی خبر دیتا تھا۔ اِس سجود اور قیام کی ایک شان تھی؛ عبادت کی جو کوئی حقیقت ہے وہ اِس نماز کی صورت اپنا پورا پتہ دیتی تھی۔ پھر یہ نمازی اپنی نماز کے مطالبات سے آگاہ تھا؛ جس سے یہ "نماز" اس کی دنیا میں وہ سب خوش رنگ پھول کھلا رہی تھی۔ یہ "نماز" تب ایک ایسی امت کا پتہ دے رہی تھی جو اپنے وجود کی غایت سے آگاہ تھی۔ پھر کیوں نہ ہوتا، جس امت کے وجود سے ایسی "نماز" ظہور کرنے لگی ہو اُسے دنیا کی ہر اُس قوم پر غالب کر دیا جائے جو اپنے وجود کی غایت کو پہچاننے سے انکاری تھی؟! اور جبکہ یہ خدا کی باقاعدہ سنت ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء:105)

اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ **میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔** (ترجمہ: جالندھری)

ایسا ہی معاملہ عقیدۂ قضاء وقدر کا رہا۔ ظاہری صورت وہی کہ:"جو جو کچھ اِس کائنات میں اور اِس حیاتِ انسانی کے اندر وقوع پذیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اُسی کی قدر سے ہے، اور یہ کہ اِس لامتناہی کائنات میں کچھ واقع نہیں ہوتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمار کھا ہے":

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (القمر 49)

بے شک ہم نے ہر چیز ایک قدر کے ساتھ پیدا کی

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (الحدید 22)

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں بیشک یہ اللہ کو آسان ہے،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (التغابن 11)

کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے، اور جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمادے گا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (التوبۃ 51)

کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو خدا نے ہمارے لیے لکھ دی ہو وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو خدا ہی کا بھروسہ رکھنا چاہیئے

لیکن وہ فرق جو اِس عقیدہ (قضاء وقدر) کو سمجھنے اور لاگو کرنے میں دورِ اول اور دورِ آخر کے مابین پایا گیا... وہ عین وہی فرق ہے جو دورِ اول کے توکل اور دورِ آخر کے تواکل کے مابین پایا گیا۔ (توکل: یعنی "اللہ پر بھروسہ رکھنا"۔ اور تواکل: یعنی 'ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہونا')۔ اور یہ ہرگز اپنی سنگینی میں اُس بعد المشرقین سے کم نہیں جو دورِ اول میں پڑھے جانے والے "لا الٰہ الا اللہ" اور دورِ آخر میں پڑھے جانے والے "لا الٰہ الا اللہ" کے مابین رہا، یا جو دورِ اول میں پڑھی جانے والی "نماز" اور دورِ آخر میں پڑھی جانے والی "نماز" کے مابین رہا۔ بلکہ... آپ غور کریں تو یہی صورت آپ کو دورِ اول اور دورِ آخر کا موازنہ کرتے ہوئے جملہ اسلامی عبادات میں نظر

آئے گی۔ اِس انقلابِ احوال کا کچھ مشاہدہ ہم اُس زمانے میں کر چکے جب یہ تصورات سکڑنے سمٹنے کے عمل سے گزر رہے تھے۔ اس کے پورے ثمرات البتہ ہم آج دیکھ رہے ہیں جب لڑھکتے لڑھکتے ہم اس وادی کی کھوہ میں جا پہنچے ہیں!

دورِ اول کا مسلمان ایمان رکھتا تھا کہ اُس کو جو پیش آنے والا ہے، نیز پوری کائنات میں جو جو کچھ پیش آنے والا ہے، وہ سب خدا کی مشیئت اور فیصلے سے ہے؛ اور یہ کہ خدا نے ازل سے لوحِ محفوظ میں جو لکھ دیا وہ کسی کے زور سے ٹلنے والا نہیں۔

قضائے ازل پر ایمان رکھنے کا مطلب البتہ اُس کے نزدیک یہ تھا کہ میدانِ جہاد میں میرا بال بھی بیکا ہونے والا نہیں جب تک قضائے خداوند نہ ہو۔ ہاں جس لمحے خدا نے میری موت لکھ رکھی ہے اُس لمحے مجھے مرنا ہی ہے خواہ میں گھر میں محوِ آرام کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا میں فریضۂ جہاد سے پیچھے کیوں رہوں؟ موت کے خوف سے؟ وہ تو اگر لکھی ہے تو آکر رہنی ہے؟ کسی مصیبت اور آزمائش کے ڈر سے؟ وہ بھی اگر اور جتنی خدا نے لکھ رکھی ہے آنی ہے۔ ان اندیشوں کے باعث ہم خداوند کا حکمِ جہاد کیوں ٹالیں؛ جو لکھی ہے وہ ٹلنے والی نہیں اور جو فرض ہے اُس کو ہم ٹالنے والے نہیں؛ وہ ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کے لائق یہی ہے کہ اُسی پر اپنا بھروسہ رکھیں۔ یوں یہ عقیدہ (قضاء وقدر) اُسے لے کر میدانِ قتال میں جا اترتا تھا۔ تب خدا اُس کے ذریعے سے زمین میں اپنی ٹھہرائی ہوئی تقدیر برپا فرماتا، اُس (مسلمان) کے ذریعے اِس دین کو زمین میں نصرت اور تمکین دیتا، جبکہ خود اُس (مسلمان) کے حق میں ہوتا وہی جو اس کے لیے لکھ رکھا گیا ہے؛ شہادت یا جیت۔

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحۡدَى ٱلۡحُسۡنَيَيۡنِ (التوبۃ52)

کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو

اُحد کے سانحہ کے بعد منافقین حتی کہ کچھ کمزور ایمان مسلمانوں کے دلوں میں جب ایک خلجان پیدا ہوا تو اہل ایمان کے نفوس میں یہی ایمانی حقیقت راسخ کرنے کے لیے باقاعدہ آیات نازل ہوئیں:

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاساً يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (آل عمران154)

پھر خدا نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہو گئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے خدا کے بارے میں ناحق (ایام) کفر کے سے گمان کرتے تھے اور کہتے تھے بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بے شک سب باتیں خدا ہی کے اختیار میں ہیں یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے اس سے غرض یہ تھی کہ خدا تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو خالص اور صاف کر دے اور خدا دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ (آل عمران156-158)

مومنو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور ان کے (مسلمان) بھائی جب (خدا کی راہ میں) سفر کریں (اور مر جائیں) یا جہاد کو نکلیں (اور مارے جائیں) تو ان کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ ان باتوں سے مقصود یہ ہے کہ خدا ان لوگوں کے دلوں میں افسوس پیدا کر دے اور زندگی اور موت تو خدا ہی دیتا ہے اور خدا تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تم خدا کے رستے میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں اس سے خدا کی بخشش اور رحمت کہیں بہتر ہے۔

یہی معاملہ اُس وقت ہوتا جب وہ مسلمان اِس دین کے نشر و اقامت یا جستجوئے علم، یا تلاشِ روزگار کے لیے زمین میں سرگرمِ عمل ہوتا، اور جب وہ مقاصدِ حق کو روپذیر کرانے کے لیے خطرات سے الجھتا اور طرح طرح کی گھاٹیاں عبور کرتا... یہ عقیدہ ہر چیلنج میں اُس کا ساتھ دیتا؛ اور وہ کہتا کہ خدا پر میرا توکل ہے تو ڈر کس کا؟

یہ عقیدہ جو کبھی مسلمان کی قوتِ اقدام کا راز تھا... آج البتہ مسلمان پر نامردی، پست ہمتی اور مردنی لانے کا نسخہ ٹھہرا!

قضاو قدر کا مطلب... ہم اپنے قصوروں سے بریءالذمہ؟!

دورِ اول کے مسلمان کا قضاء وقدر پر ایمان رکھنا اس بات سے متعارض نہ تھا کہ اپنی کسی بدعملی کا ذمہ دار وہ خود ہو نہ کہ 'قدرت کا کرنا'۔

غزوۂ احد میں ملنے والا سبق اہل ایمان کے نفوس میں کچھ نہایت عظیم حقیقتیں رقم کر گیا تھا۔ تیر انداز اپنے قائد اور رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے تھے: ان کو مامور کیا گیا تھا کہ اگرچہ وہ دیکھیں کہ بقیہ لشکر کو پرندے نوچنے لگے ہیں، اپنی جگہ کسی قیمت پر نہ چھوڑیں۔ لیکن جیسے ہی انہوں نے دیکھا کہ فتح ہو گئی، اور ان کو لگا کہ جنگ سرے لگ چکی، تو غنائم اکٹھا کرنے کے خیال میں وہ رسول اللہ ﷺ کا حکم بھلا بیٹھے اور اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے اتر آئے تاکہ وہ غنائم میں اپنے حصے سے محروم نہ رہ جائیں! مشرکین نے راستے کو تیر اندازوں سے صاف پایا تو وہ مسلمانوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کے لشکر میں کھلبلی مچادی، جس سے ایک جیتی ہوئی جنگ ہار میں بدل گئی، خود رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے، بلکہ کفار نے تو یہ افواہ پھیلا دی کہ وہ آپؐ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے، جبکہ مسلمان لشکر اس عمل کے نتیجے میں تتر بتر ہو کر رہ گیا۔

یہاں اہل ایمان کو قرآن میں شدید عتاب کیا گیا، اور کچھ نہایت اہم اسباق ذہن نشین کرائے گئے۔ مثلاً یہ کہ:

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ **هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ** إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ **وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ** وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا.. (آل عمران165-167)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبیؐ! اِن سے کہو، **یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے**، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ **جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا** اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مومن کون ہیں۔ اور تا کہ دیکھ لے منافقوں کو...

دونوں سبق بیک وقت:

"یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے"... اور... "جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا"۔

غلطی کی ذمہ داری بھی بر قرار ہے۔ اور یہ ایمان بھی بر قرار ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی قضاء وقدر تھی... **دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔**

یہ ان عظیم ترین اسباق میں سے ایک تھا جو اِس امت نے اس موقع پر سیکھا اور یہی اس کے عقیدہ کا ایک نہایت عظیم امتیاز: انسان کا یہ ایمان رکھنا کہ اپنے عمل کا وہ خود ذمہ دار ہے، اور یہ ایمان رکھنا کہ اللہ کی قضاء وقدر سے ہے... ان دو چیزوں کے مابین کوئی تعارض ہے ہی نہیں۔ ہر دو حقیقت کو بیک وقت قلب انسانی میں جاگزیں ہونا ہے تا کہ یہاں ایک توازن آجائے۔ اور ان دونوں سے مل کر ہی اس کو عین وہ توازن ملتا ہے جس سے یہ روئے زمین پر اپنی پیشقدمی کرتا ہے۔ تب نہ کسی دم اس کی نظر خدا کی تقدیر سے ہٹتی ہے اور یہ ہر لحظہ خدا کی قدرت پر نظر لگائے رکھتا اور ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اُسی کی جانب متوجہ رہتا ہے... اور نہ کسی دم اس کی نظر اپنے اعمال سے ہٹتی ہے اور یہ ہر لحظہ اپنے اعمال کو درست کرنے اور ان کو شریعت کی میزان میں تولنے میں لگا رہتا ہے۔

آخر کیسے ہوا کہ ایسا خوبصورت توازن جو اِس دین نے مسلم ذہن کو بخش رکھا تھا یکسر روپوش... اور اس کی جگہ 'قضاء پر ایمان' کا ایک ایسا مفہوم چلا آیا جو انسانی ذمہ داری سے

مکمل طور پر دامن چھڑا لیتا اور سب کچھ خدا کے کھاتے میں ڈال آتا ہے؛ کہ 'جو کرنا ہے خدا نے کرنا ہے'!

خدا کی مشیئت... تو 'اسباب' کی ضرورت؟!

دورِ اول میں... یہ بات بھی امت کی گھٹی میں پڑی تھی کہ قضاء وقدر پر اِس کا ایمان رکھنا اس چیز سے متعارض نہیں کہ یہ اسباب کو بھی باقاعدہ اختیار کرے۔

اہل ایمان ایک طرف ادراک رکھتے تھے کہ اِس کائنات میں اور خود انسانی زندگی کے اندر خدا کے مقرر کردہ کچھ قانون اور قاعدے ہیں جو غیر متبدل ہیں۔ دوسری طرف وہ یہ ایمان رکھتے تھے کہ خدا اپنی مشیئت سے، خرقِ عادت پر قادر ہے؛ اُس کی اپنی مشئیت کسی قید کی پابند ہے اور نہ کسی چیز سے بے بس ہوتی ہے۔ تاہم یہ خدا کا اپنا ہی فیصلہ ہے کہ حیاتِ دنیا میں اُس کے یہ قوانین ہی کارفرما رہیں، اور خرقِ عادت کہیں کہیں ایک استثناء کے طور پر آئے، گو یہ دونوں خدا کی مشیئت ہی کے رونما ہونے کی صورتیں ہیں۔

چنانچہ یہ بات اُن کی گھٹی میں بیٹھی تھی کہ اپنی زندگی میں کچھ خاص نتائج تک پہنچنے کے لیے اُنہیں اِن خدائی قوانین کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔ یعنی انہیں وہ اسباب اختیار کرنے ہیں جو خدائی سنتوں کی رُو سے انہیں ان کے مطلوبہ نتائج تک پہنچانے والے ہوں۔

اور یہ حقیقت خدا نے اپنی تنزیل میں بڑے صریح انداز میں بیان فرمائی:

خدا اپنی یہ قضاء یقیناً فرما چکا تھا کہ یہ دین ہی جیتے اور زمین کے اندر بھاری تمکین پا کر دکھائے اور یہ کہ اس کے مقابلے پر کفار کی سب چالیں ناکام چلی جائیں:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف 9)

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو

وَلا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لا يُعْجِزُونَ (الانفال59)

کافر ہرگز مت سمجھیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناًوہ ہم کو ہرا نہیں سکتے

جی ہاں، جس خدا نے اپنے دین کے لیے جیت لکھ دی ہے، یہ اُسے ہرانے کے نہیں۔ نہ یہ اُس کی قضاء پر بازی لے جاسکتے ہیں۔ یقیناً اُس کی تقدیر ہی ہر چیز پر بازی لے جانے والی اور اُس کا ارادہ ہی ہر حال میں لاگو ہو کر رہنے والا ہے۔

اس کے باوجود... کیا وہ اِنہیں یہ کہتا ہے کہ چونکہ میری قضاء وقدر میں اس دین کے لیے نصرت و تمکین تو لکھ رکھی گئی ہے اور چونکہ میری اس قضاء کی تو تم کو خبر بھی ہو چکی، لہٰذا تم آرام سے بیٹھ کر ذرا دیکھتے جاؤ میری قضاء وقدر اب کس طرح پوری ہوتی ہے، جبکہ خدا کی قضاء کو تو بہر حال پورا ہونا تھا؟! ظاہر ہے خدا نے ایسا نہیں کہا، بلکہ جہاں اُس نے اپنی اُس قضاء وقدر کی خبر دی وہیں اہل ایمان سے کہا کہ یہاں جہاد میں اپنی جانیں کھپادو اور ایک ایک ہتھیار جمع کرنے کے لیے پورا زور لگا دو:

وَلا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لا يُعْجِزُونَ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لا تُظْلَمُونَ (الانفال59-60)

کافر ہرگز مت سمجھیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناًوہ ہم کو ہرا نہیں سکتے۔ اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دُوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد7)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا

تو یہ ہوئے جیت پانے کے اسباب جنہیں اختیار کرنا ناگزیر ہے، باوجود اس کے کہ یہ جیت خدا کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر ہے جس کی وہ آپ اپنی کتاب میں (پیشگی) خبر دے رہا ہے۔

یوں مسلم تصور میں یہ دو جڑواں حقیقتیں مسلسل ایک ساتھ چلنے لگیں: (1) مسلمان کا اللہ کی قضاء و قدر پر ایمان رکھنا۔ (2) مسلمان کا اس بات پر ایمان رکھنا کہ وہ ایسے اسباب کو اختیار کرنے کا پابند ہے جو خدائی سنتوں کی رو سے اُسے اس کے مطلوبہ نتائج تک پہنچانے والی ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اِس امت کو اسباب کے سپرد بھی نہیں کیا گیا کہ یہ اسباب اس کے لیے فتنہ ہی بن جائیں اور اس کو خیال ہو جائے کہ یہ اسباب خدا کی تقدیر سے بے نیاز اسے کسی منزلِ مراد تک پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ معاصر جاہلیت کا طرزِ فکر ہے۔ چنانچہ حُنین میں ملنے والا درس امت کے نفوس میں یہی معنیٰ راسخ کرنے کے لیے اترا:

.. وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئاً وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ثُمَّ أَنَزلَ اللّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا وَعذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ (التوبۃ 25-26)

> ابھی غزوہ حنین کے روز (اُس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔

یہ بھی اِس امت کے لیے ایک کمال کا درس اور ایک نہایت گراں مایہ تربیت ثابت ہوئی، جس سے مقصد یہ تھا کہ یہ اپنی زمینی پیش قدمی میں نہ تواکل (اسباب سے پہلو تہی) برتے اور نہ اتکال (اسباب پر ہی ہو رہنا)۔

جس امت کو ایک ایسا اعلیٰ توازن مل گیا ہوا تھا اُس کے ہاتھ سے یہ توازن کیسے چھوٹ گیا اور وہ ایسی منفیت کا شکار کیونکر ہوئی کہ 'تقدیر' اور 'توکل' کے نام پر اس کے ہاں اسباب سے منہ پھیر لیا جائے اور وہ کارزارِ حیات سے باہر آ جائے؟

حالات کو بدل ڈالنے کی کوشش... 'تقدیر پر اعتراض' ؟!

امت کی ابتدائی نسلوں کے یہاں ان دو باتوں میں کوئی تعارض نہیں تھا: خدا کی تقدیر کے آگے تسلیم ہونا... اور ایک ناقبول صورتحال کو بدل ڈالنے کے لیے شمشیر بکف ہو جانا۔ اِن دو باتوں کے مابین کوئی ٹکراؤ اُن کے ذہن میں نہ آتا تھا۔

اِس جہان میں، اور انسانی زندگی کے اندر، جو کچھ پیش آتا ہے وہ خدا کی قضاء اور قدر سے ہی پیش آتا ہے۔ مومن نفوس میں اِس بابت ذرہ بھر شک یا تردد نہیں تھا۔

انسانی زندگی کے اندر جس وقت کوئی ناقبول صورتحال پائی جاتی ہے تو یقیناً وہ خدا کی قضاء اور قدر سے ہی پائی جاتی ہے، خواہ اُس کا سبب انسانوں کا اپنا پیدا کردہ ہو جیسا کہ اُحد کے روز ہوا تھا جب اہل ایمان کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی کر بیٹھا تھا، اور خواہ اُس میں انسانوں کا کوئی عمل دخل اور کوئی ذمہ داری نہ بنتی ہو جیسا کہ خلیفہ عمر بن خطابؓ کے عہد میں طاعونِ عمواس کی صورت میں ہوا (اُس وقت طاعون کے کوئی مادی اسباب یا اس کے علاج کے ذرائع معلوم نہ تھے، اس لحاظ سے کسی انسان پر اُس کی ذمہ داری نہ آتی تھی)، اور خواہ وہ خدا کی جانب سے محض ایک آزمائش ہو جس سے اُس کا مقصد مومنوں میں سے کھرے کو کھوٹے سے چھانٹنا ہو، جیسا کہ دعوت کے ابتدائی مراحل میں ایسا پیش آنا خدائی سنتوں میں سے ایک ایک سنت ہے جیسا کہ فرمایا: } أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (العنکبوت: 2، 3) "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالاں کہ ہم اُن سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو اِن سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچّے کون ہیں اور جھوٹے کون "{ غرض ایسے سب معاملات جو انسانوں کو پیش آتے ہیں سب اللہ کی قضاء اور قدر سے ہوتے ہیں...

تاہم اللہ تعالیٰ نے کہیں انسانوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ خدا کی تقدیر کے آگے اِس معنیٰ میں تسلیم ہوں کہ وہ ایک ناقبول صورتحال کو بدل ڈالنے کے لیے اٹھ کھڑے ہی نہ ہوں۔ خدا نے

اپنی تقدیر کے آگے تسلیم ہونے کا حکم ان کو اِس معنیٰ میں دیا ہے کہ جو کچھ ان کے ساتھ پیش آچکا وہ اس کے معاملہ میں خدا کے حکم پر راضی برضا ہو جائیں اور یہ یقین رکھیں کہ خدا کی جانب سے یہ ایک طے شدہ امر تھا اور اس سے بچ نکلنا ناممکن۔ تاہم کسی پیش آمدہ صورتحال کے آگے ہاتھ کھڑے کر دینا، اُس کو بدل ڈالنے کو ہی "ایمان بالقدر" کے منافی جاننا اور اس سے چھٹکارا پانے کے لیے تگ و دو کرنے کو 'تقدیر پر معترض ہونے' پر محمول کرنا نرا ایک باطل مفہوم ہے۔ خدا نے کہیں نہیں کہا کہ ایک ناگوار صورتحال کو بدل ڈالنے کے لیے آستینیں چڑھا لینا اور اُس سے نجات پانے کے لیے برسرِ عمل ہو جانا منع ہے کیونکہ یہ میری تقدیر پر اعتراض ہے! خدا کی تقدیر پر راضی برضا ہونے کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب یہاں بطورِ مثال ہم یہ تین واقعات ہی لے لیتے ہیں جن کا اوپر ذکر کر آئے: چنانچہ:

1: جب اُحد کے اندر ہزیمت ہوئی، اور جس کا سبب مومنوں کا اپنا پیدا کردہ تھا جبکہ وہ خدا کی تقدیر بھی بہر حال تھی:

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ (آل عمران 165-166)

اِن سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا...

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ٹھہرائی ہوئی اِس تقدیر کے تسلیم ہو جانے کا تو کہا:

فَأَثَابَكُمْ غَمّاً بِغَمٍّ لِكَيْلا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاساً يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ .. (آل عمران 153-154)

تو خدا نے تم کو غم پر غم پہنچایا تا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے اس سے تم اندوہ ناک نہ ہو اور خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی۔

لیکن کیا اللہ نے اُن سے یہ تقاضا کیا کہ اِس شکست کے آگے ہاتھ کھڑے کر دو اور اس کو فتح کے ساتھ بدل ڈالنے سے دست کش ہو جاؤ اور اُس پریشان کن صورتحال کو جس میں وہ

گرفتار ہیں تبدیل کر دینے کے لیے سرگرم مت ہو کیونکہ یہ 'خدا کی تقدیر' ہے جس سے بچ کر کہیں جانا تمہارے لیے ممکن ہی نہیں ہے!؟

قطعاً نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھئے جو یہاں قائد بھی ہیں، ان کے غمخوار بھی اور مربی بھی، اِس تصور سے یکسر مختلف اقدام اٹھاتے ہیں۔ ہزیمت کی یہ صورتحال کہ گھر گھر ماتم کی صفیں بچھی ہیں اور مسلمان ذہنی وجسمانی زخموں سے چور ہیں، پھر بھی وہ حوصلہ اور اقدام کہ دشمن حیران رہ جاتا ہے! آپؐ ان مسلمانوں کو عین اس حالت میں دوبارہ صف آراء ہونے کا حکم دیتے ہیں اور فی الفور دشمن سے مقابلے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں؛ یہاں تک کہ آسمان سے اِس سرعتِ اقدام پر ان اہل ایمان کے لیے شاباش اترتی ہے:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (آل عمران 172-174)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا اُن میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیز گار ہیں اُن کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ، "تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو"، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے، ان کو کسی قسم کا ضرر بھی نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

یہ شکست کھا چکے لوگ – اور جبکہ وہ شکست خدا کی تقدیر تھی (گو اس کا سبب ان کا اپنا پیدا کردہ تھا) – یہ زخم رسیدہ لوگ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہہ کر پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں! یہ ہے اللہ پر توکل! ایک بری حالت کو ایک اعلیٰ حالت سے بدل ڈالنے کے لیے پورا زور صرف کر دینا اور خدا پر کامل بھروسہ رکھنا!!!! ابھی ایک لمحہ پہلے جو "تقدیر" سامنے آئی وہ ہرگز مانع نہ ہوئی کہ اگلے لمحے اس سے مختلف ایک "تقدیر" کی جستجو ہو! وہ "خدائی تقدیر" جس

سے ان کو ایک لمحہ پہلے واسطہ پڑا اور جو کہ ان کی اپنے ہی ایک غلط عمل کا نتیجہ تھی، تو اب جستجو ہے اُس سے مختلف ایک "خدائی تقدیر" کی جس کو روپذیر کرانے کے لیے ایک اب ایک عمدہ عمل پیش کیا جا رہا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی صدا پر لبیک کہنا۔ یعنی پہلے کا رویہ ایک بری تقدیر لانے کا باعث بنا تھا تو اب اختیار کیا جانے والا رویہ ان شاء اللہ اچھی تقدیر لانے کا باعث بننے والا ہے۔ **اب یہ ہے خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے اسباب کو اختیار کرنا۔** یوں اُن کے ہاں "خدا کی تقدیر کے آگے تسلیم ہونا" کبھی اس بات سے متعارض نہ ہوا کہ ایک ناقابلِ قبول صورتحال کی جگہ پر اس سے مختلف خدائی تقدیر کو روپزیر کرانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر ڈالا جائے۔

2: طاعونِ عمواس کے موقع پر... خلیفہؓ کو پتہ چلتا ہے کہ شام میں طاعون پھوٹ پڑا تو وہ لشکر اسلام کو وہ جگہ چھوڑ دینے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اس پر معترض ہوتے ہیں: "کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں؟"۔ اِدھر خلیفہؓ کا جواب سنیے: "ہاں اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگتا ہوں"۔ یہ ایک نہایت بلیغ عبارت ہے جس سے خلیفہؓ کے اُس فہم کی گہرائی ظاہر ہوتی ہے جو اُن کو مسئلہ قضاء و قدر کی بابت حاصل ہے۔ طاعون یقیناً ایک خدائی تقدیر ہے جو لوگوں پر واقع ہوئی ہے۔ مگر عمرؓ اور عمرؓ کی فوج پر ابھی اُس طرح واقع نہیں ہوئی ہے۔ اس سے بچ نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارنا آپؓ کے نزدیک واجب ہے۔ اگر یہ طاعون مسلم افواج کو آلیتا ہے تو وہ خدائی تقدیر ہو گی۔ مگر طاعون کا مسلم افواج کو آلینا خدائی تقدیر ہے تو مسلم افواج کا طاعون سے بچ نکلنا بھی خدائی تقدیر ہی ہو گی۔ اول الذکر ثانی الذکر کے پیش آنے میں مانع نہیں ہے۔ یہاں عمرؓ وہ "اسباب" اختیار کرتے ہیں جو ان کے خیال میں بچاؤ کا موجب ہیں، اور بالفعل اس کے نتیجے میں لشکر کی ایک بڑی تعداد کا بچاؤ کر بھی لیا جاتا ہے۔

3: جبکہ وہ آزمائش جو قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مکہ میں واقع ہوئی، اور جو کہ ایک ایسی خدائی سنت ہے جو ہر اُس مسلم جمعیت کو پیش آتی ہے جس کو جاہلیت کے ساتھ مڈبھیڑ کرنی ہوتی ہے، یعنی تمکین کا مرحلہ آنے سے پہلے دعوت کو لازماً اس سے گزرنا ہوتا ہے... تو

یہ آزمائش خدائی تقدیر سے ہی واقع ہوئی تھی، اور جو کہ خدا کی اپنی کسی حکمت اور ارادے ہی کے تحت تھی:

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (العنکبوت 3)

اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچّے کون ہیں اور جھوٹے کون

تو پھر کیا رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابؓ نے اس صورتحال سے نمٹنے اور اس کو ممکنہ حد تک بدلنے کی کوشش ترک فرمادی؟ مثلاً بعض مشرک سرداروں سے پناہ طلب کرنا، حبشہ کی طرف ہجرت کر جانا، اور وہ سب اقدامات جو مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم آنے سے پہلے اختیار کیے گئے، انجام نہیں پائے؟

یہ آزمائش جو اہل ایمان کو مکہ میں پیش آئی خدائی تقدیر تھی اور خدا کی اٹل سنتوں میں سے ایک سنت۔ پھر بھی یہ بات اِس چیز میں مانع نہیں کہ اِس آزمائش سے جس قدر بچا جا سکتا ہو یا اس کی سختی سے جس قدر بچت ہو سکتی ہو اُس کی کوشش کر لی جائے۔ تمام تر کوشش کر لینے کے باوجود آزمائش جو آنی ہے وہ آ کر رہے گی کہ وہ خدائی تقدیر ہے۔ البتہ جہاں بچاؤ کی کچھ کوشش کارآمد ہونے والی ہے وہ بھی ہو کر رہے گی اور وہ بھی خدائی تقدیر ہے!

چنانچہ اسلام کی اُس نسل اول کے ہاں ان دو باتوں میں کوئی تعارض تھا ہی نہیں: ایک ہے خدائی تقدیر کے آگے تسلیم ہونا، جو کہ فرض ہے۔ اور ایک ہے بری صورتحال کو اچھی صورتحال سے بدل ڈالنے کی کوشش، جو کہ حق ہے اور جو کہ خدا کی کسی اور تقدیر کے رونما ہونے کے لیے ہی انسان کی جستجو ہوتی ہے۔ ان دو باتوں میں اُن مسلمانوں کے ہاں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ یہ وہ حسین ترین بات تھی جو اِس امت کی تربیت کے اندر بول رہی تھی اور اس کو ایک نہایت خوبصورت توازن دے رہی تھی اور اس کو کسی ایک جانب لڑھک جانے سے بچا رہی تھی۔ یعنی "تقدیر کے آگے تسلیم ہونے" کا وہ معنیٰ جو انسانی فاعلیت کی نفی کرواتا ہے اور اس کو ایک اتھاہ سلبیت اور لاچاری و مسکینی کی جانب دھکیل دیتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم اُس سے بھی محفوظ

رہتے ہیں، دوسری جانب وہ خودسری جو خدا کے فیصلے کے آگے تسلیم ہونا ہی نہیں جانتی صحابہؓ اُس سے بھی پاک رہتے ہیں... اور یہ تھا اُن کے ہاں "تقدیر پر ایمان" رکھنا۔

"خدائی تقدیر" کی بابت ایک ایسا زبردست متوازن تصور آخر کیونکر مسخ ہوا اور ایک اتھاہ سلبیت، بے بسی، لاچاری، نامردی اور کم ہمتی کا ہم معنیٰ بن کر رہ گیا؟ یہ انقلابِ زمانہ بیان سے باہر ہے۔

عقیدہ قضاوقدر... اور مذاہب کی اِفراط و تفریط

عقیدۂ "قضاء و قدر" اپنی اصل صورت میں اسلامی تصور کو توازن کی کچھ ایسی عظیم الشان جہتیں عطا کرتا ہے جن سے مسلمان کی زندگی ایک اعلیٰ ترین اور برگزیدہ ترین صورت اختیار کرتی ہے...

چنانچہ علاوہ اس بات کے کہ اِس عقیدہ کا تعلق خدا کی ذات کو پہچاننے اور اُس کے اسماء وصفات وافعال کو درست طور پر جاننے سے ہے، اور اس لحاظ سے یہ عقیدہ لا الٰہ الا اللہ سے ہی پھوٹنے والی ایک حقیقت ہے، کیونکہ یہ تصور کہ خدا کی اِس مملکت میں کوئی ایسا واقعہ رونما ہو سکتا ہے جو خدا نے مقدر ہی نہیں کر رکھا در حقیقت شرک ہے...

علاوہ اس بات کے، یہ عقیدہ خود انسان کی زندگی کو ایک خاص جہت دینے میں بھی کچھ نہایت عظیم مضمرات رکھتا ہے...

یہ انسان کو ایسے ایسے مقامات پر توازن عطا کرتا ہے جہاں نفس انسانی کسی بھی خطرناک جانب کو لڑھک سکتا ہے...

- مثلاً... انسان کا خدا کی عظمت کو تصور میں لانا، کہ جس کا کوئی حدوحساب ہی نہیں ہے، انسان کا ہر ہر چیز پر خدا کے حاوی اور بالاتر ہونے کو ذہن میں لانا اور ہر ہر چیز کے محض خدا کی مشیئت سے واقع ہونے کا تصور کرنا... یہاں یہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ کرۂ ارض پر اپنے "کردار" سے متعلق انسانی ذہن ایک ایسی سلبیت کی جانب لڑھک جائے جہاں

انسانی فاعلیت صفر ہو جاتی ہے اور جہاں انسان اِس شعور میں قید ہوتا چلا جاتا ہے کہ اِس جہان میں خود اُسے نہ تو کچھ کرنا ہے اور نہ کچھ اُس کے بس میں ہے اور نہ کچھ کرنے کا اُسے خیال تک ذہن میں لانا چاہئے!

- تو دوسری جانب انسان کا اپنی ذات کا ادراک اور اثبات کرنا، انسان کو اِس جہان میں عمل اور تصرف کی جو ایک غیر معمولی طاقت بخشی گئی ہے اس کو ذہن میں لانا، انسان اپنے عقلی وجسمانی قویٰ کو کام میں لا کر یہاں جو جو کرشمے انجام دیتا اور دے سکتا ہے ان پر کچھ نظر دوڑانا... یہاں یہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ انسان بالآخر یہاں خدائی کا دعویٰ کر لے، اپنی مشیئت اور فاعلیت کے نشے میں دھت ہوتا چلا جائے اور خدا کی مشئیت اور طاقت اور اُس کے فضل اور احسان اور اختیار کا ہی انکار کر بیٹھے!

- ایک جانب انسان کا خدا کی عظمت اور بالاتری کو ذہن میں لانا اور ہر ہر چیز کا محض خدا کی مشیئت سے واقع ہونے کا تصور کرنا... یہاں یہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب کو مطلق نظر انداز کر دے، نیز اُن خدائی سنتوں (قوانین) کو حساب سے خارج ٹھہرا دے جنہیں خدا نے کائنات اور زندگی کی بنیادی ساخت ہی کے اندر سمو رکھا ہے۔ خدا کی مشیئت جس کی بلاشبہ کوئی حدوحساب نہیں ہے اور جو بلاشبہ کسی قید یا ضابطے کی پابند نہیں ہے، اس کا تصور انسان کے ذہن پر اثر انداز ہوتے ہوتے اس حد تک چلا جائے کہ اسباب اور سنتیں (قوانین) اس کے تصور میں معدوم ہو جائیں!

- تو دوسری جانب خدائی سنتوں (جنہیں لوگ یہاں 'طبعی قوانین' کہتے ہیں) کو اس مربوط اور منظم انداز میں رونما ہوتے دیکھنا جو کہ کائنات اور زندگی میں بلاشبہ ہر صاحبِ نظر کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں... یہاں امکان پیدا ہوتا ہے کہ انسان بالآخر خدا کی اپنی قدرت اور فاعلیت کو بھول جائے یا اس سے صرف نظر کر لے اور اسباب کو ہی "اٹل قوانین" ٹھہرا کر ان سے وابستہ ہو جائے! ہر معاملے کو "سبب" سے شروع کرے تو "نتیجے" پر ختم سمجھے؛ اور اسباب کے مالک کو اس معاملے سے بے دخل ٹھہرا دے!

1. ایک طرف انسان کا اشیاء کو یوں دیکھنا کہ جملہ معاملات خدا کی مشیئت سے ہوتے ہیں خواہ یہ خود کوئی عمل کرے یا نہ کرے اور خواہ یہ خود کوئی ارادہ کرے یا نہ کرے... یہاں یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنا عمل ہی ترک کر بیٹھے کہ جب اس کے اپنے عمل سے یہاں کچھ ہونا ہی نہیں، اِس کا اپنا عمل جب زمانے کا رخ بدلنے میں مؤثر ہی نہیں، اِس کی جہد اور کاوش کو "نتائج" کو جنم دینے میں جب کوئی دخل ہی نہیں تو پھر "عمل" کی ضرورت ہی کیا؟!

2. تو دوسری جانب واقعاتِ زمانہ میں انسانی عمل کے نتائج اور تاثیر کی جانب نظر چلی جانا، نیز اپنی آنکھوں یہ چیز دیکھنا کہ انسان جس دور اور جس خطے میں جس قسم کا عمل کرتا رہا اُس کے جہان میں اُسی نوع اور اُسی قبیل کے نتائج جنم لیتے رہے، فاسد عمل کے فاسد نتائج تو صالح عمل کے صالح نتائج... تو یہاں یہ امکان پیدا ہونے لگتا ہے کہ انسان "عمل" کے فتنے میں گرفتار ہو جائے اور "عمل" کو ہی سب کچھ جاننے لگے۔ وہ یہ جاننے لگے کہ وہ محض اپنے عمل سے اپنی تقدیر بنا سکتا ہے اور محض اپنی محنت سے یہاں اپنی مرضی کے نتائج پیدا کر سکتا ہے!

چنانچہ جہاں ہندومت اور رہبانیت ایسے 'روحانی' فلسفے اس انحراف کی پہلی صورت کی طرف گئے: یہاں وہ سلبیت پائی گئی اور اسباب، عمل اور انسانی فاعلیت کے معاملے میں وہ زہد و بے رغبتی پائی گئی جو مخلوق کو اور مخلوق کے وجود کو اور مخلوق کی فاعلیت کو اِس معاملہ میں "منہا" ٹھہراتی ہے... تو معاصر جاہلیت (مادیت) کا رخ سراسر اِس انحراف کی دوسری صورت کی جانب رہا: یہاں انسان اپنی "ذات" کے غلو میں مبتلا اور "اسباب" کے فتنہ کا شکار ہوا۔ اِس کا اپنا عمل اور فاعلیت ہی اس کے لیے فتنہ بنا اور یہ خالق کو اِس معاملہ میں "منہا" ٹھہراتے ہوئے آپ اپنی قسمت کا مالک متصور ہونے لگا۔

*****

یورپ نے اپنی "نشاۃِ ثانیہ" کی بنیاد چرچ اور مذہب کی دشمنی پر رکھی تھی۔ بالفاظِ دیگر یورپ مسیحی کلیسائی جاہلیت سے نکل کر، جو کہ انحراف کی ایک صورت تھی، معاصر جاہلیت میں داخل

ہوا، جو کہ انحراف کی ایک دوسری صورت تھی اور اِس آخری صدی تک آتے آتے وہ اس جاہلیت کی چوٹیاں سر کرنے لگا۔

قرونِ وسطیٰ (medieval centuries) میں، جن کو ہم تاریک صدیاں بھی کہتے ہیں، انسان ظلم کے بہت سے عوامل کے تلے پِس کر رہ گیا تھا۔ ایک طرف ''کلیسا'' کی مطلق العنانی[2] جو روحانی، فکری، مالیاتی اور سیاسی میدانوں میں وہاں کے انسان کو اپنا غلام بناتی تھی۔ دوسری جانب ''جاگیردار'' کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی مطلق العنانی جو اُس کو وہاں پائے جانے والے انسانوں پر خدائی بخشتی تھی۔ تیسری جانب جہالت کا دور دورہ، پسماندہ و دقیانوسی تصورات کی بھرمار، تنگ نظری، بے کار مشغلے اور گھٹیا دلچسپیاں...

تب یوں ہوتا ہے کہ یورپ کو مسلمانوں کے علوم اور فنون تک رسائی ہونے لگتی ہے۔ یورپ کو اُس کی صلیبی جنگوں کے دوران مسلم متمدن شہروں کی 'ہوا' لگتی ہے... تو معاملہ بدلنا شروع ہو جاتا ہے، اور ''انسان'' کو اپنی قیمت کا پتہ چل جاتا ہے! اس میں اپنے 'موجود' ہونے کا احساس جاگتا ہے، تاہم یہ اُس ہدایت اور راستی کے بغیر تھا جو اسلام انسان کو دے رہا تھا۔ دراصل ان لوگوں نے مسلمانوں سے ان کے علوم اور فنون لیے اور یہاں کی تہذیب کے صرف مادی جوانب اکٹھے کر لیے اور ان کا ''اسلام'' رد کر دیا۔

پس طبعی بات تھی کہ وہ ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف چل دیتے اور نقطۂ اعتدال کو طرح دے جاتے۔ توازن کا وہ صحیح مقام جو ان کو "اسلام" ہی دے سکتا تھا البتہ نہ ان کو کبھی پہلے حاصل رہا تھا اور نہ اب۔

"تاریک صدیوں" والی جاہلیت میں انسان کو جس قدر دبایا اور پیسا گیا معاصر جاہلیت میں اُسی قدر اِس کو اپنی ذات کا شعور دلایا گیا۔ پرانی جاہلیت میں یہ اسباب سے جس قدر نا آشنا رکھا گیا معاصر جاہلیت میں یہ اُسی قدر اسباب کے فتنہ سے دوچار ہوا۔ "تاریک صدیوں" میں جس قدر

---

[2] اس کیلئے ہماری کتاب "مذاهب فكرية معاصرة" کی فصل ''الدين والكنيسة'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

انسانی "عمل" اور "فاعلیت" کو خارج از حساب رکھا گیا معاصر جاہلیت میں انسانی "عمل" اور "فاعلیت" کو اُسی قدر سر پر چڑھایا گیا اور "محنت" کو فتنہ اور "پید آوری" کو معبود بنا ڈالا گیا۔

یہ تھی وہ سائنسی و مادی ترقی جو اِس 'نشاۃِ ثانیہ' کے بطن سے بر آمد ہوئی۔ اس کو ایک لحاظ سے انہوں نے مسلمانوں سے ہی لیا تھا۔ لیکن یہ اصل معبود کی پہچان کے بغیر بذاتِ خود ایک معبود کا درجہ اختیار کر گئی۔ اور یہی ان کے لیے فتنہ بن گئی۔ تب یہ نوبت آئی کہ معاصر جاہلیت کا انسان یہ گمان کرنے لگا کہ یہ سائنس اور یہ اسباب کا علم آپ اپنی ذات میں متصرف اور آپ اپنی ذات میں مقصود و معبود ہے۔ یہ آپ اپنی ذات میں "تقدیر" ہے جو ہر چیز کو وجود دیتی اور ہر چیز میں تصرف کرتی ہے۔

معاصر یورپی جاہلی انسان ''دین'' کو اس کے تمام تر مضمون اور تمام تر تعبیرات سمیت خیر باد کہہ گیا۔ اِس کے ہاں ''خدا'' کو اس کی زندگی سے اور اِس کے اِس پورے کارزارِ حیات سے کچھ علاقہ نہ رہا۔ اب یہ اپنے تئیں زندگی کو خود اپنی مرضی کی ساخت دے سکتا تھا! اپنی تقدیر آپ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا تھا! اب یہ خود اپنی قوت اور تدبیر سے تاریخ کا خالق اور واقعات کا موجد تھا![3]

جہاں اِس جاہلی انسان کی اپنی "ذات" اس کے لیے ایک بے قابو فتنہ بنی وہاں ظاہری "اسباب" بھی اس کے لیے فتنہ بن گئے۔ "سائنس" نے اس کو بتایا کہ یہاں کچھ 'اٹل' قوانین پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ انہیں "نیچر کے قوانین" کا نام دینے چل دیا۔ اس لیے کہ چرچ کے خدا کو تو یہ فارغ خطی دے آیا تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے 'چرچ کا خدا' اس عمدگی اور دانائی کے ساتھ یہ پوری کائنات چلا رہا ہو اور اس جلال اور تمکنت کے ساتھ یہاں ایک ایک چیز کا فیصلہ کر رہا ہو! لہٰذا اِن عظیم الشان کائناتی سنتوں (قوانین) کو "چرچ کے خدا" کے ساتھ تو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر کیوں نہ ان سنتوں (قوانین) کو ایک دوسرے خدا کے ساتھ

---

(3) یہ دن بھی آیا کہ یورپ میں باقاعدہ ایک کتاب چھپی جس کا انگریزی عنوان تھا: Man makes Himself "انسان آپ اپنا کارساز ہے"۔ اور ایک اور کتاب جس کا عنوان تھا: Man Stands Alone "آدمی خود اپنی ذات میں قیوم ہے"!

نسبت دے دی جائے، یعنی ایک ایسا خدا جو نہ کوئی چرچ رکھتا ہے اور نہ کوئی شرعی فرائض؛ اس کا نام ہم "نیچر" رکھ دیتے ہیں اور سب تخلیق اور تدبیر اسی کے سپرد کر دیتے ہیں!

اور جب یہ ('طبیعت' کے) قوانین انکی نظر میں اٹل ہیں تو پھر "تقدیر" نامی کسی چیز کی گنجائش کہاں؟ یہ تقدیر، نیچر بہادر کے "اٹل" واقعات کو جب ہلا جلا ہی نہیں سکتی تو اسکا کام یہاں رہ کیا جاتا ہے؟! یہ غافل بھول گئے کہ یہاں پائی جانے والی کائناتی سنتوں (قوانین) کا خود ایک خاص ڈھب پر پایا جانا اور پھر اس خاص ڈھب پر ہی برقرار consistent رہنا بجائے خود ایک "تقدیر" ہے جو کسی مقتدر ہستی نے محض اپنی قوت، جبروت، حکمت و دانائی اور کاریگری سے مقرر ٹھہرا رکھی ہے اور جو کہ اپنی پوری شان اور تمکنت کے ساتھ اُس دن سے چلی آتی ہے جس دن سے زمین اور آسمان کی تخلیق ہوئی ہے! وہ مادیات پر یقین کے اپنے اسی نشے میں یہ امکان بھی رد کر گئے کہ وہ ہستی جس کی قدرت، کاریگری اور شہنشاہی اِن سنتوں (قوانین) کے اندر بول بول کر اُسکی شان بتاتی ہے وہ ضرور کوئی ایسی ہستی ہونی چاہئے جو اگر اور جب چاہے ان سنتوں کو تبدیل یا موقوف کر دے۔ اس میں تعجب یا نہ ماننے والی کیا بات رہ جاتی ہے۔ یوں یہ معجزات اور خوارق کا انکار کرنے چل دیے اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ خدا بھی چاہے تو اپنی ہی بنائی ہوئی اس کائنات کا نظام بدل کر نہیں دکھا سکتا؛ جس کی ظاہر ہے انکے پاس کوئی ایک بھی دلیل نہ تھی!

پھر جیسے جیسے ان کے "علم" نے ترقی کی، یا یوں کہیے جیسے جیسے ان کی یہ مستی رنگ لانے لگی، ویسے ویسے ان پر 'منکشف' ہوا کہ حیاتِ انسانی بلکہ خود نفس انسانی کچھ ویسے ہی "اٹل" قوانین کی محکوم ہے جیسے قوانین اس سے پہلے یہ اِس مادی کائنات کے اندر متصرف مان آئے تھے! تب یہ "اٹل پن" اور یہ "حتمیت" کائناتی واقعات سے نکل کر انسانی وجود میں بھی گھس آئی؛ اور تب یہ نوبت آئی کہ یہاں "تاریخِ انسانی" بھی صرف ایک مادی تفسیر material explanation ہی کے قابل جانی گئی[4]، "انسانی جذبات و احساسات" کو بھی صرف ایک

---

(4) مارکسسٹوں کا مذہب

جسمانی تفسیر sensual explanation ہی کا پابند مانا گیا[5]، اور "انسانی رویے اور سلوک" کو بھی صرف ایک جنسی تفسیر sexual analysis ہی کے لائق جانا گیا[6]! یہاں عمرانی، معاشی اور نفسیاتی نظریات کی ایک بڑی تعداد بلکہ انسانی زندگی کا سبھی کچھ اسی اٹل "نیچر" کی تحویل میں دے دیا گیا بلکہ اس بے حس و بے رحم "نیچر" کے سرکش تھپیڑوں کی نذر کر دیا گیا!

پھر وہ اپنے اِسی جاہلی عناد اور ہٹ دھرمی میں تاریخ انسانی (جو کہ خود پوری کی پوری خدائی تقدیر ہی کا نتیجہ ہے) کے اُن ادوار کو بھی نظر انداز کر گئے **جن میں انسانی معاشرے ہدایت کی چوٹیوں پر پائے گئے**، کیونکہ ہدایت و راستی کے یہ ادوار ان کی من گھڑت "مادی حتمیات" اور انسان کی "حیوانی تفسیر" پر پورا نہیں اترتے تھے اور جو کہ ان کے ہاں انسانی وجود، انسانی تاریخ اور انسانی معاشرے کی تفسیر و توجیہ کی اصل بنیاد ٹھہر گئی تھی۔ لہٰذا اس تفسیر کی رو سے، جو کہ ان کے نزدیک 'حتمی اور اٹل' ہے، انسانی تاریخ کے اندر نہ تو کوئی خدائی تقدیر یا تدبیر یا کوئی خدائی دخل اندازی پائی گئی ہے اور نہ کہیں کوئی اعلیٰ و برگزیدہ اخلاقی قدریں پائی گئی ہیں؛ کہ انسان ان کے نزدیک نرا ایک چوپایہ ہے جو محض اپنی مادی ضرورتوں کا چلایا چلتا ہے؛ اخلاق اور ہدایت اور برگزیدہ اَقدار کو بھلا اس حیوان سے کیا رشتہ؟! یوں وہ تمام ادوار تاریخِ انسانی اور نشاطِ انسانی سے "منہا" ٹھہرے جن میں انسان "ہدایت" کی حالت میں پایا گیا خصوصاً ہدایت کا وہ طویل دور جس میں انسانی معاشرے "اسلام" پر پائے گئے!

*****

دوسری جانب، جیسا کہ پیچھے ہم اشارہ کر چکے، بہت سی جاہلیتیں تاریخ میں ایسی پائی گئیں جو انحراف کی اُس دوسری انتہا کی عکاس ہوئیں۔ یعنی انسان کا سب معاملاتِ کار کو 'خداؤں' اور 'دیوتاؤں' پر چھوڑتے ہوئے خود ایک گوشۂ سلبیت و مردنی میں جا پڑنا۔ فرد کا اپنا معاملہ ہو یا

---

(5) experimentalists کا مذہب۔

(6) فرائڈ کا مذہب۔

قوموں اور جماعتوں کا، سب کچھ 'قسمت کے کھیل' پر چھوڑ دینا اور اپنا کردار یہاں محض 'قضا لائی آئے، قضا لے چلی چلے' میں محدود جاننا...

بدھ مت، ہندو مت اور رہبانیت وغیرہ میں اِس سلبیت، لتھارجی اور 'منتظرِ فردا' ہونے اور انسان کی اپنی فاعلیت اور ایجابیت کو نظر انداز کر جانے کے کئی ایک رنگ پائے جاتے ہیں۔ انسان کا اپنا عمل اور اس کی اپنی سعی زمینی عمل کو رخ دینے میں کیسی گہری تاثیر رکھتی ہے اور معاشرے کی جہتوں کی تشکیل میں کیسا زبردست کردار رکھتی ہے، یہ چیز اِن فلسفوں میں اچھی خاصی حد تک نظر انداز کی گئی ہے۔

یہ سب فلسفے ''فنا'' پر زور دلواتے رہے ہیں۔ خواہ یہ فنا ''مہا ہستی'' "Super Being" کے وجود میں گم ہونا ہو اور جو کہ ان کے ہاں ''خدا'' ٹھہرتا ہے۔ خواہ وہ ''اواگون'' کا عقیدہ ہو، جس کی رُو سے ارواح کو ہوتے ہوتے آخر ''مہا ہستی'' کے وجود میں ہی گم ہو جانا اور ''فنائے اعظم'' کے نقطے تک جا پہنچنا ہے۔ خواہ یہ جسم کو فنا کر لینا ہو، جس میں انسان اپنے جسمانی تقاضوں، لذتوں اور ضرورتوں کو دباتا چلا جاتا ہے کیونکہ جتنا وہ اپنے جسم کو رضاکارانہ فنا کے گھاٹ اتارے گا اتنا ہی اس کی آتما عروج کی منزلیں طے کرے گی! اور خواہ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ولا تعلق ہو کر اپنے آپ کو دَیر کے اندر محبوس کر لینا ہو، یا ''فنا'' کا کوئی سا بھی اسلوب! (صوفیہ کے ایک بڑے طبقے کی سعی بھی اس سے بہت مختلف نہیں، جو کہ ذاتِ الٰہیہ میں فنا ہو کر ''وجود'' پا جانے کی محنت کرتے ہیں!)[7]

---

[7] خصوصاً برصغیر میں پائی جانے والی صوفیت عقیدۂ جبر کو مسلم ذہن میں گہرا لے جانے کا ایک قوی ترین ذریعہ بنی رہی ہے۔ یہاں تک کہ سید قطب اپنی کتاب "خصائص التصور الاسلامی ومقوماتُه" کے مقدمہ میں 'ایک انتہا کے مقابلے پر دوسری انتہا کو سامنے لانے' کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اقبال کا فلسفۂ خودی دراصل ہند کے عجمی تصوف ہی کا ایک شدید ترین ردعمل تھا۔ سید قطب لکھتے ہیں: اقبال نے ہند میں آنکھ کھولی اور یہاں کے مسلم ذہن پر عجمی تصوف کو گہرا اثر انداز پایا جو انسانی فاعلیت کو مٹی میں ملاتا اور مسلسل اسکو "فنا" کی راہ دکھاتا ہے تو یہ دیکھ کر اقبال کو ہول آنے لگا اور جو کہ اقبال کی نظر میں مسلم پسماندگی، خوابیدگی و مردنی

انحراف کی ان سب صورتوں کا غالب وصف یہی ہے کہ انسان پر مردنی، لاچاری اور دنیابیزاری چھائی رہے اور سمٹتا سمٹتا وہ اپنے "نفس" کے اندر محصور یا اُسی کے اندر گم ہو رہے۔ پہلی قسم کے انحراف میں جس قدر للے تللے، کھیل تماشے اور حسی لذتوں پر زور رہتا ہے اور آدمی نفس میں جھانک کر اس کی اصلاح کی کوشش کرنے کی بجائے باہر ہی جھانکتا چلا جانے اور خواہشِ نفس کو بگٹٹ چھوڑ دینے کو ہی 'رازِ زندگی' پا جانے کا مترادف جانتا ہے... اتنا ہی اِس دوسری قسم کے انحراف میں لذتوں کا قتل، نفس کو مارنا اور انسانی فاعلیت کی نفی کرنا 'رازِ حیات' پانے کا عنوان ٹھہرایا جاتا ہے۔

*****

ان دو انتہاؤں کے بیچ نقطۂ اعتدال وہ عقیدۂ قضاء وقدر ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ **خدا کی عظمت اور بالاتری** جو کائنات اور حیات انسانی کی ایک ایک چیز اور ایک ایک واقعے کو محیط ہے۔ تاہم **انسان کی فاعلیت** بھی یہاں حساب سے خارج نہیں۔ انسانی عمل اور تصرف کی نتیجہ خیزی بھی نظر انداز نہیں ہوتی اور اسباب اختیار کیے جانے کی اہمیت بھی روپوش نہیں ہوتی۔

ایک کامل توازن... جہاں مسلمان ایمان رکھتا ہے کہ اِس کائنات میں اور خود اس کی زندگی کے اندر جو جو کچھ پیش آتا ہے وہ خدا کا ٹھہرایا ہوا ایک امر ہے؛ انسانی جہان میں واقع ہونے سے بھی پہلے وہ خدا کے ہاں سے طے ہو کر آتا ہے اور کائنات میں چلنے والے ایک بڑے منصوبے کا حصہ ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ **مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا** إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (الحدید22)

کی قرار واقعی تفسیر کر رہا تھا۔ تب اقبال نے اس "جبر" اور "فنا" کے مقابلے پر 'خودی' کا فلسفہ دیا جس کی تگ وتاز اقبال کے یہاں اس جہانِ عمل و آزمائش تک ہی نہیں رہتی بلکہ اس خودی کا "عمل" اور "پیش قدمی" اور "ارتقاء" برابر اگلے جہان تک چلتا ہے یہاں تک کہ اِس جہان میں اور نہ اُس جہان میں اِس کی کوئی حد اور کوئی نقطۂ اختتام ہی نہیں رہتا؛ جو کہ سید قطب کے بقول عقیدۂ جبر وفنا کے مقابلے پر ایک دوسری انتہا ہے۔ (مترجم)

کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔

تاہم بیک وقت وہ یہ بھی ایمان رکھتا ہے کہ یہاں خود اس کو عمل اور سعی کرنی ہے۔ اسباب اختیار کرنے ہیں۔ اور یہ کہ زمینی عمل میں جو خدائی تقدیر رونما ہو گی اس کا بہت کچھ تعلق اُن اسباب سے ہے جنہیں وہ یہاں اختیار کرے گا یا جنہیں وہ اختیار کیے بغیر چھوڑ دے گا، نیز اس کا بہت سا تعلق اس بات سے ہے کہ زمینی عمل پر اثر انداز ہونے کے لیے وہ یہاں کس نوعیت کا عمل اور تصرف کرتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الحدید22)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (الاعراف96)

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيراً (الاسراء16)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں

یہاں وہ اپنی "ذات" اور اپنے "وجود" کا باقاعدہ ادراک کرتا ہے۔ یہاں وہ باقاعدہ "عمل" اور "تصرف" کرتا ہے۔ "اسباب" اختیار کرتا ہے۔ بغیر اس کے کہ اس کی "ذات" یا اس کا "عمل" یا اس کے اختیار کردہ "اسباب" اس کے لیے فتنہ بن جائیں۔

جبکہ بیک وقت وہ یہ بھی ایمان رکھتا ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کو پیش آنے والی ہے وہ خدا کی جانب سے مقرر اور طے شدہ ہے، بغیر اس کے کہ وہ کارزارِ حیات میں اپنے "عمل" اور "فاعلیت" کو کام میں لانے اور "اسباب" اختیار کرنے سے دستبردار ہو۔

کچھ لوگوں کو اگر یہ کوئی تناقض نظر آتا ہے تو مومن کی نظر میں درحقیقت یہ توازن کی ایک عمدہ اور حسین صورت ہے؛ اور یہی وہ چیز ہے جس کے دم سے یہ (انسان) زمین کی جانشینی (خلافتِ ارضی) کا اہل قرار پاتا ہے؛ جس سے اِس کا برپا کردہ عمل اور تبدیلی زمین پر رونما ہوتی ہے جبکہ اس کی نظر توفیق اور ہدایت کے لیے آسمان پر مرکوز رہتی ہے۔

یہاں "اسباب اختیار کرنے" کو یہ عبادت جانتا ہے۔ یہ اِس کی نظر میں خدائی سنتوں کے ساتھ تعامل اور ہم آہنگی ہے۔ تاہم یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اِس کے عمل اور سعی کا جو بھی نتیجہ ہو وہ خدا کی ٹھہرائی ہوئی ایک تقدیر ہی ہوگی نہ کہ اِس کے اختیار کردہ اسباب کا کوئی "اٹل" نتیجہ، اور یہ کہ اسباب کی اپنی کوئی ایسی حیثیت نہیں کہ خدا کی مشیئت اور عدم مشیئت سے قطع نظر یہ کوئی "حتمی" نتائج دے جایا کریں۔ "سبب" کی یہ حیثیت نہیں کہ خدا کی مرضی اور تقدیر کے بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرسکے۔ ہاں خدا وہ ذات ہے کہ اگر وہ نہ چاہے تو سبب اپنا نتیجہ دینے سے قطعی عاجز رہے گا۔ اِس پورے جہان میں جو چیز "چلتی" اور "جاری و ساری" ہے وہ خدا کا ارادہ ومشیئت ہے نہ کہ "اسباب کی حتمیت"!

یہ ہے وہ اصل فرق جو ایک مسلمان میں اور اس کے مقابل کے دونوں جاہلی انسانوں میں ہے۔ ان جاہلی انسانوں میں سے ایک "عمل" اور "فاعلیت" سے ہی پیچھے ہٹا رہتا ہے اور کارزارِ حیات میں اپنے وجود کی اہمیت سے ہی ناواقف ہے۔ جبکہ دوسرا "عمل" کے زعم میں مست، "اسباب" کے فتنے میں گرفتار ہے؛ گویا یہ "اسباب" نہ ہوئے "ارباب" ہوگئے جو آپ اپنی ذات میں فاعل اور آپ اپنی ذات میں مقصود اور معبود اور متحکم ہیں!

ایک حقیقی مسلمان کا خدا کی تقدیر اور فیصلے پر ایمان رکھنا کسی بھی "ایمان رکھنے والے" سے کم نہیں ہوتا، تاہم وہ اپنے اُس عظیم الشان کردار کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جو کارزارِ زمین میں اس کو سونپ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ خدا کی اپنی ہی تقدیر اور فیصلہ ٹھہرا کہ وہ انسان کو زمین کی خلافت اور جانشینی سونپے، زمین و آسمان کی بے حدوحساب قوتوں کو اس مقصد کی خاطر اس کے لیے مسخر کردے اور یہاں کے بہت سے اسباب اور وسائل اس کی دسترس میں

دے دے، اور اپنی بے شمار مخلوقات پر اس کو برتری و فضیلت عطا کرے... یوں "مسلمان" کو وہ زمین میں اپنی ایک خاص تقدیر کے ظہور میں آنے کے لیے ایک "حجاب" بنا کر رکھے۔

دوسری جانب، ایک حقیقی مسلمان کا اسباب اختیار کرنا کسی بھی "اسباب اختیار کرنے والے" سے کم نہیں ہوتا۔ یہ سبب و نتیجہ کے تعلق کا ادراک کرنے والے کسی بھی شخص سے بڑھ کر سبب و نتیجہ کے باہمی تعلق کا ادراک رکھتا ہے۔ البتہ سبب و نتیجہ کا یہ تعلق اس کے نزدیک "اٹل" بہرحال نہیں ہے۔ یہ اس کائنات میں پیش آنے والی کوئی فیصل و حتمی چیز نہیں ہے تاآنکہ وہ چیز خدائے لم یزل سے اپنے پیش آنے اور وجود پانے کی منظوری نہ لے لے جس کو وہ مطلق اختیارات کی مالک ہستی محض اپنی مرضی اور مشیئت سے وقوع پزیر ہونے کی اجازت دے اور چاہے تو نہ دے۔

معاصر جاہلی یورپی انسان اِس اسلامی طرز فکر کو سادگی کی نظر سے دیکھتا اور اس پر چوٹ کرتا ہے کہ یہ تو "غیبی" طرزِ فکر ہوا، جو اُس کو 'الہام' ہونے والے قانونِ سببیت پر ایمان ہی نہیں رکھتا! جبکہ وہ اپنے اِس قول سے اپنی ہی ایک جہالت کا راز فاش کرتا ہے: اُس کی یہ تنگ نظری ایک بڑی چیز دیکھنے سے ہی دراصل قاصر ہے۔ اسلامی طرزِ فکر "غیبی" یقیناً ہے کیونکہ یہ غیب پر یقین رکھتا اور خدا کی تقدیر اور فیصلے کو محکّم اور حرفِ آخر ٹھہراتا ہے۔ مگر یہ بیک وقت ایک اصیل علمی و عقلی اپروچ بھی ہے کیونکہ یہ اسباب اور نتائج کا ربط بہرحال مانتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشیاء کو دیکھنے اور پرکھنے میں "تجربی اپروچ" experimental method کی جانب سب سے پہلے مسلمان ہی کی نظر جاسکی ہے؛ اور جو کہ تاریخی واقعہ ہے، یورپ کو یہ چیز بلاشبہ مسلمانوں سے ملی ہے۔ مادی اشیاء کو دیکھنے اور جانچنے میں مسلمان کے ہاں ہمیشہ ملاحظہ observation اور تجربہ experiment ہی کی اپروچ اختیار کی گئی اور اسباب کو ان کے نتائج سے ہی جوڑا جاتا رہا ہے۔ **ہاں اسباب اور نتائج کے مابین یہ رشتے اس کے ہاں خدائی سنتیں مانی جاتی ہیں** جن کو خدا کی اپنی ہی مرضی اور تقدیر سے یہاں ایک دوام اور ایک یکسانیت consistency حاصل ہے۔ البتہ ان خدائی سنتوں کے ساتھ تعامل کرتے ہوئے اس کی

نظر کسی ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی اُس مطلق مشیئت سے نہیں ہٹتی جو کائنات کے اندر کسی قید اور کسی قانون کی پابند بہرحال نہیں ہے۔[8]

پس بیک وقت یہ ایک "غیبی" طرزِ فکر بھی ہے اور ایک "عقلی" طرزِ فکر بھی۔ چنانچہ اِس کا امتیاز یہ ہے کہ جس وقت یہ کوئی ایسا "نتیجہ" برآمد ہوتا دیکھے جس کی توجیہ کرنا "اسباب" کے بس میں نہ ہو یا جہاں "اسباب" جواب دے جاتے ہوں، تو اس کو ہرگز کوئی حیرانی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اسباب کو ماننے کے ساتھ ساتھ اسباب سے بالاتر ایک ہستی کو مانتا ہے جو اپنی مرضی اور منشا کے معاملہ میں سوائے اپنی ہی دانائی، علم اور ارداہ کے کسی چیز کو خاطر میں لانے کی روادار نہیں۔ اِس عقیدے کا مالک انسان... ہٹلر کی طرح "نتائج" کو پھٹی آنکھوں سے نہیں دیکھتا؛ کہ جس نے "اسباب" کی دنیا میں کوئی "سبب" ایسا نہیں چھوڑا تھا جس کو اختیار کرلینا کبھی انسان کے

---

(8) معاصر جاہلیت کی بوالعجبی کہیے، اسے مسلمانوں کا عقیدۂ قضاء وقدر تو 'سمجھ سے بالاتر' نظر آتا ہے جبکہ انسان کی فاعلیت سے متعلق خود یہ ایک واضح تناقض میں پڑی ہوئی ہے۔ ایک طرف انسانی فاعلیت سے متعلق اس کا دعویٰ جو اس کے تئیں انسان کو تقریباً خدا بنا دیتی ہے۔ دوسری جانب ایک بے جان، بے حس اور بے رحم نیچر کو "اٹل" اختیارات دے کر اور باقی ہر چیز کو اس کے تابع کر کے انسان کے اپنے وجود اور ارادہ تک کو غیر مستقل بالذات اور غیر حقیقی بنا دیتی ہے۔ اب یا تو اسے اپنے اس تناقض کا اندازہ نہیں یا ایسا تناقض پیدا ہو جانے میں اس کے نزدیک کوئی حرج نہیں! البتہ مسلم عقیدہ اس کے نزدیک پھر بھی تناقض پر مبنی ہے (کہ مسلمان ایک طرف کہتا ہے کہ جہان کی سب قوت اور سب فیصلہ خدا کا ہے، دوسری جانب مسلمان کہتا ہے کہ کارزارِ زمین کا بہت کچھ انسانی عمل اور سعی پر چھوڑ دیا گیا ہے)! حالانکہ مسلمان کا یہ عقیدہ تو اسے ایک بہترین توازن دیتا ہے؛ جس کے دم سے وہ زمین میں ایک نہایت اعلیٰ کردار ادا کرتا ہے لیکن اس کا اصل بھروسہ خدا کی تقدیر اور توفیق پر رہتا ہے کہ ہر طاقت سے اوپر اُس کی طاقت اور ہر فیصلے سے اوپر اُس کا فیصلہ؛ اور ہر علیم سے بڑھ کر اُس کا علم اور ہر حکیم سے بڑھ کر اُس کی حکمت اور ہر رحیم سے بڑھ کر اُس کی رحمت۔ ایسے برگزیدہ معبود کے مقابلے پر اب کوئی ان کی بے علم، بے حکمت، بے رحم "نیچر" کو دیکھ لے جو (ان کے تئیں) محض اپنی قوت اور 'قوانین' کے بل پر سب کچھ کرتی چلی جارہی ہے! اُس حکمت و دانائی، قوت اور مشیئت کی مالک ہستی کو پوجنے والے مسلمان کے مقابلے پر اِس الل ٹپ "نیچر" کے لامتناہی اختیارات کو ماننے اور پوجنے والے جاہلی یورپ کو دیکھ لیجئے اور خود اندازہ کر لیجئے کہ تناقض کہاں ہے!

بس میں ہو۔ پھر جب اس کی یہ سب محنت ناکارہ گئی اور سب تدبیریں الٹی جا پڑیں تو اس کو خودکُشی کے سوا کسی چیز میں راحت نظر نہ آئی۔ ہٹلر کے سامنے دراصل ایک ایسا "نتیجہ" آگیا تھا جسے ہم عقیدۂ قضاء وقدر پر ایمان رکھنے والے لوگ "اسباب سے بالاتر ہستی کا فیصلہ" کہتے ہیں!

قضاء وقدر... ایمان اور فاعلیت، نہ کہ ایک کلامی مبحث

ایک ایسا زبردست عقیدہ جس نے امت کی ابتدائی نسلوں سے ایسے ایسے عظیم الشان کارنامے انجام دلوائے جو معجزات کہلانے کے لائق ہیں... ان آخری صدیوں تک آتے آتے کیا سے کیا بن گیا؟! 'تقدیر پر ایمان' قریب قریب ایک ایسا تصور بن گیا جو ہمیں بدھ مت، ہندومت اور رہبانیت کے یہاں نظر آتا رہا ہے!

یعنی ایک مردنی، خوابیدگی، پست ہمتی، فرض سے بھاگنے، ذمہ داریوں سے جان چھڑانے اور کارزارِ زمین میں اترنے سے جی چرانے کی ذہنیت جسے ہم "تسلیمِ قضاء" کے کھاتے میں ڈالتے ہیں... اسی ذہنیت کے ہاتھوں بالآخر ہمیں یہ دن دیکھنا پڑے کہ دنیا بھر میں فکر و نظر کے اندر سب سے پسماندہ ہم۔ علم وحکمت میں سب سے قابل ترس ہم۔ قوت وطاقت سے سب سے بڑھ کر تہی دامن ہم۔ اسباب اختیار کرنے میں سب سے نالائق ہم۔ ہماری یہ مادی پسماندگی جو بڑی دیر تک شر کی قوتوں کو ہم پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دیتی رہی ہے تاآنکہ وہ دنیا کے ہر ہر کونے سے اٹھ کر ہم پر چڑھ دوڑے بلکہ زمین میں اسلام کے شجر کو ہی جڑ سے اکھاڑ دینے کے درپے ہوئے، ہماری یہ پسماندگی اور زوال پزیری آج "مسلمانوں" کی ایک ایسی تصویر پیش کر رہی ہے جو لوگوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی بجائے اسلام سے متنفر کر رہی ہے یہاں تک کہ ایک بڑی دنیا یہ گمان کرنے لگی کہ "اسلام" ہی شاید یہ ہے!

ہمارے اِس عقیدہ کے بھی الفاظ تو عین اپنی جگہ رہے... مگر اس کا جوہر اور مفہوم کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آج جسے ہم "عقیدہ قضاء وقدر" کہتے ہیں الفاظ ہو بہو وہی ہونے کے باوجود اپنی حقیقت اور اپنے مفہوم میں بالکل بدل کر رہ گیا ہے۔

دراصل ہمارے اس عقیدہ کے ساتھ بھی وہی ہوا جو ہمارے "لا الٰہ الا اللہ" کے ساتھ ہوا اور جو ہماری دیگر عبادات کے ساتھ ہوا۔ اصل مواد content سب چلا گیا اور ایک کھوکھلا بے جان ڈھانچہ باقی رہ گیا...!

عقیدہ قضاء و قدر آخر کچھ کلامی بحثوں کا نام بنا جن پر ہمارے کچھ فرقوں کے سینگ الجھ جایا کریں؛ اب یہ "تربیت" اور "مسلم ہستی کی تشکیل" کا مواد دینے والی چیز نہ رہ گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے اب ایک فلسفیانہ جدل تھا جس میں دماغ لڑائے بھڑائے جائیں گے؛ یہ امت کی ساخت میں بولنے والی کوئی ایمانی حقیقت اب نہ رہ گئی تھی۔ جس طرح ہماری توحید ایک خشک بے جان کلامی بحث تھی جو کسی سیرت اور کردار کو جنم دینے والی چیز نہ رہی تھی بلکہ ایک عقلی ریاضت تھی جو ہمارے قلوب کو ایمان اور ایقان سے بڑھ کر شکوک و شبہات کی آماجگاہ بنا رہی تھی... ویسا ہی اب ہمارا یہ عقیدہ قضاء و قدر! پڑھنے والوں کو اسے اب محض ایک روایتی عقیدہ کے طور پر پڑھنا تھا نہ کہ ایک خاص خدائی نقشے پر زندگی کو جنم دینے والی کسی حقیقت کے طور پر۔ اب نہ یہ دعوت میں بولنے والی کوئی حقیقت، نہ تربیت کو رخ دینے والی کوئی جہت! طالبعلم کو اس سے 'علم الکلام' میں واسطہ پڑے گا، اس پر اس کی جتنی محنت ہو گی وہ 'علم الکلام' میں ہی نام پیدا کرنے کے کام آئے گی؛ زندگی کی تشکیل کرنے سے اس کا کیا تعلق!

یہاں تک کہ معاملہ 'جدید' دانشوروں تک پہنچتا ہے جو عقیدہ قضاء و قدر سے ویسے ہی جان چھڑا لینے کی ضرورت محسوس کرنے لگے؛ کیونکہ ان کے یورپی آقاؤں نے بھی جب تک اِن 'لایعنی' اشیاء سے جان نہیں چھڑائی ان کو 'کامیابی' دیکھنا نصیب نہ ہوئی تھی! ان کو یہاں 'غیبی طرزِ فکر' کی سرے سے ضرورت نہیں بلکہ 'عقلی' (ریشنل) طرزِ فکر کی ضرورت ہے جو ان کی 'پسماندگی' دور کر دے اور ان کو 'ترقی' کی شاہراہ پر ڈال دے! صاحب! 'قضاء و قدر' ایسے عقیدے اُن معاشروں میں پائے جاتے ہیں جہاں جہالت، پسماندگی، انحطاط، انتشار اور افراتفری کا دور دورہ ہو۔ جہاں 'نظم و ضبط' نہیں ہو گا، ڈسپلن مفقود ہو گا وہاں انسان 'قسمت' اور 'قضاء و قدر' ایسے عقیدے ہی تو گھڑے گا! مگر بھائی جہاں ایک 'سسٹم' ہو، چیزیں سائنس

اور ٹیکنالوجی کی مدد سے چلائی جاتی ہوں، جہاں باقاعدہ پلاننگ ہو، الیکٹرونک دماغ ہوں، حساب کتاب کے ایسے ایسے ایڈوانس طریقے اور انتظامات، وہاں عقیدہ قضاء وقدر کو گھسیٹ لانے کی بھلا کیا تُک؟!

وہی انسان کا پرانا تکبر جو اس کو خدا اور اُس کی قوت کے مقابلے پر سوجھتا ہے اور یہ احمق اُس کے سامنے خود کو کوئی 'چیز' سمجھنے لگتا ہے!

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ (الانعام44)

> پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔

بلکہ اس نادان کا اپنا دور ہی اسے جو بہت دکھا رہا ہے یہ اپنی 'پلاننگ' کے گھمنڈ میں اسے دیکھنے پر تیار نہیں؛ اور جو کہ یہ سوچے تو اب "غیب" نہیں خود اس کی 'سائنس' کے دروازے کھٹکھٹانے لگا ہے! یہ 'حساب' لگانے والے، 'منصوبہ بندی' کے تیر چلانے والے اور اپنے تئیں "تقدیر" کے راستے بند کرنے والے آج صرف ایک ہی خدائی قدر کے آگے بے بس ہیں: جس چیز میں کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے معاشروں کی 'فلاح' دیکھی تھی اسی چیز سے آج ان کے لیے بے حد وحساب نفسیاتی، اعصابی، دماغی عارضے پھوٹ پھوٹ کر آرہے ہیں! آدھا ملک 'اینٹی ڈیپریسنٹ' پر چل رہا ہے (جو کہ آپ بے تکلف ہونا چاہئیں تو پاگل خانوں میں چلنے والی ادویات ہیں)؛ اخلاقی، سماجی، فکری، سیاسی اور معاشی بحرانوں کا مسئلہ فی الحال ہم ایک طرف رکھ دیتے ہیں! یہ سب کچھ 'منصوبہ' بناتے اور 'حساب' لگاتے وقت دماغ میں نہیں آسکا تھا! ایسے ایسے امراض، ایسے ایسے عارضے جن کا کبھی سوچا تک نہ جاسکتا تھا۔ کیا کوئی گمان کر سکتا تھا کہ بدکاری کے شجر پر "ایڈز" ایسا یہ بھیانک ہولناک "پھل" برآمد ہوگا، کہ جس کے ہاتھوں کروڑوں انسان لقمۂ اجل بننے کو ہیں؟!!

گھروں کا ٹوٹ پھوٹ جانا، نسلوں کی آوارگی، رشتوں کا بانجھ ہونا، محبتوں کا آنکھیں پھیر جانا، جذبوں کا قحط، ہم جنسی اور بدفعلی کا باؤلا پن، تناسل کا گراف ناقابل یقین حد تک نیچے چلا جانا، منشیات اور مافیاز کی بھرمار؛ ایسی بدترین زہریلی فصل... یہ سب کیا کسی کے گمان میں تھا؟!!

یہ سب قرائن کسی "غیب" کے ممکنہ ظہور ہی کی جانب اشارہ کر رہے ہیں اور جس کو ہم اہل ایمان اپنی اصطلاح میں "خدائی قدر" کہتے ہیں!

حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام 44-45)

یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔ تب ظلم کرنے والوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور سب تعریف ہے اللہ جہانوں کے پروردگار کے لیے۔

*****

مسلمان آج ضرور تمند ہیں کہ قضاء و قدر کی بابت یہ اپنا مفہوم درست کر لیں، جو کہ ان آخری صدیوں کے دوران ان کے ہاں ایک بدترین خلل کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ درست مفہوم جو ان کے ہاں تقریباً اب باقی نہیں رہ گیا ہے نہ تو وہ سلبیت اور لتھارجی ہے جو پچھلی چند صدیوں میں ہمارے معاشروں پر چھائی رہی، اور نہ ہی یہ اسباب کے فتنہ میں گرفتار ہونے ایسا کوئی الحادی رویہ ہے جو مغربی جاہلیت کی حالیہ یلغار کے زیر اثر آج عالم اسلام کو قریب قریب اپنی زد میں لے چکا ہے...

آج ضرورت ہے کہ مسلم معاشروں کو عقیدہ قضاء و قدر کی بابت عین وہی توازن از سر نو دلایا جائے جو قرنِ اول کے مسلمانوں کے ہاں پایا گیا تھا اور جو کہ اس کے فکری پیراڈائم کو ایک کمال حسن دے رہا تھا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اِس اسلامی عقیدہ کو یہ اُن کلامی مذاہب کے تحت پڑھنا ترک کر دیں جو فی الوقت علومِ شرعیہ کے طالبعلم کے دماغ میں ٹھونسے جاتے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ عقیدۂ قضاء و قدر کو اسلام کے دیگر اساسی عقائد کی طرح مسلم

تصور کی ساخت اور مسلم سیرت و کردار کی تشکیل کی بنیاد بنایا جائے، جس کے نتیجے میں ہم قرآن کے اُس "صالح انسان" کو پیدا کر لائیں جو صرف اسلامی منہج کے پیدا کرنے کا ہے اور جو کہ کارزارِ زمین کو وہ صالح رخ دینے والا انسان ہوتا ہے جو شرائع کا اصل مقصود اور انسان کی خلافتِ ارضی کا اصل مطلوب ہے اور جس کے ذریعے زمین میں خدا اپنی تقدیر کا ایک خاص ظہور فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيداً (الفتح 28)

وہی ہے جس نے مبعوث فرمایا اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ غالب کردے وہ اس کو پورے دین پر۔ اور کافی ہے اللہ کا (اس پر) گواہ ہونا۔

*****

جوابات تلاش کیجئے

برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

عقیدہ قضاء وقدر... ایک عظیم قوتِ فاعلہ

84. "قضاء وقدر" کو دیکھنے کے دو زاویے ہیں: ایک وہ جو عمل واقدام پر اکساتا اور طوفانوں سے بھڑواتا ہے۔ دوسرا وہ جو انسانی عمل و کردار کی 'ضرورت' ہی باقی نہیں رہنے دیتا! یعنی ایک ہی عقیدہ کو دیکھنے کی سو فیصد متضاد جہتیں! اس تفریق کی روشنی میں دورِ اول کے مسلمان اور آج کے مسلمان کے "ایمان بالقدر" کا موازنہ کیجئے اور اِس موضوع پر دورِ حاضر کا اصل نقطۂ انحراف واضح کیجئے۔

85. سورۃ آل عمران میں "إحدى الحسنيين" کا ذکر ہوا ہے۔ مسلم عقیدۂ قضاء وقدر کے ساتھ اس کا رشتہ واضح کیجئے۔ آیت میں مذکور دونوں "بھلی چیزیں" "اِقدام" اور "فاعلیت" میں محصور ہیں، اس سے آپ کیا بنیادی سبق کشید کرتے ہیں؟

قضا و قدر کا مطلب... ہم اپنے قصوروں سے بریء الذمہ؟!

86. آل عمران میں اُحد سے متعلقہ اسباق کے حوالے سے بیک وقت دو باتیں کہی گئیں: هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ اور وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ جو کہ 'بظاہر' متعارض ہیں۔ دورِ اول کا

مسلمان اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے میں ان دونوں حقیقتوں کو ایک ساتھ کیسے چلاتا تھا؟ دورِ حاضر کے مسلمان سے اس کا موازنہ کریں۔

خدا کی مشیئت... تو 'اسباب' کی ضرورت؟!

87. "خرقِ عادت" (مانند معجزات و کرامات) کا استثنائی ہونا... "اسباب" کی یکسانیت consistency کے حوالے سے کیا دلالت رکھتا ہے؟

88. خدا کی تقدیر "اسباب" کے ذریعے بھی رونما ہوتی ہے، بلکہ عموماً اسباب کے ذریعے ہی رونما ہوتی ہے۔ اِس حوالے سے، عہدِ اول کے مسلمان کے فہمِ قضاء وقدر کا دورِ حاضر میں مقبولِ عام ہو چکے فہمِ قضاء وقدر کے ساتھ موازنہ کیجئے۔

89. دورِ اول کے فہمِ اسلام سے اس بات کے شواہد پیش کریں کہ ایک چیز کی پیشین گئی وحی کے ذریعے کر دی گئی، پھر بھی انہوں نے (اپنے فرائض کے حوالے سے) اُسکو روپذیر کرانے کیلئے اسباب ہی اختیار کیے۔

حالات کا رخ پھیرنے کی کوشش... 'تقدیر پر اعتراض'؟!

90. "تقدیر پر اعتراض" در حقیقت کیا ہے؟ دور حاضر کے مسلمان نے اس کا جو مطلب لے رکھا ہے اس میں کیا کجی ہے؟

91. ایک ناقبول صورتحال کو بدلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہونا "تقدیر کے آگے تسلیم ہونے" کے منافی نہیں، اس کے شواہد دورِ اول کی مسلم زندگی سے پیش کیجئے۔

عقیدہ قضا و قدر... اور مذاہب کی اِفراط و تفریط

92. عقیدہ قضاء وقدر مسلم تصور کو تین جہتوں سے توازن دیتا ہے اور اس توازن کو چھوڑ دینے کی صورت میں انحراف کی دو نمایاں ترین و معروف ترین صورتوں میں سے کسی ایک کا پیش آنا لازمی ہے۔ مصنف کی بیان کردہ ان تینوں جہتوں کی نشاندہی کیجئے۔

93. مصنف کے بیان کردہ اس "توازن" سے ہاتھ پھسل جانے کی صورت میں "انحراف" کی دو عظیم صورتیں جنم لیتی ہیں۔ بیشتر مذاہبِ عالم ان میں سے کسی ایک صورت کا شکار ہوئے ہیں۔ دنیا کے اہم اہم مذاہب کے حوالے سے انحراف کی ان دونوں صورتوں کی نشاندہی کیجئے۔

94. "انسانی فاعلیت" کے حوالے سے یورپ ہمیشہ تفریط اور افراط کا شکار رہا ہے۔ اس کا حالیہ افراط اس کے ماضی کی تفریط ہی کا رد عمل ہے۔ مصنف کے بیان کردہ اس مقدمہ کی روشنی میں قدیم وجدید یورپ کی درماندگی کی نشاندہی کریں۔

95. مغربی جاہلیت کے ہاں "اسباب" ایک فتنہ اور معبود کی شکل کیونکر اختیار کی؟ اسلامی تصورِ حقیقت میں اسباب کو "متاع" (فائدہ و استعمال کی چیز جسے خدا نے اپنی مہربانی سے انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے) کے

طور پر لینا یورپی نقطۂ نظر کی نسبت کیونکر مختلف ہے؟ کائنات کے مطالعہ و تسخیر کی بابت ہدایت اور ضلالت کے راستے یہاں سے الگ ہوتے ہیں، وضاحت کیجئے۔

96. 'نیچر' کی حتمیت کا عقیدہ یورپی اخلاق اور اقدار پر کیونکر حملہ آور ہوا؟ انسان کو ایک اعلیٰ درجے کا حیوان بنانے میں اس کی کیا تاثیر رہی؟ تاریخ انسانی کے "ہدایت یافتہ ادوار" جو انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں برپا ہوئے خصوصاً امتِ قرآن کے تہذیبی عروج کی صدیاں کیونکر اِس نام نہاد 'نیچر کی حتمیت' کو فرسودہ ثابت کرتے ہیں؟

97. "انسانی فاعلیت کی بے وقعتی" کو فروغ دینے والے مذاہب مانند ہندومت، بدھ مت اور رہبانیت وغیرہ میں "حلول" اور "آواگون" ایسے عقائد اور "فنا" اور "نروانا" ایسی مشقیں عقیدہ قضاء وقدر کی غلط تفسیر ہی کا شاخسانہ ہیں، وضاحت کیجئے۔ اس کے مقابلے پر اسلام کا دیا ہوا جامع و متوازن تصور بھی بیان کیجئے۔

98. عجمی تصوف خصوصاً برصغیر کی صوفیت نے "روحانی افراط" کی صورت "انسانی فاعلیت" کے معاملہ میں جو تفریط اختیار کی، اور رہبانی و جوگی تصورات سے اسلامی تصورِ عمل کے اندر جو تباہ کن اثرات منتقل کیے، نیز برصغیر کے شعروادب میں "عقیدۂ جبر" کی جو بھیانک ترویج ہوئی، اسکی نشاندہی کیجئے۔ شاعر مشرق محمد اقبال کے ہاں "خودی" کی صورت میں اس پر جو ردعمل آیا آپکے خیال میں اس کا درست سیاق کیا ہے؟

99. "اسباب" اور "انسانی فاعلیت" کی بابت اہل سنت کا متوازن و معتدل منہج مسلمان کے "زمینی کردار" اور "خلافتِ ارضی" کو کس طرح جنم دیتا اور مہمیز فراہم کرتا ہے، نیز اس "زمینی کردار" کو کس طرح قدم قدم پر "عبادت" کے معانی سے لبریز کرتا ہے، وضاحت کیجئے۔

100. اسلامی تصورِ قضاء وقدر کیونکر "غیبیت" اور "سببیت" کا اعلیٰ ترین امتزاج ہے؟ "قانونِ سببیت" پر ایمان رکھنے والا معاصر جاہلی انسان جو مسلمان کی "غیبیت" کا مذاق اڑاتا ہے اور عالم اسلام کی حالیہ پسماندگی، مُردنی اور لتھارجی lethargy کو اس "غیبییت" کا شاخسانہ قرار دیتا ہے، اس کو جواب دینے کے لیے آپ کیا کہیں گے؟

قضاء وقدر... ایمان اور فاعلیت، نہ کہ ایک کلامی مبحث

101. عقیدہ قضاء وقدر کا اصل محل مسلم ہستی کا احیاء اور یہاں کا تحریکی و جہادی عمل ہے نہ کہ خشک کلامی جدلیات۔ اس پوری فصل سے آپ اس بات کو کس طرح کشید کرتے ہیں؟

102. وہ نام نہاد دانشور جو عقیدہ قضاء وقدر کو اُس ذہنیت کا شاخسانہ قرار دیتی ہے جو 'ڈسپلن'، 'شماریات' اور 'منصوبہ بندی' سے تہی معاشروں کی پیدا کردہ ہوتی ہے... آپ اس ذہن کو کس طرح خطاب کریں گے اور ان جاہلی معاشروں کی تصویر کس طرح پیش کریں گے جو ان کے خیال میں اِن جدید 'محاسن' سے لبریز ہیں۔

"دنیا اور آخرت"

" وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ "[1]

"دنیا" و "آخرت"... کیا دو متصادم راستے ہیں؟

اول عہد کی مسلم نسلوں کے ہاں "دنیا" اور "آخرت" کے مابین وہ گہری حدِ فاصل نہیں تھی جو اِن آخری دور کی نسلوں کے ہاں وجود پاچکی ہے۔

"دنیا کے اعمال" جن کا آخرت سے کوئی تعلق نہ ہو، اور "آخرت کے اعمال" جن کا دنیا سے کچھ تعلق نہ ہو... دورِ اول کے مسلمان اِس تصور سے ہی واقف نہ تھے۔

درست ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن پر روحانیت غالب ہے، جیسے نماز، دعاء، ذکر، اور دیگر شعائرِ عبادت۔ جبکہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن پر فکری ضرورت غالب ہے جیسے علم کی جستجو، تحقیقِ مسائل، سیاست، معیشت اور امورِ صلح وجنگ وغیرہ ایسے معاملاتِ زندگی کی تدبیر و تنظیم وغیرہ۔ پھر کچھ اعمال ایسے ہیں جن پر جسمانی ضرورت غالب ہے جیسے کھانا، پینا، پہننا، سکونت اختیار کرنا اور جنسی تسکین پانا وغیرہ۔ تاہم یہ سب اعمال ایک دوسرے سے کٹے ہوئے نہیں ہیں، کیونکہ یہ اِسی انسانی وجود سے بر آمد ہوتے ہیں جو دراصل ایک اکائی ہے۔ نیز یہ بھی درست نہیں کہ ان میں سے کوئی چیز آخرت کے لیے ہو تو دنیا سے اُس کا کوئی رشتہ نہ رہ جاتا ہو یا دنیا کے لیے ہو تو آخرت سے کوئی رشتہ نہ بنتا ہو۔

اُن مسلمانوں کے ہاں دراصل "عبادت" ہی کا جو ایک صحیح تصور قائم کرالیا گیا تھا... اُس سے "زندگی" کے بارے میں خودبخود ان کا ایک کامل اور درست تصور قائم ہوجاتا تھا۔ اور یہاں سے؛ ان کی پوری زندگی ایک ہی لڑی میں پروئی جاتی تھی:

---

[1] [رواه احمد وصححه الألباني] '' مگر میں تو بھیجا گیا ہوں ایک موحدانہ طرزِ عمل کے ساتھ جس میں فراخی ہے''۔

قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ .. (الانعام162-163)

کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات156)

اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اب یہ جو ایک تصور بنا، اس میں... شعائرِ عبادت "عمل" سے الگ نہیں۔ نہ ہی دنیا آخرت سے جدا ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اُن مسلمانوں کی نظر میں زندگی ایک اکائی کا نام تھا جس کا کوئی حصہ دوسرے سے جدا نہ ہوتا تھا۔ یہاں نماز، قربانی، کھانا پینا اور جنسی تسکین، قتال فی سبیل اللہ، حصولِ رزق، جستجوئے علم، تعمیرِ ارض... سب کے سب "عبادت" میں آتے تھے۔ یہ بہ یک وقت "دنیا کے اعمال" بھی تھے اور "آخرت کے اعمال" بھی۔ ہر وہ لحظہ جو شعور کی حالت میں گزرے خواہ وہ دن کی کوئی ساعت ہو یا رات کی... اور ہر وہ عمل جس میں آدمی نے اپنا رخ خدا کو سونپ رکھا ہو اور جس میں وہ خدائی تنزیل کا پابند ہو... ایسا ہر لحظہ اور ایسا ہر عمل "عبادت" ہی کا کوئی نہ کوئی رنگ لیے ہوتا تھا اور یہ سب کچھ باہم جڑا ہوتا تھا۔ یوں یہ مسلمان ایک عبادت سے نکلتا تو دوسری عبادت میں داخل ہوتا۔ دوسری سے نکلتا تو تیسری عبادت میں داخل۔ علیٰ ھٰذا القیاس... وہ عمل اور سرگرمی کی اِن سب صورتوں میں اپنی ہستی کی غایت پوری کررہا ہوتا اور جو کہ اُس کے پورے وجود سے ہی تعلق رکھتی ہے؛ اور اس کے پورے وجود کو خدا رُخ کرانے سے عمل پزیر ہوتی ہے۔

یہاں؛ نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ میں اگر روحانیت غالب ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عبادت بس یہی ہے۔ نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ نماز، روزہ، زکاۃ و حج آخرت کے لیے ہے تو دنیا میں اس کا کوئی کردار نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا کچھ کام آخرت سے متعلق ہے تو کچھ کام دنیا سے متعلق۔ نماز ہے تو اس کو یہاں بے حیائی اور برائی سے روکنا ہے۔ زکاۃ ہے تو وہ اِس نفس اور اِس مال کو پاک کرتی ہے۔ روزہ ہے تو وہ یہاں تقویٰ کی پیداوار دیتا ہے۔ حج انسان کی زندگی کو بدل کر رکھ دینے والا ایک عمل ہے...

دوسری صنف کے اعمال اگر اپنے اندر عقلی یا جسمانی رنگ لیے ہوئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عبادت میں نہیں آتے۔ اِن سب امور میں اگر آدمی نے اپنے آپ کو خدا رُخ کر رکھا ہے اور اِن میں وہ خدائی احکام کا پابند ہے تو یہ چیز عبادت ہی کے ایک وسیع تر مفہوم میں آتی ہے۔ اور یوں یہ اعمال محض 'دنیا کے اعمال' نہیں رہ جاتے جن کا آخرت سے کوئی تعلق نہ رہ گیا ہو۔

اب جب انسان کی پوری زندگی ایک اکائی بنی، زمین پر اُس کی کل سرگرمی ایک لڑی میں پروئی گئی... تو یہاں سے وہ "عبادت" سامنے آئی جس سے یہ اپنی ہستی کی غایت پوری کرتا ہے۔ اور یہاں سے؛ دنیا آخرت سے جڑ گئی اور آخرت دنیا سے پھوٹنے لگی۔ ان میں علیحدگی کا کوئی تصور باقی نہ رہا۔[2]

*****

یہ تھا قرنِ اول کے مسلمان کے یہاں "دنیا و آخرت" کا تصور...

وہ چیز جو اُس کی زندگی کے سب جوانب کو ایک نظم میں لے آتی، ان سب کو یکجا کر دیتی اور ان کو ایک ہی سمت عطا کرتی وہ چیز لا الٰہ الا اللہ تھی اپنے اُس عالیشان گہرے مفہوم کے ساتھ جس کا سبق وہ (قرنِ اول کا مسلمان) صبح شام ازبر کیا کرتا تھا۔

چنانچہ... آدمی جب اِس لا الٰہ الا اللہ کی صورت، خدا کی وحدانیت پر ایک پختہ اعتقاد رکھتا ہے، اور پھر اسی لا الٰہ الا اللہ کو زندگی پر محیط ایک طرزِ بود و باش کے طور پر اختیار کر لیتا ہے، یوں اُس ہدایت کا پیرو ہو جاتا ہے جو اس کی زندگی کو ایک باقاعدہ رخ دینے کے لیے خدا کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اور جس کی رُو سے اس کی زندگی وہ درست ترین سمت اختیار کرتی ہے کہ آدمی کی یہ دنیا ہی اُس کی اخروی نجات اور سلامتی کی شاہراہ کا کام دینے لگتی ہے... تو پھر یہ سارا دین ایک ہی قالب بن جاتا ہے جس کے کسی ایک گوشے کو دوسرے سے اور ایک جزء کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔[3]

---

[2] دیکھئے ہماری اس کتاب کی فصل "مفہومِ عبادت"۔

[3] دیکھئے ہماری اس کتاب کی فصل مفہوم لا الٰہ الا اللہ"۔

جس وقت جاہلیت متعدد آلہہ کی عبادت کرتی تھی - چاہے وہ یہ دعویٰ کیوں نہ کرتی ہو کہ خدا ہی ان سب خداؤں کا بڑا ہے اور بیشک وہ یہ زعم کیوں نہ رکھتی ہو کہ اِن آلِہہ کی پرستش سے بھی اُس کا مقصد اُس ایک ہی (بڑے) خدا کے ہاں رسائی پانا ہے - تو اِس جاہلی انسان کی زندگی یوں بکھری ہوئی ہوتی جیسے منتشر ریزے۔

وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تھا لہٰذا اُس کی دنیا آخرت سے بیگانہ تھی۔

اُس کے خداؤں کی تعداد جتنی زیادہ تھی اُس کی عبادت اُتنی ہی منقسم تھی۔

کسی گھڑی بتوں کی پوجا، کسی گھڑی قبیلے کی پوجا، کسی گھڑی آباء واجداد کے دستور کی پوجا، کسی گھڑی اپنی اھواء اور خواہشات کی پوجا۔ اتنے مختلف معبودوں کی بہ یک وقت پوجا ہو تو یہ عبادت ایک مربوط اکائی کیسے رہ سکتی تھی؟ زندگی کے نہ صرف حصے بخرے ہوتے بلکہ یہ زندگی کسی غایت کو پورا کرنے میں بھی ناکام رہتی۔ ایک ایسی بے ہنگم بے سمت زندگی کو بھلا آخرت کے بامعنی جہان سے کیا تعلق؟

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیۃ24)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو"

اور جب "زندگی" کو اِسی ڈھب پر گزرنا ہے تو پھر وہ جیسے بھی گزرے! جس لمحے، جو بھی سامنے آئے! وہی امرؤالقیس کا نعرۂ مستانہ اليوم خمرٌ وغداً أمْرٌ "آج شراب چلے گی۔ کیا کرنا ہے، کل دیکھا جائے گا"۔

چنانچہ یہ انتشار اور پراگندگی جاہلیت کا نمایاں ترین وصف ٹھہری۔ تاریخِ انسانی کی ہر جاہلیت اِسی ڈھب پر رہی، ہاں اِس پراگندگی کے "مظاہر" ضرور مختلف رہے اور ان کے مابین "درجات" کا فرق بھی ضرور دیکھنے میں آیا۔[4]

---

[4] جبکہ معاصر جاہلیت سب سے بڑھ کر انسانی وجود کو ریزہ ریزہ اور اس کی زندگی کو بے سمت کرنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے انسانیت کو اعصابی بیماریوں، خودکشی، ڈیپریشن، پاگل پن اور عجیب وغریب نفسیاتی بیماریوں کا تحفہ دیا ہے۔ "کھویا ہونے" کا احساس آج کے انسان کے ہاں سب سے بڑھ کر پایا جاتا ہے۔

آخر... یہ جاہلی عرب اِس لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لے آتے ہیں... تو اب یہ کوئی اور ہی مخلوق ہو جاتے ہیں!

وہ سب پراگندگی یوں چلی جاتی ہے... نفس کا وہ بکھرا ہوا شیرازہ یکایک یوں مجتمع ہوتا ہے کہ یہ ایک "اکائی" میں ڈھل جاتا ہے۔ ایک جامع مجتمع اکائی۔

اور پھر ایسی بہت سی اکائیاں مل کر ایک بڑی اکائی بنتی ہیں... "امت"!

متحارب قبائل یکجا ہوتے ہیں تو یہاں ایک "امت" دیکھی جانے لگتی ہے! اِن منتشر قبائل کی تاریخ میں پہلی بار ایک امت! اس سے پہلے ان پر کتنی صدیاں گزر چکی تھیں مگر اِن قبائل کو ایک 'اکائی' بننا نصیب نہ ہوا تھا۔

اور پھر معاملہ عربوں تک نہ رہا۔ رنگا رنگ قبیلے، برادریاں، قومیں، زبانیں، مختلف المظاہر ثقافتیں ایک ہی قالب میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں اور ایک "امت" کی صورت میں ظہور کرتی چلی جاتی ہیں۔ اتنی دور دراز قومیں جن کو ایک "اکائی" میں ڈھال دینے کا کبھی تصور تک نہ ہو سکتا تھا۔

نفسِ انسانی کو دراصل ایک ایسا سانچہ میسر آگیا تھا جس میں اُس کے وہ ریزہ ریزہ اجزاء ایک اکائی کے اندر سموئے جاسکتے تھے! **نفس کے ہر ہر ذرے کو بہ یک وقت ایک ہی سمت میں چلنا میسر آگیا تھا۔ معبودِ واحد کی جانب یک رخ ہوئے بغیر نفس کا شیرازہ کبھی مجتمع ہونے کا نہیں!**

"وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ"

اب معاملہ یہ نہیں رہا تھا کہ نفس کی "جسمانی ضرورت" کا لحظہ کوئی ایک سمت رکھے تو "عقل وفکر" کا لحظہ کوئی دوسری سمت تو "روحانیت" کا لحظہ کوئی تیسری سمت۔ خود یہ انسان ہی جس کو خدا نے ایک خاص فطرت پر تخلیق کیا ہے اپنی جگہ ایک مربوط اکائی ہے جس کے –اصولاً– حصے بخرے نہیں ہوسکتے۔ "زندگی" متحارب سمتوں میں نہیں چل سکتی۔ یہ نفس ریزہ ریزہ ہوا اور اس کی وحدت پارہ پارہ ہوئی تو اِس لیے کہ اِس نفس کے آلہہ بیشمار ہوگئے اور اِس کی عبادت ان بیشمار آلہہ میں بٹ گئی۔ پھر جونہی اس کا معبود ایک یکتا معبود ہوا، اِس کی عبادت یکجا ہوئی... اور تب وہ منتشر شیرازہ اپنی وحدت میں واپس آگیا اور "انسان" اپنی اُس فطرت پر لوٹ آیا جس

پر خدا نے اول اس کی تخلیق کی تھی۔ یوں وہ "انسان" بازیاب کر الیا گیا جو متحارب خداؤں کی کھینچا تانی میں کٹ پھٹ گیا تھا!

یہ ہے وہ مقام جہاں سلوکِ انسانی کو بھانت بھانت کے راستے چھوڑ کر ایک متعین راستہ چلنا نصیب ہوا۔

اب یہ انسان وہ نہیں رہا جو کہے 'آج شراب، کل کچھ اور'۔ اِس کے لیے جیسا آج ویسا کل۔ کیا آج اور معبود ہے اور کل کوئی اور معبود ہو گا؟ یا پھر وہ ایک ہی معبود ہے جس کی خوشنودی آج بھی درکار ہے اور جس کی اطاعت کل بھی کرنی ہے بلکہ پوری زندگی اُسی ایک کے اشاروں پر چلنا ہے؟

یوں نفس انسانی کے سب محرکات ایک ہی سمت میں یکسو ہو جاتے ہیں۔ مل کر ایک ہی راستہ چلنے لگتے ہیں، اور یہ وہ راستہ ہے جو خدائی تنزیل کا بیان کردہ ہے اور خدا کی جانب لے کر چلتا ہے۔

یہاں سے وہ "مسلمان" وجود میں آیا: جس کا کھانا پینا، جس کا اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا بچھونا، ماپ تول، خرید فروخت، نماز روزہ، کام کاج، صنعت و حرفت، صلح و جنگ سب کچھ ایک ہی دستور کا پابند ہے اور وہ خدائی شریعت ہے۔ یہاں؛ حلال وہ جسے خدا حلال کر دے۔ حرام وہ جسے خدا حرام کر دے۔ مباح وہ جس کو خدا روا ٹھہرائے۔ مستحب وہ جو خدا کو محبوب ہو۔ مکروہ وہ جو خدا کو ناپسند ہو۔ نتیجتاً عمل کے "میدان" خواہ جتنے بھی مختلف ہو گئے ہوں، اعمال کی "سمت" ایک ہے۔ کردار کے "مظاہر" خواہ کتنے ہی متنوع ہوں، کردار کی "حقیقت" ایک ہے: خدا کی نازل کردہ شریعت کی پابندی۔ "انسان" نام کی مخلوق مشرق میں ہو یا مغرب میں، اس کی منزل اب "خدا" ہے۔

اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ... دنیا کا راستہ اور آخرت کا راستہ ایک ہو گیا!!!

یہ راستے الگ الگ ہو کیسے جاتے ہیں؟

کیا یہ راستہ کسی ایک معبود کے در پر جاتا ہے اور وہ راستہ کسی دوسرے معبود کے در پر؟

کیا وہ اللہ جو "دنیا کی زندگی" کے لیے شریعت دیتا ہے اور ہے، اور وہ اللہ جس کے حضور انسانوں کو حساب کے لیے پیش ہونا اور اپنے اعمال کے لیے جوابدہ دینا ہے کوئی اور ہے؟!

آخرت میں حساب اور جوابدہی کے لیے حاضر کرنے والا الٰہ اگر کوئی اور ہے تو وہ ''حساب'' اور ''جوابدہی'' ہوگی کس بنیاد پر؟ اور کس زندگی سے متعلق جوابدہی ہوگی؟

کیا دنیوی زندگی کے لیے پیمانہ کوئی اور ہے اور اخروی زندگی کے لیے پیمانہ کوئی اور ہے؟ دنیا کی میزان میں جو عمل ''نیکی'' ٹھہرتا ہے کیا وہ اخروی میزان میں ''بدی'' شمار ہوگا؟ اور جو دنیا میں ''بدی'' ہے وہ آخرت میں ''نیکی'' نکلے گی؟!

یہاں اور وہاں کیا ایک ہی پیمانہ نہیں؟ کیا ایسا نہیں کہ... دنیا میں جو ''نیکی'' ہے اُسی کا ''نیک بدلہ'' آخرت ہے، اور جو دنیا میں ''برائی'' ہے اُسی کا ''برا بدلہ'' آخرت ہے؟

لِلَّذِينَ أَحۡسَنُوا الۡحُسۡنَى وَزِيَادَةٌ وَلا يَرۡهَقُ وُجُوهَهُمۡ قَتَرٌ وَلا ذِلَّةٌ أُولَئِكَ أَصۡحَابُ الۡجَنَّةِ هُمۡ فِيهَا خَالِدُونَ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثۡلِهَا وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ مَا لَهُمۡ مِنَ اللَّهِ مِنۡ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغۡشِيَتۡ وُجُوهُهُمۡ قِطَعاً مِنَ اللَّيۡلِ مُظۡلِماً أُولَئِكَ أَصۡحَابُ النَّارِ هُمۡ فِيهَا خَالِدُونَ
(یونس26-27)

بھلا کرنے والوں کے لیے بھلا ہے، اور اس سے بھی زائد۔ ان کے منہ پر نہ چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری۔ وہی جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اسی جیسا اور ان پر ذلت چڑھے گی، انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فَمَنۡ يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡراً يَرَهُ وَمَنۡ يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ (الزلزلۃ7-8)

پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تِلۡكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنۡ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدۡخِلۡهُ جَنَّاتٍ تَجۡرِي مِنۡ تَحۡتِهَا الأَنۡهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيمُ وَمَنۡ يَعۡصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدۡخِلۡهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ (النساء13-14)

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو اللہ اور اس

کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری کا عذاب ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (الرعد19-25)

بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقلمند ہیں۔ جو خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔ اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ اور جو پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے برائی دور کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے عاقبت کا گھر ہے۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی (بہشت میں جائیں گے) اور فرشتے (بہشت کے) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے) تم پر رحمت ہو (یہ) تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔ اور جو لوگ خدا سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے ہیں۔ ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔

جی ہاں۔ دنیا اور آخرت جدا ہو کیسے سکتی ہیں؟ یہ دو الگ الگ راستے بن کیسے جاتے ہیں؟ ناممکن۔ یہ ایک ہی راستہ ہے جس کا آغاز "دنیا" ہے تو انجام "آخرت"... ہاں یہ راستہ ہے دورَویہ؛ مگر یہ ہر دو رَوِ آخرت ہی کی جانب چل رہی ہیں: ایک رَو نیک اعمال والوں کی ہے اور یہ

آخرت کے اُس گوشے میں پہنچاتی ہے جسے "بہشت" کہتے ہیں، جبکہ دوسری رَو بد عملوں کی ہے اور یہ آخرت کے اُس گوشے پر جاتی ہے جسے "دوزخ" کہتے ہیں۔ مگر یہ ہے ایک ہی سڑک جو دنیا سے گزرتے ہوئے آخرت تک جاتی ہے۔

كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ فَرِيقاً هَدَى وَفَرِيقاً حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلاَلَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الاعراف 29-30)

جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے۔ ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کو گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا سرپرست بنالیا ہے۔

*****

حق یہ ہے کہ دورِ اول کے مسلمانوں کے نزدیک دنیا اور آخرت یوں متصل تھیں کہ وہ جسمانی طور پر دنیا میں رہتے تھے تو شعوری اور وجدانی طور پر آخرت میں بستے تھے: آخرت تھی گویا فی الواقع اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

کیوں نہ ہو، قرآنِ مجید میں بعث اور حساب و جزاء پر اِس شدت کا زور دیا گیا، اور قیامت کے مناظر اِس کثرت اور تکرار کے ساتھ دکھائے گئے کہ اِس قرآن کو ہمہ وقت پڑھنے والے مسلمان، گویا آخرت ہی کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ بلکہ یوں محسوس کرتے گویا دنیا گزر چکی اور وہ آخرت میں کھڑے ہیں!

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ (الطور 25-28)

اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔

آخرت پر اِس درجہ یقین رکھتے ہوئے، اور اس انداز میں آخرت پر نگاہیں مرکوز رکھتے ہوئے کہ جس سے انسان کا وجدان ہل کر رہ جاتا ہے... غرض آخرت کو یوں اپنے سامنے پاتے

ہوئے اُس دور کا مسلمان اپنا لمحہ ٔحاضر گزارتا۔ اِدھر وہ ایک عمل کرتا اور اُدھر اُس کا بدلہ اُس کی نگاہوں کے سامنے آکھڑا ہوتا۔ وہ اپنے "عمل" سے فارغ نہیں ہوا ہوتا کہ وہ اس کے "انجام" میں اپنے آپ کو جنت یا جہنم میں ڈھونڈنے لگتا! "جنت" کی صورت میں وہ اسی حالت کو برقرار رکھنے کے لیے سرگرم ہو جاتا اور "جہنم" کی صورت میں وہ اپنے آپ کو وہاں سے نکالنے کے لیے فکر مند ہو جاتا۔

"دنیا و آخرت" کے اِس درست تصور کے نتیجے میں... اُن کی اکثریت کی زندگی یوں بدل گئی گویا وہ اِس دنیا کے آدمی نہ رہے ہوں!

وہ فرشتے تو نہ ہوئے، اور نہ اپنی بشری ہیئت سے نکل فرشتے بن جانا اُن سے مطلوب تھا، اور بشر بہر حال خطائیں کرتے ہیں سوائے خدا کے اُن خاص بندوں کے جو اُس کے انبیاء ہیں اور جن کو خدا کی جانب سے باقاعدہ عصمت حاصل ہوتی ہے... تاہم یہ وہ بشر ضرور تھے جو خطا ہوتے ہی خدا کے در پر لوٹ آتے ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران 125-126)

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔

"کل بني آدم خطاء ، وخير الخطائين التوابون (احمد، ابو داود، ابن ماجۃ، الدرامی)

سب بنی آدم خطاکار ہیں۔ خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہوں"

یہاں سے؛ "دنیا" اور "آخرت" کا ایک ہی روزنامچہ بنتا ہے؛ یہ دو الگ الگ کھاتے نہیں رہتے!

"دنیا کی مذمت"... کس معنیٰ میں؟

درست ہے کہ "دنیا" کی قرآن میں مذمت ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے "دنیا" ملعون ٹھہرائی گئی ہے۔ "دنیا" کے ساتھ لو لگانے سے روکا گیا ہے۔ لیکن قرآن اور حدیث کی یہ ہدایات بھلا کس حوالے سے آئی ہیں؟

"دنیا" سے دور رہنے کی ہدایات دو حوالوں سے آئی ہیں: جس وقت دنیا — یعنی دنیا سے تعلق واسطہ رکھنا — اللہ یوم آخرت پر ایمان کے آڑے آئے، یا جس وقت یہ جہاد فی سبیل اللہ کے آڑے آئے۔

وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ (الرعد26)

اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ أُولَئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (یونس7-8)

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں. ان کا ٹھکانہ ان (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے

وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ (ابراھیم2-3)

اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے۔ جنہیں آخرت سے دنیا کی زندگی پیاری ہے اور اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (النحل106-107)

ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے، یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی آخرت سے پیاری جانی، اور اس لیے کہ اللہ (ایسے) کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

یہ اور اس طرح کی دیگر نصوص اس حُبِ دنیا کی بابت وارد ہوئی ہیں جو انسان کو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان سے پھیرنے والی ہو۔

رہی وہ حبِ دنیا جو انسان کو جہاد فی سبیل اللہ کے اندر جان ومال لٹانے سے پھیرنے والی ہو، تو اس کی بابت یہ اور اس طرح کی دیگر نصوص وارد ہوئی ہیں:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبۃ24)

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لا يَفْقَهُونَ (التوبۃ86-87)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ خدا پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو تو جو ان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے ہی دیجیئے کہ جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی ان کے ساتھ رہیں۔ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں۔ (گھروں میں بیٹھ) رہیں ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ (التوبۃ81)

جو لوگ (غزوۂ تبوک میں) پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر خدا (کی مرضی) کے خلاف بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا کہ خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں۔ اور (اوروں سے بھی) کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا۔ (ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش یہ (اس بات) کو سمجھتے

یہ بھی نوٹ ہونا چاہئے کہ وہ کونسے طبقے ہیں جن کے حوالے سے یہ آیات آئی ہیں۔ یہ یا تو کھلے کافر ہیں یا منافقین جو محض دکھلاوے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھے ہوئے تھے البتہ اندر سے وہ بھی مومن نہیں تھے، بلکہ وہ جہنم میں درکِ اسفل پانے والے تھے، یعنی خدائی کھاتوں میں وہ بھی کافر ہی تھے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا (النساء145)

بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ (التوبة54-55)

اور ان کے خرچ (موال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوا اس کے انہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نماز کو آتے ہیں تو سست کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔ تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا۔ خدا چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔

اب یہ ہیں وہ دو پہلو جن کے حوالے سے دنیا کی مذمت آتی ہے، اور جس کی وجوہات ان آیات میں نہایت واضح طور پر بیان ہوئی ہیں۔

لیکن اِن دونوں پہلوؤں کی اصل حقیقت کیا ہے؟

اِن دونوں پہلوؤں کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہاں مذکور ہی وہ دنیا ہوئی ہے جو آخرت سے جدا کر دی گئی ہو اور جو کہ واقعتاً مذمت کے لائق ہے۔ جس کی صورت یا تو یہ ہے کہ یہ شخص آخرت پر سرے سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا یہ کہ اس کا آخرت پر ایمان رکھنا اتنا بے جان اور بے اثر ہے کہ آخرت کا کوئی واضح عکس اس کے پردۂ ذہن پر موجود نہیں، جس کے باعث اس کی دنیا میں قدم قدم پر "آخرت" نہیں بولتی۔

اِس شخص کی نظر سے دیکھیں تو گویا جنت جس کا ذکر سننے میں آتا ہے 'ہو گی کہیں' ! البتہ وہ چیز اِس کے ہاں مفقود ہے جس کو ہم اس جنت پر "ایمان رکھنا" کہیں۔ اگر ہے تو بس وہ 'ایمان' جس کا ہونا نہ ہونا ایک برابر۔ وہ جنت جس کی باقاعدہ ایک قیمت ہے اور جس کو انسان اپنی جان، مال، خواہش، آرام سب کچھ خدا کی خوشنودی پر قربان کر دینے کے عوض خدا سے مانگتا ہے، ایسی کوئی جنت بہر حال اِس شخص کے ہاں کہیں وجود نہیں رکھتی۔ وہ حیاتِ جاودانی جس کو پانے کے لیے ایک بار تو اپنی سب خواہشات خدا کی خوشنودی پر قربانی کے لیے پیش کر دی جاتی ہیں پھر خدا اپنی مہربانی سے جتنی چھوٹ دینا چاہے اور جو کہ "مباحات" کا اچھا خاصا ایک وسیع دائرہ ہے، وہ خدا کی اپنی مرضی اور خدا کی اپنی مہربانی ہے۔ مگر یہ وہ شخص ہے جس کو اس سے غرض نہیں کہ خدا نے اپنی مرضی اور مہربانی سے اس کے لطف وراحت کے لیے وہ کیا دائرہ رکھا ہے جس کو "مباحات" کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ نہ اِس کو "مباحات" کا پابند رہنے سے کچھ سروکار ہے۔ یہ اپنی خواہشات کے پیچھے آخر تک جانا چاہتا ہے۔ خدا نے اِس کے اندر خواہشات پر قابو پانے کے لیے "ضبط" نام کا جو ایک آلہ نصب کر رکھا تھا یہ سرے سے اس کو معطل رکھتا ہے۔ یہ اپنے نفس کی لذتوں کو کوئی قید اور کوئی لگام ڈالنے کا روادار نہیں چاہے آپ اس کو لاکھ بتائیں کہ نفس کو یوں بے مہار چھوڑنے کی قیمت بہشت کی ابدی راحت سے دستبردار ہونا ہے۔

ہاں اب جب معاملہ اِس خاص صورت کے ساتھ انسان کے سامنے پیش ہوا، یعنی اِس کے سامنے: ایک طرف وہ ابدی بہشت جس کا ملنا اس بات سے مشروط ہے کہ یہ اپنی خواہش کو ایک خاص حد سے آگے نہ گزرنے دے اور وہ حد خدا کی مقرر کردہ حد ہے، جبکہ دوسری طرف اِس کی وہ حد سے بڑھی ہوئی خواہش جس کا پورا ہونا اُس ابدی بہشت کو قربان کر دینے کی قیمت پر ہے... تو اِس شخص نے راحتِ دنیا کو ترجیح دے ڈالی۔

فَأَمَّا مَنۡ طَغَىٰ وَآثَرَ الۡحَيَاةَ الدُّنۡيَا فَإِنَّ الۡجَحِيمَ هِيَ الۡمَأۡوَىٰ (النازعات 37-39)

تو جس نے سرکشی کی تھی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔ دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہو گی۔

بَلۡ تُؤۡثِرُونَ الۡحَيَاةَ الدُّنۡيَا وَالۡآخِرَةُ خَيۡرٌ وَأَبۡقَىٰ (الاعلیٰ 16-17)

مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ (محمد 12)

اور کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں، جانوروں کی طرح کھاپی رہے ہیں، اور اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے

ہاں یہ وہ شخص ہے جس نے وقتی لذت کو (خدا کا مقرر کردہ دائرہ پامال کرتے ہوئے) ترجیح دی ہے، کیونکہ اِس وقتی لذت سے محروم رہنا اِس کو اُس عذاب سے بھی بڑھ کر دُکھتا ہے جو خدائی وعید میں جابجا مذکور ہے۔ یا تو آخرت پر سرے سے اِس کا یقین نہیں اور اِس صورت میں وہ عذاب جس کی وعیدیں سنائی جاتی ہیں اِس کے نزدیک نرا ایک وہم ہے جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ یا اِس لیے کہ آخرت پر اِس کا ایمان اس قدر لاغر اور بے جان ہے کہ اخروی عذاب ایسی ایک 'مبہم' سی چیز اِس کے ہاں اُس 'دنیوی عذاب' کی نسبت بہر حال ہلکی ہے جو اِس وقتی لذت سے محروم رہ جانے کی صورت میں اس کو لاحق ہوتا ہے۔ ہر دو صورت، یہ ایک ابنارمل انسان ہے جس کے شعور کے سب پیمانے الٹے ہو چکے؛ کیونکہ یہ شخص صرف اپنے 'دیکھے پر' ایمان رکھتا ہے اور اُن اشیاء کو توجہ دینے پر تیار نہیں جن کی جانب اُس کی 'دیکھی ہوئی اشیاء' چیخ چیخ کر اشارہ کرتی ہیں کہ بھلے مانس ہم سے ماوراء کچھ ہے جو 'ہمیں' دیکھ کر تمہیں معلوم ہو جانا چاہئے، جبکہ یہ مسلسل اپنی 'دیکھی ہوئی اشیاء' کے اِن چیختے دھاڑتے اشاروں کو نظر انداز کرتا چلا جاتا ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف 179)

ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ بالکل چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

یا پھر یہ ایک شب کور night-blind شخص ہے جو بہت قریب کی چیز ہی دیکھ سکتا ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ بہت قریب کی اشیاء ہی اس کے لیے ایک 'مکمل منظر' پیش کرنے لگتی ہیں۔ صرف آس پاس کی اشیاء ہی اِس کے پردۂ ذہن پر 'کامل ظہور' کرتی ہیں! رہیں وہ اشیاء جو ذرا فاصلے پر ہیں تو اس کی بلا سے وہ یا تو ہیں ہی نہیں اور یا پھر اس قدر مبہم، دھندلی اور گڈمڈ کہ اِس کا 'نظامِ بصر' اُن کو اٹھانے سے جواب دے جاتا ہے!

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ (الزخرف36-37)

اور جسے رند تو آئے (شب کوری ہو) رحمن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے، اور بیشک وہ شیاطین ان کو راہ سے روکتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔

*****

رہا ایک نارمل انسان تو اس کا معاملہ بالکل مختلف ہے...

نارمل انسان ابتدا سے ہی اپنی روح کو عالمِ غیب سے بیزار نہیں کرلیتا۔ وہ اپنے آپ کو 'حواسِ خمسہ' کا اسیر نہیں کرلیتا۔ اِس کو پیدا کرنے والے نے اِسے دو صلاحیتیں دے کر زمین میں اتارا ہے تا کہ یہ خلافتِ ارضی کی شروط پر پورا اترے اور یہاں چلتے ہوئے اپنا ''توازن'' برقرار رکھے: ایک اس کی وہ صلاحیت جو حواسِ خمسہ کی وساطت کسبِ علم کرتی ہے۔ دوسری اس کی وہ صلاحیت جو ایمان بالغیب کے ذریعے کچھ بلند تر حقائق سے آگہی پاتی ہے۔ پہلی صلاحیت کے ذریعے یہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء کے ساتھ تعامل کرتا ہے۔ اِس صلاحیت کے ذریعے یہ اِس قریب کے مادی جہان کے خواص کا پتہ چلاتا ہے اور پھر اپنے اِس علم و تجربہ کے ذریعے زمین و آسمان کی اُن طاقتوں کو اپنے قابو میں لاتا ہے جو خدا نے اِس کے لیے مسخر کررکھی ہیں اور ان سے یہ زمین کو سنوارتا اور نکھارتا ہے۔ دوسری صلاحیت کے ذریعے یہ اُن حقائق کے ساتھ تعامل کرتا ہے جنہیں یہ اپنے حواس کے ذریعے مشاہدہ کے دائرے میں تو نہیں لاسکتا البتہ یہ اپنے حواس کے ذریعے ان حقائق کے ''آثار'' کا مشاہدہ ضرور کرلیتا ہے۔ اِس کی یہ

صلاحیت اُس فطرت سے وابستہ ہے جو اُن برگزیدہ حقائق کو (جو حواس کی پہنچ سے باہر ہیں) تسلیم کرنے کے سوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتی۔ یہ فطرت اُن بلند تر حقائق کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہتی ہے۔ اُن کے ساتھ باقاعدہ تعامل کرتی ہے۔ یہ بلند تر حقائق مانند: الوہیت، نبوت، وحی، بعث بعد الموت اور جزا و سزا۔ انسان کو اِن بلند تر حقائق کے ساتھ تعامل کرنے کی یہ صلاحیت در حقیقت اس لیے ودیعت ہوئی کہ زمین کی وہ مادی تعمیر جو یہ اپنے حواس سے مدد لے کر کرتا ہے یہاں عین خدائی نقشے پر انجام پائے۔ تب یہ صرف مادی تعمیر نہ رہے، نہ ہی یہ جسم کے مطالبوں اور لذتوں کو پورا کرانے کے اندر محصور رہے، بلکہ یہ ایک حقیقی "تہذیب" بنے۔ اِس تعمیرِ ارض میں کچھ نہایت اعلیٰ و برگزیدہ قدروں کا مواد استعمال ہو جس کے دم سے انسانی وجود یہاں عین وہ رخ پائے جو در حقیقت اِس کے شایان ہے۔ یہاں وہ "انسان" سامنے آئے جس کا پتلا تو اِسی مٹی سے بنا ہے مگر اِس مشتِ خاک میں در حقیقت خدا کی پھونکی ہوئی روح دوڑتی ہے۔ خدا کی پھونکی ہوئی روح اِس مٹی کے پتلے میں اب اسی صورت بولے گی کہ یہ خدائی وحی و الہام کی عطا کردہ اُن اعلیٰ وارفع قدروں کو اپنے علمی وجود میں ضم کرے جو کہ اِس کو رشکِ ملائک کرتی ہیں۔ وحی کی بخشی ہوئی اِن قدروں کے بغیر یہ نہ صرف ادھورا ہے بلکہ نری مٹی اور کیچڑ ہے اور یہ اسی میں لت پت رہے گا جب تک کہ اس سے بلند ہو کر یہ آسمان سے ہی اپنا وہ ازلی رشتہ بحال نہ کرے۔ اِس کِرم خاکی میں سموئی ہوئی وہ سب صلاحیتیں جو اِسے "پرواز" کے قابل بناتی ہیں اسی صورت میں ظہور کریں گی کہ یہ وحیِ آسمانی کو پانے اور سراہنے کی اعلیٰ قابلیت سامنے لائے۔

یہ متوازن انسان جس کے نفس کی ترکیب اُسی مشتِ خاک اور نفخۂ روح والے توازن پر برقرار ہے... اور جس کو معاملے کی "پوری تصویر" دیکھنے کے لیے "حواس" اور "وحی" ہر دو کو کام میں لانا ہے... اِس انسان کے ہاں معاملے کی بالکل ایک اور تصویر بنتی ہے:

یہاں حیاتِ دنیا میں جو ایک "متاع" (enjoyment) ہے اُس کا ایک بڑا حصہ یقیناً مباح ہے۔ اور یہ متاعِ زیست اُس وقت سے مباح (حلال) ہے جب سے آدم اور اس کی جورو کو اِس زمین پر اتارا گیا ہے:

وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ (البقرۃ36)

اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے

خدا کی مباح کردہ یہ "متاع" جس کا تعین خدا نے اپنے علم اور حکمت کی بنا پر کر رکھا ہے... خدا کو معلوم ہے کہ یہ متاع (لذت و آسائش) کی وہ مناسب ترین مقدار ہے جو انسان کو اِس کرۂ ارض پر رہتے ہوئے درکار ہے اور جو کہ زمین میں اِس کے منصبِ خلافت کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے اور جس کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے "لذت" اور "آسائش" اس کو خراب یا بیکار کرنے کا باعث نہیں بنے گی۔ دوسری جانب یہی دائرہ اِس کے لیے اُس "آزمائش" کا کام دیتا ہے جس کے لیے اِس کی تخلیق ہوئی، کیونکہ خدا نے اس کی تخلیق فرمائی تو اس کو خواہشات کی چاہت سے بھر دیا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ..(آل عمران14)

لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیوی زندگانی کا چند روزہ سامانِ آسائش ہیں

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (البقرۃ187)

اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (البقرۃ229)

یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو

اُس نے اپنی رحمت سے انسان کو اُن "حدوں" کی نشاندہی فرما دی جو اُس کے علم کی رُو سے انسان کے لیے اِس کو کب ارضی پر رہنے کے دوران فائدہ مند ہیں اور جن کے دائرہ میں رہتے ہوئے اِس کا اپنی خواہشات پوری کرنا نہ صرف اِس کے حق میں نقصان دہ نہیں اور اِس کی سرشت کے لیے باعثِ مسخ نہیں بلکہ یہ زمین پر ایک صحتمند عمل کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ یہ

ایں ہمہ، یہاں پر "آزمائش" کا پہلو بھی آجاتا ہے جو کہ اِس بات کا متقاضی تھا کہ "خواہشات" ایک جانب اِس کے لیے شدید مزین کر دی جائیں جہاں یہ ان (خواہشات) کی زیادہ سے زیادہ مقدار لینے کے لیے بے تاب ہو، اور دوسری طرف اس کو خواہشات کی ایک خاص مقدار (مباح) ہی کا پابند کر دیا جائے اور اس سے باہر جانے سے ممانعت کر دی جائے خواہ اُن (خواہشات) پر اِس کی کتنی ہی جان کیوں نہ جاتی ہو۔

مگر اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے لیے "متاع" (لذت و آسائش) کی ایک جائز مقدار مقرر فرمائی، اور جو کہ خود اِسی کے فائدہ و مصلحت کے لیے ہے ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے... وہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو "خواہشات" کی کھینچ اور "پابندیوں" کی جکڑ کے مابین کٹنے پھٹنے کے لیے چھوڑ بھی نہیں دیا (گو خواہشات کی کھینچ اور پابندیوں کی جکڑ ہے اِس کی اپنی ہی مصلحت کے لیے) بلکہ اِس کو ایک ایسا عظیم و برگزیدہ آلہ عطا فرمایا جسے کام میں لا کر یہ نہ صرف "خواہش" کی اِس وقتی محرومی کی تکلیف پر قابو پالے بلکہ اس بے قابو خواہش سے دستبردار ہونے میں یہ باقاعدہ ایک اعتماد اور ایک خوشی پائے۔ اِس عظیم الشان آلہ سے کام لے کر یہ ایک ناروا لذت کو چھوڑتے ہوئے بلند خیالی اور پاکیزگی کے اعلیٰ احساس سے سرشار ہو۔ یہ خواہشات کی اُس حد سے جو گندگی اور گھٹیا پن تک چلی جاتی ہے، دور رہنے میں ایک غایت درجے کی خوشی محسوس کرے۔ یہ آلہ جو ضبطِ نفس کے اِس عمل کو ایک نہایت خوشگوار اور باعثِ طمانینت عمل بناتا ہے انسان کا "قلب" ہے، جس کو قرآنی اصطلاح میں "عقل" بھی کہا جاتا ہے اور "فؤاد" بھی۔[5]

---

[5] یہ سب الفاظ لسانِ عرب میں ایک ہی معنیٰ میں وارد ہوئے ہیں۔ خود قرآن میں "قلب"، "فؤاد" اور "عقل" ایک ہی معنیٰ دینے کے لیے آتے ہیں۔ (مؤلف)

"عقل" کا وہ معنیٰ جو اِس جدید دور میں صرف اور صرف 'کھوپڑی کے عمل' کے لیے مخصوص ہے اور جس میں "دل کا عمل" خارج ہو جاتا ہے ہمیں نہ قدیم لسانِ عرب میں ملتا ہے اور نہ قرآنی استعمال میں۔ قرآنی استعمال دیکھیں تو قلب کے درست عمل کو ہی "عقل" کہتے ہیں جیسا کہ اوپر سورۂ حج کی آیت (46) سے واضح

وَاللّٰہُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لا تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل78)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اُس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج46)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کے دل سمجھنے والے اور اِن کے کان سُننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں

البتہ "ابتلاء" کا پہلو اِس سارے معاملے میں یہ دیکھنا ہے کہ... آیا انسان اِس عظیم الشان آلے کو، جو اِس پر خدا کی خاص عنایت ہے، کام میں لاتا ہے اور اس کی مدد سے خواہشات کو ابتداء سے ہی ایک مہار ڈال لیتا ہے، اور اپنے اِس ضبطِ نفس کی بدولت آیا یہ بلندی کی اُس سطح تک آتا ہے جو انسان کے شایان ہے، اور جس کے نتیجے میں یہ زمین پر فی الواقع ایک "تہذیب" کھڑی کرتا ہے کہ جس کا ظہور "خلافتِ راشدہ" کہلائے، اور اس سے بھی اہم تر یہ کہ یہ اِس پر اپنے مالک سے وہ انعام پائے جو "آخرت" کے وسیع ابدی جہان کے سوا کہیں سمانے کا نہیں اور وہ

ہے۔ لہٰذا "قلب" اور "عقل" کا یہ خود ساختہ جھگڑا جو آج کے بعض فکری مباحث کا 'مرکزی موضوع' ہے خود بخود لایعنی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اِس اشکال کا تعلق ہے کہ 'عقل' تو علمائے سنت کے ہاں مطلق دلیل نہیں ہے تو پھر آپ 'عقل' کو 'قلب' سے کیونکر وابستہ کرتے ہیں... تو اس کا جواب یہ ہے کہ 'قلب' بھی علمائے سنت کے ہاں مطلق دلیل نہیں۔ مطلق دلیل خدا کی وحی ہے، انسان کے قلب اور عقل کو اُسی کا پابند ہونا ہے۔ دراصل 'قلب و عقل' کی یہ تفریق جہاں ریشنلسٹ کے ہاں قبولیت پاتی ہے جو 'عقل' کو 'دل' کے مقابلے پر دلیل بناتے ہیں، وہاں عین یہی تفریق صوفیہ کے ایک بڑے طبقے کے ہاں پزیرائی پاتی ہے جو 'قلب' کو 'عقل' کے مقابلے پر دلیل بناتے ہیں۔ جبکہ علمائے سنت کے ہاں یہ دونوں طبقے ہدایت سے دور ہیں؛ کیونکہ ہدایت قلب (اور 'عقل') کا "وحی" کو لینا اور اس کی اتباع کرنا ہے۔ (مترجم)

بہشت جو "نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا"[6]...؟ یا پھر یہ اُس عظیم آلے کو کباڑ میں جھونک دیتا اور اپنی گھٹیا خواہشات کے تعاقب میں کھائیوں کے اندر اترتا چلا جاتا ہے، اور یوں اپنا آپ -بطورِ فرد اور بطورِ جماعت- تباہیوں کی نذر کرتا چلا جاتا ہے خواہ وہ تباہیاں اِس کی بدکاریوں کے نتیجے میں فوری طور پر سامنے آئیں یا کچھ وقت لیں، اور یوں وہ کوئی ایسی حقیقی "تہذیب" کھڑی کرنے میں ناکام ثابت ہوتا ہے جو در حقیقت انسان کے شایان ہے اور جو "زمین میں خلافتِ راشدہ" کہلانے کے لائق ہو، اور اس سے بھی اہم تر یہ کہ وہ اپنے مالک کے اُس ہولناک عذاب کا حقدار بنتا ہے جسے جھیلنا انسان کے بس میں نہیں:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَاراً كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوداً غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزاً حَكِيماً وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلاًّ ظَلِيلاً (النساء 56-57)

جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے، جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے وہاں ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

ایک نارمل انسان کا معاملہ جب یوں ہے تو وہ مناسب ترین رویہ جو حکمت اس سے تقاضا کرتی ہے، اور جو کہ اِس "دل" کی آواز ہے جسے خدا نے بلندیوں کی جانب اٹھنے میں مدد دینے کے لیے اس کے انسانی وجود میں نصب کر رکھا ہے... وہ مناسب ترین رویہ یہ ٹھہرتا ہے کہ یہ "متاع" (لذت اور آسائش) کی اُس مقدار پر ہی کفایت کر لے جو خدا نے اِس کے لیے مباح کر دی ہے اور اس سے نکل کر یہ حرام کے اندر قدم نہ رکھے۔ اِس طریقے سے دنیا میں بھی اِس کی زندگی

---

[6] حدیث کے الفاظ جو خلدِ بریں کی بابت وارد ہوئے: فيها ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر (متفق علیہ)

ایک اعلیٰ رخ پر قائم ہوتی ہے اور آخرت میں بھی یہ نہ صرف خدا کے ہولناک عذاب سے بچتا ہے بلکہ خدا کی خوشنودی اور بہشت بھی پالیتا ہے۔

یہ تھا "دنیا و آخرت" کا وہ نقشہ جو دورِ اول کے مسلمان کے ہاں ملتا ہے۔ یہ وہ مسلمان تھا جس نے دین کے چشمۂ صافی سے ہی اپنے سب کے سب مفہومات لیے تھے اور جو کہ خالصتاً اللہ کی کتاب ہے یا اُس کے رسولؐ کی سنت۔ "دنیا" اور "آخرت" اُس کے ہاں ایک ہی شاہراہ چلنے کا نام تھا اور دونوں کے لیے اُس کے ہاں ایک ہی کھاتہ تھا:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص 77)

اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (الملک 15)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

*****

یہ خوبصورت توازن جو نفسِ انسانی کے اندر اسلام نے پیدا کیا تھا، اور جو کہ ہمیں قرنِ اول کے مسلمان کے یہاں واضح طور پر نظر آتا ہے، اور جس کو تاریخ نے بھی محفوظ کرنے میں ہرگز کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور جس نے واقعتاً نفسِ انسانی کو ایک ایسی اعلیٰ جہت دی جو کسی 'روحانیت' اور کسی 'فلسفے' کے بس کی بات نہ تھی...

ترکِ دنیا... اور 'صوفی' رجحانات

"یہ دنیا ہی دراصل آخرت کی کھیتی ہے"... یہ خوبصورت توازن اسلام کی پہلی چند نسلوں کے گزرنے کے ساتھ ہی مسلمان کے یہاں روپوش ہونا شروع ہو گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اِس بار جو خلل آیا وہ وہ اُس خلل کے مقابلے پر جو عرب جاہلیت کے ہاں پایا جاتا تھا ایک دوسری انتہا کی جانب جا رہا تھا۔

عرب جاہلیت کے ہاں اِس حوالہ سے جو خلل تھا وہ یہ کہ دنیا آخرت سے جدا کی جاتی کیونکہ آخرت پر اُن کا ایمان ہی نہ تھا تو دنیا کی زندگی کو ہی کسی بھی دوسری زندگی پر ترجیح دے دی جاتی۔ البتہ اب جو خلل آیا وہ یہ کہ دنیا کو آخرت سے جدا کیا جاتا ہے اس لیے کہ دنیا ان کی نظر میں کمتر اور حقیر ہے اور آخرت کو اس کے مقابلے پر ترجیح حاصل ہے!

پہلی نظر میں یوں لگتا ہے کہ یہی تو اصل ایمان ہے! بادی النظر آپ یہی کہتے ہیں کہ یہی تو وہ چیز ہے جس کی ایک مسلمان کو سعی کرنی ہے اور یہ کہ آدمی کو اگر یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر ایمان اور یقین کا بھلا اور کیا درجہ ہے؟ دین میں اس سے اعلیٰ کیا بات ہو سکتی ہے؟!

بلاشبہ ان مخلص حضرات کا یہی خیال تھا جو دنیا اور آخرت کی راہیں الگ الگ کرنے چل پڑے تھے۔ بلاشبہ صوفیہ نے دین کا یہی نقشہ پیش کیا تھا، اور دین کا یہی نقشہ پھیلتے پھیلتے سرزمینِ اسلام کے ایک وسیع رقبے کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا گیا۔ پھر بڑی صدیاں ہم پر یوں گزریں کہ اسلام کے لیے مخلص ہونے کا ہمارے نزدیک یہی ایک مطلب رہ گیا تھا کہ دنیا اور آخرت کی راہیں الگ الگ کر دی جائیں اور "دنیا" کو چھوڑ کر "آخرت" کی راہ اختیار کر لی جائے۔ عالم اسلام میں آج بھی ہر طرف یہی 'دینی تصورات' اذہان پر حاوی ہیں۔

آخر خدا نے خود ہی تو دنیا کو "متاع الغرور" کہا ہے:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ

(آل عمران 185)

کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے

رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے

جبکہ آخرت کو کہا کہ وہ "اصل زندگی" ہے:

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت:64)

اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے

"متاع الغرور"... یعنی دھوکے کا سامان اور آسائش۔ دوسری جانب اصل دائمی حیات۔

تو پھر جو شخص اِس "متاع الغرور" سے منہ موڑ لے، اور سراسر آخرت کا ہو جائے کیا وہ سرخرو نہیں ہو گیا؟ اس نے دین کی اصل غایت پوری نہیں کر دی؟ اور ایک اعلیٰ ترین مثال قائم نہیں کر دی؟

لیکن تھوڑا غور کریں تو آپ کے سامنے معاملے کے کئی پہلو آئیں گے جو پہلی نظر میں اوجھل ہو گئے تھے...

یہ بات کہ اِس عمل سے وہ خدا کی خوشنودی کے طالب ہیں، بیشک درست ہے۔ مگر یہ بات کہ اِس مقصد کے لیے انہوں نے خدا کا ٹھہرایا ہوا راستہ چلا ہے، تو ایسا بہر حال نہیں ہے!

یہاں ہم صوفیہ کے ہاں پائے جانے والے شطحات بیان نہیں کریں گے، نہ وحدۃ الوجود پر کلام کریں گے، نہ حلول پر، اور نہ اس طرح کے دیگر عقائدی انحرافات پر...

یہاں ہم مزار پرستی اور اولیاء پرستی پر بھی کلام نہیں کریں گے اور اس حوالے سے جو بہت سی بدعات اور خرافات عام ہو گئی ہیں اس پر بھی بات نہیں کریں گے۔ نہ ہم بندوں اور خدا کے مابین ٹھہرائے گئے واسطوں پر بات کریں گے، گو درست یہی ہے کہ یہ دین بندوں اور خدا کے مابین سے واسطے ختم کرنے آیا تھا، اور ان کی اجارہ داری سے قلب انسانی کو رہائی دلوانے آیا تھا اور اس کی جگہ اس کو براہِ راست اور بغیر واسطوں کے خدا سے جوڑنے آیا تھا:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ186)

اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کی سنتا ہوں جب بھی مجھے پکارے۔

ہم ان سب انحرافات کی بابت یہاں بات نہیں کریں گے۔ ان میں جو شرک واقع ہوتا ہے وہ بھی یہاں ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہماری گفتگو یہاں "دنیا و آخرت" کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ خاص اس حوالہ سے صوفیہ کے ہاتھوں جو نقصان ہوا، ہماری گفتگو اس پر ہے۔

صوفیہ کا بہت زیادہ سہارا اُن آیات پر ہے جن میں دنیا کی مذمت ہوئی ہے، یا پھر اُن احادیث[7] پر جن میں دنیا ملعون ٹھہرائی گئی۔

نیز یہ صحابہؓ میں سے اُن بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو زہد میں خاص مقام رکھتے؛ یعنی جنھوں نے دنیا کے متاع (لطف و آسائش) سے دوری اختیار کی اور سامانِ زیست سے کچھ سروکار نہ رکھا۔

نیز ان کا کہنا ہے کہ دنیا سے تعلق واسطہ رکھنے سے مومن کی زندگی میں گناہ ہونے لگتے ہیں، جو کہ خدا کے غضب کا پیش خیمہ ہے اور آخرت برباد کرنے کا موجب۔ چنانچہ ان کے خیال میں گناہوں سے بچنا دراصل اس صورت میں ممکن ہے کہ دنیا کو حقیر اور گھٹیا جانتے ہوئے اس کے زیب و آرائش سے مکمل کنارہ کشی کر لی جائے۔ لہٰذا دنیا سے جتنا فاصلہ پیدا کر لیا جائے کم ہے۔

جہاں تک ان آیات کا تعلق ہے، تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا، ان کا اصل سیاق یہ ہے کہ ان میں کفار اور منافقین کے کرتوت بیان ہوئے ہیں...

درست ہے کہ مومن اگر کفار ایسے بعض کام کرے گا تو اس پر بھی ان میں سے بعض وعیدوں کا اطلاق ہو گا، گو وہ ان رویوں کے باعث کافر بہر حال نہیں ہو گا بشرطیکہ ایمان کے اساسی امور اس کے ہاں برقرار ہوں۔ اس کی مثال آپ اِس آیت میں دیکھ سکتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ **إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ** وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (التوبة 38، 39)

> مومنو! تمھیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے) زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دینا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔ دنیا کی زندگی کے فائدے تو

---

(7) مثلاً رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: " الدنيا ملعونة ، ملعون ما فيها ، إلا ذكر الله أو عالم أو متعلم " رواه ابن ماجه والترمذي "دنیا ملعون ہے۔ اس میں جو کچھ ہے ملعون ہے، سوائے خدا کی یاد کے، یا کوئی عالم یا متعلم"۔

آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اور اگر تم نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی تکلیف کا عذاب دے گا۔ اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو خدا کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یا مثلاً جس طرح حضرت عمرؓ پریشان رہتے تھے کہ وہ اِس قسم کی آیات کی زد میں نہ آجائیں، باوجو اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ آیات اصلاً کفار کے حق میں اتری ہیں:

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا (الاحقاف 20)

تم اپنے حصے کی نعمتیں اپنی دنیا کی زندگی میں ختم کر چکے اور ان کا لطف تم نے اٹھالیا

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التکاثر 8)

پھر بیشک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش ہو گی

یہ درست ہے...

دنیا کے ساتھ ایک ایسا تعلق جو آدمی کو آخرت سے غافل کر دینے والا ہو، خدا کو قابل قبول نہیں خواہ وہ مسلمان سے ہو یا کافر سے، اگرچہ اس کا خمیازہ کافر کے حق میں مختلف ہے اور مومن کے حق میں مختلف...

یہ سب کچھ اپنی جگہ۔ مگر دنیا اور آخرت کو الگ الگ خانوں میں بانٹنا بالکل ایک اور چیز اور بات ہے۔ دنیا اور آخرت دو الگ الگ کوچے، اس معنیٰ میں کہ ایک کی راہ چلنی ہو تو دوسرے کی راہ لازماً چھوٹے گی، لہٰذا ان دونوں میں سے کسی ایک ہی کو چننا اور دوسرے کو چھوڑنا ہو گا، یہ بالکل ایک اور چیز ہے اور اِس پر خدا کے دین سے کوئی سند نہیں پائی جاتی۔

خدا کا اپنا کلام یوں کہتا ہے:

..وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (القصص 77)

اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ (الملک 15)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الاعراف32)

پوچھو تو کہ جو زینت (وآرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن خاص ان ہی کا حصہ ہوں گی۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

".. ألا إني أعبدكم لله وأخشاكم له ، ولكني أصوم وأفطر ، وأقوم وأنام وأتزوج النساء ، فمن رغب عن سنتي فليس مني" (متفق علیہ)

"خبردار رہو، میں تم میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا اور خدا سے ڈر کر رہنے والا ہوں، ہاں مگر میں روزہ رکھتا بھی اور چھوڑتا بھی ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ نیز میں شادیاں کرتا (گھر بساتا) ہوں۔ پس جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں"۔

یہاں ہم اِس آیت پر تھوڑا رک جانا چاہیں گے: **قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ**
"پوچھو تو کس نے خدا کی وہ زینت حرام ٹھہرا دی جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے"...

یہاں لفظ "زینت" ذکر ہوا ہے۔ جس کا مطلب ہے سجاوٹ۔ آپ جانتے ہیں "سجاوٹ" نری "ضرورت" سے زائد تر ایک چیز ہے۔ یعنی خدا نے بندوں کے لیے جس چیز کو مباح کیا ہے وہ محض "ضروریات" نہیں جو زندگی کو 'جیسے کیسے' گزار لینے کے قابل بناسکیں۔ بلکہ یہ 'ضروریات' سے بڑھ کر ایک چیز ہے، جس میں جمال اور آسائش کا معنیٰ پایا جاتا ہے!

قرآن میں (دنیوی) حسن و جمال کو سراہنے کی جانب بڑے بڑے زوردار اشارے ہوئے ہیں:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا (النمل60)

وہ جس نے آسمان وزمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِراً نُخْرِجُ مِنْهُ حَبّاً مُتَرَاكِباً وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهاً وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ **انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ**[8] إِنَّ فِي ذَلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (الانعام 99)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی، پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے، پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر اُن کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو، اِن چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ (النحل 5-6)

اور چوپائے پیدا کیے ان میں تمہارے لیے گرم لباس اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو، اُن میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو

جبکہ حدیث نبوی (مذکورہ بالا) یہ بنیاد واضح کرتی ہے کہ: وہ عبادت جو خدا کے ہاں قبول ہوتی ہے اس میں متاعِ زیست سے کلیتاً دور ہو جانا ہرگز نہیں آتا۔ اس کے برعکس؛ متاعِ زیست سے

---

[8] یہاں قرآن نے یہ نہیں کہا کہ (كُلُوا مِن ثَمَرِهِ "ان باغات کے پھلوں کو کھاؤ") اور جو کہ اسی سورت میں آگے جا کر ایک مقام پر (آیت 141) کہہ بھی دیا گیا ہے۔ بلکہ اس جانب توجہ دلائی کہ پکے پھلوں سے لدے یہ باغات تم سے باقاعدہ ایک توجہ اور نظر چاہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ جہاں خدا کی اور نعمتوں کو یاد کرنا اور ان پر سوچنا مطلوب ہے وہاں انسانی وجدان کو کائنات میں خدا کے پیدا کردہ اِس جمال اور سحر انگیزی کی جانب بھی متوجہ ہونا ہے۔ اور یہ کہ یہ حسن اور جمال بجائے خود خدا کی ایک نشانی ہے جو ایک سلیم فطرت انسان کو خدا کی شان کا پتہ دیتی ہے۔

ایسی دوری اختیار کرنا خدا کی عبادت اور خشیت اختیار کرنے کا ایک غلط اسلوب ہے۔ کیونکہ مخلوق میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور سب سے زیادہ متقی ہستی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود یہ اسلوب اختیار نہیں فرمایا، نہ اس کا حکم دیا، بلکہ وہ شخص جو آپؐ کے دستور سے منہ موڑے اُسے وہ ہستی اپنے راستے سے ہٹا ہوا باور کرتی ہے اور اسے اس پر باقاعدہ خبردار کرتی ہے: فمن رغب عن سنتي **فليس مني**۔

رہ گئے زُہّادِ صحابہؓ جن سے صوفیہ حجت پکڑتے ہیں تو ان کا راستہ بالکل ایک اور راستہ ہے جبکہ صوفیہ کا بالکل اور راستہ۔

بعض پہلوؤں سے، شاید کچھ دیر کے لیے آپ کو یہ لگے کہ زاہد اور صوفی ملتی جلتی شخصیتیں ہیں... ہر دو متاعِ ارضی سے پرہیز کیے ہوئے ہیں۔ دونوں کا زیادہ وقت آسائشِ زندگی سے دور رہ کر گزرتا ہے۔ ہر دو کی محنت اور توجہ کچھ خاص اعمال اور عبادات میں صرف ہوتی ہے؛ جس کے بعد مباح لذتوں اور آسائشوں کے لیے ان دونوں کے پاس گنجائش ہی نہیں بچتی...

یہاں تک واقعتاً اِن دونوں میں ایک مماثلت پائی جاتی ہے؛ مگر اس سے آگے دونوں کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں... اس قدر الگ کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد نظر آتے ہیں!

یہ فرق اُس "عبادت" کے تعین میں آتا ہے جو ہر دو سے مباحات سے چھڑواتی ہے۔ یعنی "عبادت" کا مفہوم ہی ہر دو کے ہاں الگ الگ ہے۔ یہاں سے؛ دونوں کا منہجِ حیات مختلف ہو جاتا ہے اور دونوں کے ہاں زندگی کا دھارا الگ الگ سمت میں بہنے لگتا ہے۔

*****

ابتدائی طور پر، کچھ خواہشات سے رکا رہنا ایک خاص درجے کی عزیمت چاہتا ہے تاکہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا بند تشکیل ہو جو خواہشات کے بے قابو تلاطم کو اپنی قید میں لائے۔ نفس کی یہ مزاحمت جس وقت خواہشات کے زور آور بہاؤ کے مقابلے پر ایک بار ڈٹ کر دکھاتی ہے تو یہ بجائے خود نفس کے اندر ایک حیرت انگیز طاقت پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نفیس توانائی ہوتی ہے؛ ایک مسلسل عمل کے نتیجے میں مومن کے ہاں اس توانائی کی سطح بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔

ایک 'جہاں بان و جہاں دار و جہاں آرا' صاحبِ ایمان کو اِس صالح و نفیس توانائی کی بہت بہت اونچی سطح درکار ہوتی ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا "بند" تعمیر ہونا ہوتا ہے جس میں متلاطم پانیوں کا خاصا خاصا بڑا ذخیرہ روک رکھنے کی صلاحیت ہو اور اس "بند" کے کنارے اس قدر اونچے اٹھا دیے گئے ہوں کہ پانی کا کوئی بڑے سے بڑا ریلا بھی اس کو 'پھلانگ' جانے سے قاصر ہو۔ پس خواہشات کے مقابلے پر نفس میں صالح توانائی کی یہ تعمیر اور افزودگی مومن کی زندگی میں مرکزی حیثیت اختیار کرتی ہے اور عالمِ بالا سے قربت پانے کا خصوصی ذریعہ بنتی ہے۔

یہاں تک؛ "نفس کی مزاحمت" کا یہ عمل "زہد" اور "تصوف" کے مابین مشترک نظر آتا ہے۔ زاہد بھی اپنے نفس کے اندر توانائی کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا کرتا ہے اور صوفی بھی۔ یہ توانائی زمینی خواہشات سے بلند ہونے اور ان کو قابو میں لانے سے عبارت ہے۔ یہ ایک ایسی اعلیٰ توانائی ہے جو آفاق کی جانب متوجہ ہونے اور 'ستاروں پر کمند ڈالنے' کے کام آتی ہے۔ وہ شخص جو خواہشات کے جوہڑ میں غرق ہے، اس توانائی اور اس قوتِ پرواز کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا...

ہاں البتہ "زاہد" اور "صوفی" کے آفاق الگ الگ ہیں...

جہاں تک اسلام کی نسلِ اول کے زُہّاد کا تعلق ہے اور جن کے امام سید الزُہّاد محمد ﷺ ہیں... تو ان کی زندگیوں کو دیکھ کر ہمیں اُن "آفاق" کی نشاندہی ہو جاتی ہے جن تک وہ "متاعِ ارضی" کے زاہد ہو کر رسائی پا لیتے رہے تھے...

"جہاد فی سبیل اللہ" کی صورت میں روئے زمین پر 'بر اعظموں' کے حساب سے پیش قدمی۔ "جہاد" جو دنیا بھر میں خدا کے کلمہ کو بلند کر دیتا ہے۔ "جہاد" جو پورے کے پورے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیتا ہے۔ "جہاد" جو نصف کرۂ ارض پر عدلِ ربانی قائم کر دیتا ہے۔ "جہاد" جو معمورۂ ارض کے ایک بڑے حصے پر مثالی معاشرہ کھڑا کر دیتا ہے اور جہاں "مثالیات" "وقائع" کی صورت دھار جاتے ہیں؛ ایک ایسا معاشرہ جس کا لوگ عالمِ مثال میں خواب دیکھتے ہیں مگر اپنی دنیا کے اندر اس کو ناممکنات میں گنتے ہیں۔ "اصلاح" اور "فساد فی الارض کو مٹا دینے" کا ایک بے قابو طوفان جو ہزار ہزار سالہ تہذیبوں اور دستوروں کو بہا کر لے جاتا

ہے، جو بگڑے سے بگڑے معاشرے کو سیدھا کر دیتا ہے اور منحرف سے منحرف ماحول کو صالح بنا دیتا ہے۔ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" جو اس امت کے مشن کا ایک باقاعدہ بیان اور اس کے وجود کا باقاعدہ منشور ٹھہرا دیا گیا ہے اور جو اس کو "خیر امۃ" کا تمغہ عطا کرتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(آل عمران 110)

(مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

ایسے بلند آفاق! ان پر کمند ڈالنے کے لیے واقعتاً توانائی کے وہ بڑے بڑے ذخیرے چاہئیں تھے جو "زہد" سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ اِس "زہد" سے کام لے کر کرۂ ارض پر ایمان، ہدایت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، قیامِ عدل و انصاف ایسے کچھ عظیم الشان برج کھڑے کیے جانے تھے جو نہ صرف دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیں بلکہ اس کی روشنی زمین کے کونے کونے تک پہنچے اور ظلمتیں چھٹ جائیں۔ نصف صدی کے اندر اندر یہ روشنی مغرب میں بحر اوقیانوس اور مشرق میں ماورائے ہند تک پہنچتی ہے اور دنیا کا کوئی ہمالہ اور کوئی صحرا و دریا اس کا راستہ روکنے کی ہمت نہیں پاتا۔ دنیا کی کوئی جاہلیت، کوئی ظلمت اس کے سامنے کھڑی نہیں رہ سکتی۔

زاہدوں کی یہ برگزیدہ جمعیت، جس کے سردار خود رسول اللہ ﷺ ہیں، زہد کی یہ سب چوٹیاں سر کرنے کے باوجود، آسائشاتِ ارض کو حرام نہیں ٹھہراتی۔ عہدِ اول کے یہ زُہاد مباحات کو گھناؤنا بنا کر پیش نہیں کرتے۔ خود اس سے استغنا اختیار کرتے ہیں، دوسروں کے لیے اس کو قابل نفرین نہیں ٹھہراتے۔ خود اس قدر بلند ہو جاتے ہیں کہ "جہاد فی سبیل اللہ"، "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور "اقامتِ عدل و انصاف" ایسے بلند آفاق ہی میں محو رہتے ہیں جہاں مباحات میں مگن ہونے کی صورت ہی نہیں رہتی۔ وہ عظیم اہداف جو ان کو کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے پر اثر انداز ہونے میں مصروف رکھے ہوئے ہیں اور جن کے دم سے

زمین کی قسمت تبدیل ہوتی ہے، ان سے وابستہ رہتے ہوئے وہ بہت سے 'جائز شوق' پورے کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

ام المؤمنین عائشہؓ جس وقت امام المجاہدین ﷺ کو ننگی زمین پر اپنی عبا بچھا کر سوتے ہوئے پاتی ہیں جسے دیکھ کر ام المؤمنینؓ سے رہا نہیں جاتا اور وہ عبا کو دہرا کر دیتی ہیں تاکہ آپؐ کا 'بستر' کچھ نرم ہو جائے اور آپؐ کا جسد مبارک ذرا راحت پائے تو آپؐ اس پر ام المؤمنینؓ کو ٹوکتے ہیں اور عبا دوبارہ اکہری کروا دیتے ہیں۔ اس لیے کہ رسولِ جہاد ﷺ اپنے آپ کو اِس راحت کا عادی نہیں کرنا چاہتے۔ بلند مقاصد کا تعاقب کرنے والی ایسی عظیم شخصیت جو ہر دم عازمِ جہاد ہے اپنے آپ کو آسودگی کا خوگر نہیں کر سکتی، باوجود اس کے کہ آپؐ فرماتے ہیں:

ولكني أصوم وأفطر ، وأقوم وأنام ، وأتزوج النساء ، فمن رغب عن سنتي فليس مني ! ''ہاں مگر میں روزہ رکھتا بھی ہوں روزہ چھوڑتا بھی ہوں، راتوں کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کر رکھی ہوئی ہے، پس جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں''۔

یہ تو رہا اُن لوگوں کا معاملہ جنہوں نے تاریخ کا دھارا بدلا اور معاشروں کی ننگی پیٹھ پر سواری کر کے دکھائی۔

رہے صوفیہ تو انہوں نے مباحات سے مزاحمت اختیار کر کے جو اتنی بڑی طاقت ذخیرہ کی تھی... اس کو کہاں صرف کیا؟

اِدھر اور طرح کے 'جہاد' کا سفر درپیش تھا۔ ایک ایسا سفر جو کبھی سرے نہیں لگتا۔ ''نفس'' کے اندر بیٹھا شیطان ہی مسلسل اِس جہاد کا محاذ رہا اور یہ سب طاقت اور توانائی یہیں پر صرف ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ کتاب اللہ میں وارد جہاد فی سبیل اللہ کی واضح و صریح آیات کی ایسی ایسی تاویل کی جانے لگی کہ وہ سب آسمانی احکام اور نصوص جو کفار و منافقین کے خلاف جہاد (جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ) کا حکم دیتی ہیں اور ان کے ساتھ درشتی اختیار کرنے (وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ) کا درس دیتی ہیں وہ بھی قریب قریب ''نفس'' ہی کی طرف پھیر دی گئیں!

شیطان اور نفس کے ساتھ جہاد بے شک مطلوب ہے۔ اُس بے مثال جمعیت نے بھی، کہ جس نے اپنے گردو پیش میں وہ بے مثال کارنامے انجام دیے اور وہ عظیم الشان چوٹیاں سر کیں، یقیناً شیطان اور نفس کے ساتھ جہاد کیا تھا۔ بلکہ اس جہاد میں وہ جس جس انداز میں فتح مند ہوئے وہ تاریخ میں خصوصی طور پر ذکر ہوا۔ تاہم انہوں نے شیطان کے خلاف جہاد کو اپنا منتہائے سعی نہیں بنا رکھا تھا۔ باوجود اس کے کہ شیطان کے خلاف جہاد میں انہوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ شیطان کا تسلط اُن پر باقی نہ رہا، اور جس کا ذکر خدائی تنزیل کے اندر ہوا ہے:

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ (النحل99-100)

بیشک اس کا کوئی قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں. اس کا قابو تو انہیں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسے شریک ٹھہراتے ہیں

یہ وصف اُن تمام لوگوں پر ہی صادق آتا ہے جو "ایمان لانے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھنے والے" ہوں۔ لیکن یہ اُن لوگوں پر بطورِ خاص صادق آئے گا جن کے "ایمان والے ہونے" کی شہادت اللہ پاک نے خود دی:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ .. (البقرۃ285)

رسول (خدا) اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْأَيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلۃ22)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہی گروہ خدا کا لشکر ہے۔ (اور) سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے

شیطان کے ساتھ ان کا معرکہ تو دراصل کسی اور معرکے میں اترنے کے لیے ہو رہا تھا! وہ اصل معرکہ جس کے لیے شیطان کے ساتھ ان کی جنگ ہو رہی تھی زمین کی صالح تعمیرات تھیں۔ یہاں شیطان کو مات دے دے کر وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتے تھے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور زمین میں ربانی عدل وانصاف کے قیام کے مشن پر گامزن تھے۔ شرک کے قلعے مسمار کرنے کے مشن پر تھے۔ وہ زمین میں ہر طرف ایمان کے قلعے تعمیر کرتے پھرتے تھے۔ طاغوتوں کی خدائی کو چیلنج اور خدا کی حاکمیت کو قائم کر رہے تھے۔ وہ حق کی اُس قوت کو کھڑا کر رہے تھے جو خدا کے دشمنوں کو خائف کرتی ہے...

یہ سب عظیم کام وہ ہرگز نہ کر پاتے اگر وہ اپنے نفس کے محاذ پر شیطان کے ساتھ برسرِ جنگ نہ ہوتے، یا اگر شیطان کے ساتھ اپنا یہ معرکہ جیتے بغیر چھوڑ دیتے... لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ ان کو درپیش معرکہ ہی یہ ہے یا کہا ہو کہ یہی سب غایتوں کی اصل غایت ہے!

*****

شیطان سے جہاد کے حوالے سے ایک اور قابلِ انتباہ چیز...

شیطان سے جہاد کے اس مشن میں صوفیہ کی ترکیب یہ رہی کہ اس "نفس" کو ہی مار دیا جائے جو شیطان کو یہاں پر اڈہ فراہم کرتی ہے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! بلاشبہ شیطان کو یہاں جو اڈہ میسر آتا ہے وہ انسان کی خواہشات ہیں جنہیں اس کے لیے مزین کر دیا جاتا ہے۔ شیطان انہی خواہشات کو اور سے اور بھڑکاتا اور مشتعل کرتا ہے یہاں تک کہ آدمی اس آگ کو بجھانے سے قاصر ہو جاتا ہے اور آخر یہ پورا گھر جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر یہ خواہش ہی مار دی جائے تو شیطان کو یہاں در آنے کے لیے کوئی جگہ فراہم نہیں رہتی، اور وہ یہاں پر اپنے وہ کارنامے انجام نہ دے سکے گا جن کا قرآن میں یوں ذکر ہوا:

.. وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ .. (النساء119)

قسم ہے میں ضرور بہکادوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں حکم دوں گا

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الأَمْوَالِ وَالأَوْلادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُوراً (النساء64)

اور ڈگا دے (بہکا دے) ان میں سے جس پر قدرت پائے اپنی آواز سے اور ان پر لام باندھ (فوج چڑھا) لا اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

اس لیے صوفی کا "جہاد" اِسی نفس کے ساتھ ہوتا رہا؛ اس کی سب محنت اور جانفروشی یہیں پر جاری رہی، یہاں تک کہ وہ خواہش کو مار دینے میں کامیاب ہوا تاکہ شیطان کو اِس نفس میں اترنے کے لیے کوئی مقام میسر نہ رہے۔

البتہ زاہد کا طریقہ یہی نہیں رہا کہ شیطان کے خلاف جہاد کے اپنے اس معرکہ میں پورا اترنے کے لیے وہ خواہش کو مارنے اور پھر اس کے نتیجے میں نفس کو مارنے کے مشن پر اٹھ کھڑا ہو۔

زاہد کا طریقہ جو کہ اس کو ربانی منہج سے ملا یہ تھا کہ وہ اِس نفس کی "قلعہ بندی" کرے۔ شیطان کے حملوں کے خلاف اِس کا دفاع کرے۔ اس نفس کو زندہ اور توانا رکھنا اور اس کو خدا کا بندہ بنا کر رکھنا، اور خدا کی بندگی اور عبادت سے اس کو مسلسل غذا دینا یہاں تک کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کے معرکے میں پورا اترے... زاہد کا منہج یہ تھا۔

یہ محرکات جو خدا نے نفسِ انسانی کے اندر پیدا کر دیے ہیں، کچھ عبث نہیں۔ یہ اُس نے واقعتاً کسی غایت کے لیے لیے پیدا کیے ہیں:

انسان کی اُس نے پیدائش فرمائی کہ وہ پوری زمین کا رکھوالا بنے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرۃ30)

پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"

خدا نے انسان کو یہاں آبادکاری کا مشن سونپا ہے:

هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (ھود61)

اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے اس زمین میں تمہیں آباد کیا۔

ضرور اس کی کوئی حکمت ہو گی جو اس کو مشتِ خاک سے پیدا کیا اور پھر اس میں اپنے پاس سے روح پھونکی... یعنی ملائکہ کی طرح اِس کو خالص شفاف نور سے پیدا نہیں کیا!

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَراً مِنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (البقرۃ 71-72)

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا۔

اس مشتِ خاک کے اندر 'خواہشات' کو بہر حال جنم لینا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.. (آل عمران 14)

لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیوی زندگانی کا چند روزہ سامانِ آسائش ہیں

مگر اس میں عالمِ بالا سے جو نفخۂ روح ہے، اُس نے اِسے نری مٹی بھی نہیں رہنے دیا ہے۔ اب یہ حیوان کی طرح حِسی لطف و سرود کا قیدی بھی نہیں رہا ہے۔ یہ مٹی، مٹی ہوتے ہوئے اب ایک خاص نزاکت اور شفافیت پا چکی ہے جو عالم بالا سے آنے والی روح کے باعث اِس کے وجود میں سرایت کر چکی ہے۔ اب اس کی شعاعیں اِسی مٹی کے سراپے سے پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہی ہیں اور "قدروں"، "اصولوں" اور "اخلاق" کی صورت میں یہاں ظہور کرنے لگی ہیں۔ وہ اِس درماندہ "مٹی" کو ایسے ایسے بلند آفاق تک لے جاتی ہیں جو اِس خاص خدائی تکریم اور تفضیل کے بغیر ممکن نہ تھے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (الاسراء 70)

اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا

وہ لطیف اور خبیر ہستی جو اِس پتلہٗ خاکی کو وجود میں لے کر آئی، خوب جانتی ہے کہ اِس کی یہ خواہشات، بلکہ کہنا چاہئے اِس کے یہ محرکات، اِس کے بشری وجود کے لیے ناگزیر ہیں تا کہ یہ زمین میں عمل، حرکت، تعمیر، پیداوار، سرگرمی، ترقی اور پیش قدمی کے لیے ایک قوی داعیہ کا کام دے اور جو کہ "زمین کی جانشینی" کا ایک باقاعدہ اقتضاء ہے۔ زمین میں انسانی کردار کے راستے میں رکاوٹیں بھی کچھ ایسی کم نہیں، انسانی خواہشات وہ اندرونی محرکات ہیں جو ان رکاوٹوں پر قابو پانے اور ان کے ساتھ مسلسل الجھنے کے لیے اس کو مہیا کروائے گئے ہیں۔

البتہ وہ علیم وخبیر ہستی یہ بھی جانتی ہے کہ خود اِن محرکات کو کنٹرول میں رکھنا بھی بے حد ہی ضروری ہے تا کہ زمین کی یہ آبادکاری عین اُسی نقشے پر ہو جو اِس منصوبے کا اصل مقصود ہے۔ یہاں انسان واقعتاً "ترقی" کرے نہ کہ بربادی۔

یہ توازن صرف خدائی منہج پر آنے سے مل سکتا تھا؛ جو ایک طرف اِن خواہشات اور محرکات کو "ضبط" دیتا ہے نہ کہ ان کو "مارتا" ہے... تو دوسری طرف ان کو مطلق اور بے قید بھی نہیں ہونے دیتا جو اس کے سب بند توڑ کر گزر جائیں۔

درست ہے کہ یہ "محرکات" یا "خواہشات" انسانی زندگی کے لیے آزمائش بھی ہیں:

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً (الکہف 7)

جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لئے آرائش بنایا ہے تا کہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے

مگر یہ اِس تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ جبکہ صوفیہ نے اپنی کل توجہ تصویر کے اِسی رخ پر دے ڈالی۔ صوفیہ نے دیکھا کہ انسان اپنی اِس آزمائش میں ناکام ہوتا ہے تو وہ خواہشِ نفس کے ہاتھوں ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ اس کا کام تمام کر دے، اور اِس نفس کو مار لے، تو وہ اِس آزمائش میں سرخرو ہو جائے گا!

البتہ وہ اس بات کو نظر انداز کر گئے کہ ان خواہشات کے وجود کے پیچھے کوئی حکمت بھی تو کارفرما ہوگی! آخر کیوں اتنی جیتی جاگتی تند و توانا خواہشات انسان کے اندر بھر دی گئی ہیں اور پھر حسبِ استطاعت ان کو قابو میں لانے کا بھی حکم دے دیا گیا ہے۔ یہ "توازن" ہی تو خدا کے نازل کردہ منہج کا مرکزی نقطہ ہے:

"ألا إني أعبدكم لله وأخشاكم له ، ولكني أصوم وأفطر ، وأقوم وأنام وأتزوج النساء ، فمن رغب عن سنتي فليس مني" (متفق علیہ)

"خبردار رہو، میں تم میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا اور خدا سے ڈر کر رہنے والا ہوں، ہاں مگر میں روزہ رکھتا بھی اور چھوڑتا بھی ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ نیز میں شادیاں کرتا (گھر بساتا) ہوں۔ پس جو میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں"۔

خواہشات اور محرکاتِ انسانی کے پیچھے کارفرما اِس حکمت کو جب انہوں نے نظر انداز کر دیا تو نتیجہ کیا نکلا؟

انسان خالص نور کی مخلوق تو بن نہیں سکتا، جو کہ صوفیہ کی اِس بے حد و حساب محنت اور جہاد کا مقصود نظر آتا ہے!

اور پھر سوال تو یہ بھی ہے کہ آدمی اگر اپنی جسمانی خواہشات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور جس کے نتیجے میں یہ نفس مار دیا جائے اور انسانی کو نورانی مخلوقات ایسی شفافیت حاصل ہو جائے... تو کیا زمین میں انسانی سے جو ایک خاص انداز کی "عبادت" مطلوب ہے [9] اور جو کہ یہاں پر انسان ہی کے ادا کرنے کی ہے، اس سے عہدہ برآ ہونے میں کیا یہ اس کی کامیابی سمجھی جائے گی؟

اس میں شک نہیں کہ ایک حقیقی صوفی [10] اپنی مسلسل روحانی ریاضت کے نتیجے میں کچھ نہایت شفاف آفاق تک رسائی پاتا ہے جہاں اس کی روح اس کی بوجھل جسمانی خواہشات سے

---

[9] دیکھئے اس کتاب کی فصل "عبادت" کا مفہوم۔

[10] مراد ہے ایک سچا عبادت گزار صوفی، نہ کہ پیشہ ور شعبدہ گر۔

ہلکی پھلکی ہو کر آمد و رفت کرتی ہے اور اُن نفیس جہانوں تک رسائی پاتی ہے جو کیچڑ میں لت پت خواہشات میں غرق ایک ثقیل نفس کے بس کی بات نہیں۔

لیکن دوسری طرف یہی چیز صوفی کے لیے ایک ایسا نشہ بنتی چلی جاتی ہے جس سے یہ اپنے آپ کو "پہنچا ہوا" باور کرتا ہے۔ یہاں یہ اس احساس سے سرشار ہوتا چلا جاتا ہے کہ اس کی "منزل" آگئی۔ اور جو "منزل" ہی کو دیکھنے لگے وہ "ذرائع" اور "وسائل" کا ضرورتمند کیونکر رہے۔ "ذرائع" تو اس شخص کی ضرورت ہو گی جو "پہنچا ہوا" نہیں۔ جو پہنچ لیے وہ وسائل اور ذرائع کے لیے ہاتھ پیر مارتے کیوں پھریں؟

یوں وہ بہت سے عوامل صوفی کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں جو اس کو زمینی عمل کے منجدھار میں اترنے سے بے نیاز کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ "جہاد" جو خدائی منہج کو زمین میں قائم کرنے کے لیے مطلوب ہے، وہ سرتوڑ کوشش جو زمین میں خدا کے کلمہ کو بلند اور کافروں کے کلمہ کو پست کرنے کے لیے مطلوب ہے، وہ دیوانہ وار سرگرمی جو یہاں باطل کو پاش پاش کرنے اور اس کا کروفر ختم کرنے کے لیے مقصود ہے، وہ سعیِ پیہم جو حق کو زمین میں تمکین دلوانے کے لیے درکار ہے، وہ قوت جو خدا کے دشمنوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے مطلوب ہے، وہ جہد جو خدائی نقشے پر زمین کی تعمیر و ترقی کے لیے یہاں پر ہونا ضروری ہے... وہ جہاد اور وہ سعی وجہد اِس ریاضت کے دوران روپوش ہوتی چلی جاتی ہے۔

یہ عوامل جو صوفی کے گرد اکٹھے ہوتے چلے جاتے ہیں اور اُس کو اُس کی اپنی دنیا سے روپوش کراتے چلے جاتے ہیں... ان میں سب سے پہلا عامل دنیا کو دیکھنے کے معاملے میں وہ "زاویۂ نظر" ہے جو صوفی کے ہاں تشکیل پاتا ہے۔ صوفی "دنیا" کو جس نظر سے دیکھتا ہے وہ آخرت کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے؛ جس کے باعث یہ مطلق ایک قید خانہ ہے جس سے "رہائی" پانا اِس کا ہدفِ اولین ٹھہرتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ روح کو جس حد تک ہو سکے جسم کے بوجھ سے آزاد کراؤ اور اس کو عالم بالا سے منسلک کرواؤ۔ اس کو دنیا سے "کاٹتے" ہوئے آخرت کے ساتھ جوڑو۔

اب جب یہ ایک مطلق قید خانہ ہے... تو کیا قید خانے میں کبھی 'تعمیرات' کی جاتی ہیں؟! قید خانے میں قیدی کا جیسا برا حال ہوتا ہے، کیا وہ وہاں کسی 'آبادکاری' کا سوچ سکتا ہے؟! وہ تو ہمیشہ یہاں سے 'بھاگ نکلنے' کے منصوبے بنائے گا۔ اُس کی بلا سے، یہاں کی کوئی چیز ڈھ گئی ہے، کوئی چیز خراب ہو گئی ہے، فساد زدہ ہو گئی ہے۔ یہ پورا جہان کھنڈر بن جائے، اس کو کیا! بلکہ یہ تو ہے ہی اِس قابل! یہ اس کو بنانے سنوارنے کی فکر کیوں کرے؟! یہ تو صبح شام اس فکر میں ہے کہ یہ اِس سے خلاصی پائے تو کیسے؟! کیونکہ کامیابی ہے ہی اس سے 'خلاصی پانا' نہ کہ اس کو "سنوارنا"!

دوسرا عامل صوفی کے ہاں "رغبت" کا معدوم ہو جانا ہے... کیونکہ وہ "محرکات" ہی اس کے اندر دم توڑتے چلے جاتے ہیں جو رغبتوں کو مہمیز دیں...

آدمی کو کھانے، پینے، پہننے، سنورنے، رہنے سہنے، اور جنسی عمل میں "رغبت" ہوتی ہے... "طاقت" حاصل کرنے، اشیاء کی "ملکیت" حاصل کرنے، علم، تحقیق، مشاہدہ اور ایجادات کرنے، غلبہ حاصل کرنے، جاہ و مقام پانے، دوسروں پر سبقت پانے اور اشیاء میں بڑھوتری کرنے کی "رغبت" ہوتی ہے... تو ہی اس کے اندر کسی سرگرمی یا پیش قدمی کے لیے "تحریک" پیدا ہوتی ہے۔ تب وہ اپنی اِن رغبتوں کو پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اُس کی یہ 'رغبتیں' خوب ہیں یا گھٹیا، نارمل ہیں یا ابنارمل، دائرے کے اندر رہیں یا دائرے کے باہر...

البتہ جس وقت روحانی اعمال و ریاضت کا ایک بڑا محور اِن "رغبتوں" ہی کو کچل دینا ہو اور نفس کو ان سے "خلاصی" دلوانا ہو... تو اب یہ کس چیز کے لیے "متحرک" ہو گا؟ اب یہ کس چیز کے لیے "سرگرمی" رکھے گا؟ دنیا میں تو اس کی کوئی طلب کوئی اشتہا باقی ہی نہیں رہی، اِس جہان سے تو اِس کو کچھ لینا دینا ہی نہیں، دنیا سے اس کو چاہئے تو بس وہ 'نانِ خشک' جس سے زندگی کا رشتہ جڑا رہے!

تیسرا عامل ہے وہ 'روحانی تجلیات'... یا پھر زیادہ صحیح لفظ بولیں تو وہ نشہ جس کے دم سے یہ اپنے آپ کو 'پہنچا ہوا' دیکھتا ہے۔ یا یوں کہیے 'فنا' ہونے کی لذت جو اِس کو 'وجود' دیتی ہے!

اس کو جو بھی نام دیں، مقصد یہ کہ یہاں ایک خاص احساس پرورش پاتا ہے جو روحانیات میں کی جانے والی اسی پیشرفت پر اِس کو قناعت دلواتا چلا جاتا ہے۔ اِس روحانی سفر میں جو جو منزلیں آئیں ان پر مکمل اکتفاء؛ اس کے سوا نہ کوئی فکر نہ کوئی رغبت! فکر اور رغبت ہو گی تو اِس سفر کی ہی کسی 'اگلی منزل' کے لیے۔ یعنی دنیا سے کچھ مزید اچاٹ ہو جانے کے لیے۔ روحانیت میں کچھ اور بھی اعلیٰ "مقامات" کے لیے۔ مزید کچھ توانائی صرف ہو گی تو اِسی سمت میں کچھ اور اونچا جانے کے لیے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ نفس کو ابھی اور مارا جائے تاکہ یہ کچھ مزید 'زندگی' پائے! کچھ مزید 'فنا' جو اِس کے 'وجود' کو فرومایہ کرے!

اب جب یہ تین عوامل یکے بعد دیگرے اکٹھے ہوئے، ساتھ میں قضاء وقدر کا وہ سلبی مفہوم جو مسلم پسپائی کی ایک بڑی وجہ بنا رہا ہے اور جو کہ اِس جہان کی کسی بھی چیز کو جو 'قضائے الٰہی' سے یہاں پائی گئی "تبدیل" کرنے کا روادار ہی نہیں خواہ وہ کتنی ہی بری اور کتنی ہی ناقابل قبول ہو، کیونکہ اُس کو "تبدیل" کرنے یا اُس پر "اثرانداز ہونے" کی کوشش کرنا یا شاید سوچ ہی آنا اِس ذہن کی رُو سے تقدیرِ خداوندی پر اعتراض یا پھر اس کے خلاف بغاوت ہے اور 'راضی برضا' رہنے کے شدید منافی...!

جب یہ سب عوامل صوفی کے نفس میں اکٹھے ہوئے... تو اب وہ کونسی چیز ہے جو اسے زندگی کے پُرجوش منجدھار میں اترنے کے لیے بے تاب کرے؟ زیادہ سے زیادہ، یہ کسی چیز کے لیے ہاتھ پیر مارے گا تو اپنا دامن بچانے کے لیے! اس منجدھار میں ڈوبنے سے 'بچ جانے' اور 'پار لگ جانے' کے لیے! فساد کی قوتوں سے پنجہ آزمائی اور ایک صالح نقشے پر زمین کی تعمیر و آبادکاری اِس طرزِ فکر کے لیے بہرحال ایک اجنبی چیز ہے۔

*****

علاوہ ازیں، صوفیہ کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ دنیا فتنوں کا گھر ہے۔ یہ فتنے لامحالہ انسان کو گناہوں کے گڑھوں میں گرواتے ہیں۔ لہٰذا اس سے بچنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ آپ خواہشاتِ نفس کو کچل ڈالیں، تاکہ شیطان کے تیار کردہ پھندوں سے محفوظ و مامون ہو جائیں...

دنیا فتنوں کا گھر یقیناً ہے، اس پر قرآن اور حدیث سے بے شمار دلیلیں مل جاتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ

(فاطر 5)

اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی، اور ہر گز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْماً لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئاً إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ (لقمان 33)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ بچے کے کام نہ آئے گا، اور نہ کوئی کامی (کاروباری) بچہ اپنے باپ کو کچھ نفع دے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہر گز تمہیں اللہ کے علم پر دھوکہ نہ دے وہ بڑا فریبی

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيماً تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِراً (الکہف 45)

اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کردو (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا۔ تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔ پھر وہ چورا چورا ہوگئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ اور خدا تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرّاً ثُمَّ يَكُونُ حُطَاماً وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحدید 20)

جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اس مینھ کی طرح جس کا اُگایا سبزہ کسانوں کو بھایا پھر سوکھا کہ تو اسے زرد دیکھے پھر روندن (پامال کیا ہوا) ہوگیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بخشش اور اس کی رضا اور دنیا کا جینا تو نہیں مگر دھوکے کا مال۔

"... فو الله ما الفقر أخشى عليكم ، ولكن أخشى عليكم أن تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم ، فتنافسوها كما تنافسوها ، وتلهيكم كما ألهتهم' (البخاری)

"... کیونکہ، خدا کی قسم، میں تمہارے معاملے میں غربت سے اتنا نہیں ڈرتا جس اس بات سے کہ تم پر دنیا کی ریل پیل ہوجائے جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا کی ریل پیل ہوئی ہوئی تھی، پھر تم اسی کی دوڑ میں لگ جاؤ جس طرح تم سے پہلے اس کی دوڑ میں لگے تھے، اور اس کے ہاتھوں تم اسی طرح غفلت و مدہوشی کا شکار ہوجاؤ جس طرح تم سے پہلے ہوئے تھے"

وعن أبي ذر - رضي الله عنه - قال : " كنت أمشي مع النبي - صلى الله عليه وسلم - في حرة المدينة فاستقبلنا أحد ، فقال : يا أبا ذر ! قلت : لبيك يا رسول الله . قال : ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبا تمضي عليّ ثالثة وعندي منه دينار ، إلا شيئا أرصده لدين ، إلا أن أقول به في عباد الله هكذا وهكذا وهكذا - عن يمينه وعن شماله ومن خلفه . ثم مشى ثم قال : إن الأكثرين هم المقلون يوم القيامة إلا من قال هكذا وهكذا وهكذا ، عن يمينه وعن شماله ومن خلفه . وقليل ما هم " (البخاری).

ابوذرؓ سے روایت ہے، کہا: میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ایک محلے میں پیدل چلا جارہا تھا، یہاں تک کہ ہمارا رخ احد پہاڑ کی جانب ہوگیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر۔ میں عرض کی لبیک یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: میں ہرگز پسند نہ کروں کہ میرے پاس اگر اِس احد جتنا سونا ہو تو تیسری رات پڑنے تک میرے پاس اس سونے کی ایک اشرفی تک باقی ہو، سوائے یہ کہ میں اس میں سے ادائے قرض کے لیے کچھ پس انداز کرلوں۔ میں تو بندگان خدا کو یوں اور یوں اور یوں بانٹ دو، آپ اپنے دائیں بائیں اور پیچھے کی جانب اشارہ فرمارہے تھے۔ پھر آپ چلے، پھر فرمایا: آج کے دولتمند کل قیامت کے روز فقیر ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو یوں اور یوں اور یوں لٹادینے والے ہوں، آپ اپنے دائیں اور بائیں اور پیچھے اشارہ فرما رہے تھے، اور فرمایا: مگر ایسے لوگ ہیں تھوڑے"۔

صحابہؓ "دنیا" کے متعلق قرآنِ مجید کی یہ تنبیہات جیسے جیسے سنتے گئے ویسے ویسے انہیں دل میں بٹھاتے چلے گئے، رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں "دنیا" سے متعلق یہ خبردارکن نصائح جیسے جیسے سنتے گئے ویسے ویسے انہیں دامن میں باندھتے گئے۔ یوں وہ اس یقین سے سرشار ہوتے چلے گئے کہ دنیا کی یہ متاع زائل ہورہنے والی ہے اور یہ کہ اصل نعمت جس کی حرص کی جائے آخرت ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ دنیا کی متاع (راحت اور آسائش) کے معاملہ میں زہد اختیار کرنے لگے، یعنی متاعِ دنیا آخرت کے مقابلے میں ان کے ہاں بے وقعت ہوگئی۔

لیکن – جیسا کہ ہم نے پیچھے کہا – یہ وہ ایجابی زہد تھا جو زمین کے اندر مومن کو پیش قدمی کرواتا اور اس کے تعمیری جذبوں کو اخلاص بخشتا ہے۔ یہ زہد (دنیا کی بے وقعتی) وہ ہے جو آدمی کو جہاد کے میدانوں میں لے کر چلتی، باطل سے بھڑواتی، ظلم سے نبرد آزما کرواتی، اور زندگی کے ہنگاموں میں اس کو جفاکشی اور صبر واستقامت کی استعداد بخشتی ہے۔ معرکہ زمین میں اس کو سود وزیاں سے بے نیاز کرتی ہے۔ یہ وہ 'دنیابیزاری' نہیں جو نفس کو مار مار کر حاصل کی جاتی ہے۔ یہ وہ سلبی تصوف نہیں جو آدمی کو اس کی دنیا سے باہر لے جاتا ہے۔ یہ وہ زہد ہے جو فتنوں کی یلغار کے مقابلے پر نفس کو قلعہ بند کرتا ہے نہ کہ فتنہ کے حملے کے اندیشے سے یہ اپنے اس قلعے کو اپنے ہاتھوں ملیامیٹ کرنا شروع کر دیتا ہے!

"دنیا" سے متعلق یہ بار بار کی تنبیہات یہاں مومن کو "ہوشیار" کرنے کے لیے ہیں تا کہ وہ اِسی دنیا پر نہ ریجھ جائے اور یہ دنیا اس پر اپنے فتنوں کا جال پھیلا کر اس کو آخرت سے غافل نہ کر دے۔ یہ تنبیہات اس کو دنیا کے دھندوں اور ہنگاموں میں شریک ہونے سے باز رکھنے کے لیے بہر حال نہیں ہیں۔ یہ اس کو کارزارِ حیات سے بدکانے کے لیے بہر حال نہیں ہیں۔ یہ زمین کی صالح آبادکاری اور تنظیم و آبیاری کے لیے درکار حرکت و نشاط سے اس کو محروم کر دینے کے لیے وارد بہر حال نہیں ہوئی ہیں۔

ان تنبیہات کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک راستہ ہے جس میں جگہ جگہ گڑھے ہیں اور وہ کچھ جان لیوا خطرات سے اٹا ہوا ہے۔ اب کوئی مہربان ایسے ہر ہر گڑھے اور ہر ہر خطرناک گھاٹی کے اوپر بڑے بڑے جلی حروف کے سائن بورڈ آویزاں کر دیتا ہے۔ تا کہ راہ رَو بحسن و حفاظت یہاں سے گزر لیں۔ یہ سائن بورڈ اس لیے بہر حال نہیں کہ لوگ یہ راہ چلنے سے ہی باز آجائیں! یہ راستے کی بربادیوں سے خبردار کرنے کے لیے ہیں۔ یقیناً ان بورڈز پر بڑی بڑی خطرناک عبارتیں درج ہیں، جو کہ قطعاً مبالغہ نہیں؛ واقعتاً اس راستے میں بڑے بڑے بھیانک موڑ اور ہولناک گڑھے ہیں، اور ایسے ہر مقام پر جو لکھ رکھا گیا ہے وہ بعینہٖ سچ ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایک سفر کو ممکن بنانے کے لیے ہے۔ اب یہاں کچھ لوگ آتے ہیں اور یہ تبلیغ کرنے لگتے ہیں کہ

حضرات یہاں تو بڑے بڑے خطرات کے بورڈ آویزاں ہیں، لہٰذا ادھر کا رخ ہی مت کرو...
تو یہاں ہم کہیں گے کہ ان حضرات نے "تنبیہ" کو ایک بالکل غلط معنیٰ میں لے لیا ہے۔ یقیناً انہوں نے "تنبیہ" کو بے حد سنجیدہ لیا ہے البتہ اس کے معنیٰ میں انہوں نے شدید غلو کرلیا ہے یہاں تک کہ "تنبیہ" جو راستہ "پار کروانے" کے لیے تھی ان کو راستے سے "روک دینے" کا موجب ہونے لگی ہے۔ یہاں؛ ایک حوصلہ مند شخص خدا پر بھروسہ کرکے راستہ ضرور چلے گا، گو راستے کے خطرناک مقامات سے ازحد خبردار بھی رہے گا۔ البتہ ڈرپوک آدمی یہ دیکھ کر کہتا ہے کہ جب ایسے ایسے خطرے ہیں تو یہ راستہ چلیں ہی کیوں؟!!

ذرا اِس ایک حدیث پر ہی غور کریں:

والذي نفسي بيده لو لم تذنبوا فتستغفروا لذهب الله بكم وجاء بقوم يذنبون فيستغفرون فيغفر الله لهم" (مسلم)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اگر گناہ نہ کرو اور اس پر خدا سے مغفرت کے لیے ملتجی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں نہ رہنے دے، بلکہ تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے کر آئے جو گناہ کریں اور اس پر خدا سے مغفرت و بخشش کے لیے ملتجی ہوں"

کیا کہیں گے... یہ گناہوں کی ترغیب دی جارہی ہے؟!

ظاہر ہے کہ نہیں۔

کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کا فرستادہ نبیؐ لوگوں کو —معاذ اللہ— گناہ کرنے کی ترغیب دے، جبکہ وہ مبعوث ہی اس لیے ہوا ہو کہ وہ لوگوں کو جہاں تک ان کے بس میں ہو گناہوں سے رکنے کی تبلیغ کرے۔

دراصل یہ عمل اور سرگرمی کی ترغیب ہے!

فاعلیت کی مہمیز ہے!

انسان جس وقت کارزارِ حیات میں عمل اور پیش قدمی کرتا ہے تب محالہ اس سے گناہ سرزد ہو جانے کی نوبت آتی ہے۔

"كل بني آدم خطاء .. " (احمد، ابو داود، ابن ماجۃ، الدرامی)

ہر بنی آدم خطاکار ہے۔

تو چارۂ کار کیا ہے؟

یہ کہ کارِ جہاں میں جُتنے کے دوران مومن سے جو گناہ سرزد ہو جایا کریں یہ اس پر استغفار کا وتیرہ اختیار کرے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران 35-36)

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔ انہیں کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان نیک کاموں کے کرنے والوں کا ثواب کیا ہی اچھا ہے۔

ہاں جو شخص کبھی گناہ نہیں کرے گا – بشرطیکہ انسان کی ایسی کوئی قسم دنیا میں پائی جائے! – تو یہ وہ انسان ہو گا جو کبھی کچھ نہیں کرے گا! اس کا سب سے بڑا گناہ بس یہی ہو گا کہ اس نے کبھی کچھ نہیں کیا! خدا کی میزان میں یہ بہت بھاری گناہ ہے؛ کیونکہ خدا کے عائد کردہ واجبات اور فرائض ہی کو پس پشت کر ڈالا ہے۔

کمال یہ نہیں کہ آدمی اشیاء سے لدی ہوئی ٹوکری سر پر رکھ کر بے حرکت بیٹھ جائے اور کہے کہ کوئی ایک چیز دکھاؤ جو مجھ سے گری ہو۔ بلاشبہ اس آدمی نے وزن تو بہت سا اٹھا رکھا ہے اور وہ بھاری ٹوکرا تھامنے میں زور بھی اچھا خاصا صرف کر رہا ہے، لیکن ہم کہیں گے کہ وہ 'ٹوکرا' اٹھانے کی غرض ادنیٰ ترین حد تک پوری نہیں کر رہا۔ کیونکہ یہ چیزیں اس کو 'اٹھوائی' ہی اس لیے گئی تھیں کہ وہ ان کو لے کر کہیں پہنچے، بصورتِ دیگر یہ اس کو 'اٹھوائی' ہی نہ جاتیں!

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ (عبس 23)

ہر گز نہیں۔ اِس نے وہ کام نہیں نمٹایا جس کا اُس نے اِسے مامور کیا تھا

کمال اصل میں یہ ہے کہ وہ ضروری حرکات تو ضرور انجام دے، تاہم اس دوران اُس کے سر سے وہ ٹوکرا گر کر نہ دے اور اسکی اشیاء گر کر بکھرنے نہ پائیں! تاہم اگر پوری کوشش اور احتیاط کے باوجود، اور تمام نیک ارادوں کے علی الرغم، کوئی چیز گر ہی جائے تو ایسے موقع پر وہ خدا کے عفو و درگزر کا دامن وسیع پائے! یہاں خدا، اپنے ایک ایسے بندے کو اپنے سامنے پا کر جس نے اپنے فرض کو معمولی ہر گز نہیں جانا، اور نہ وہ اپنے اس قصور کو کوئی معمولی قصور جانتا ہے جو مالک کے حق میں اس سے سرزد ہو گیا ہے، اور نہ وہ اپنی اس حرکت پر مُصر ہے، بلکہ قصور ہوتے ہی ہوشیار ہوا ہے اور خدا کی مغفرت کا دامن تھامنے کے لیے بھاگ پڑا ہے... یہاں حق بنتا ہے کہ وہ ایسے وفادار بندے کو اپنی شانِ کریمی دکھائے اور اس کی توقع سے بڑھ کر اس کو بخشش سے باریاب کرے!

یہاں ہے خدا کی وہ لامتناہی رحمت سامنے آتی ہے جو بندے کو، ایک گناہگار بندے کو، فیضیاب کرتی ہے۔ اس لیے کہ اُس کی طرف سے اِس کو جو کام سونپا گیا، یہ اپنی پوری کوشش اور استطاعت کے ساتھ اس کو انجام دینے میں لگا ہے۔ اب جو خطا مالک کی ڈیوٹی کرنے کے دوران سرزد ہو وہ کیوں درگزر نہ کی جائے، بہ نسبت ایک ایسے آدمی کی غلطی کے جو مالک کی ڈیوٹی کرنے پر ہی آمادہ نہیں، یا جو مالک کے عائد کردہ فرائض کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے لیے تیار نہیں!

یہیں پر؛ انسانی مخلوق کے ساتھ خدا کے پیش آنے کے معاملے میں اسلامی تصور کا حسن اور اس کی عظمت بھی اور گیرائی بھی اپنا ظہور کرتی ہے!

انسان سے یہ مطلوب ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر موجزن رغبتوں کو موت کے گھاٹ اتارتا پھرے، اس لیے کہ کسی طرح وہ گناہوں سے محفوظ ہو جائے! یہ مخلوق گناہوں سے محفوظ بھلا کب رہ سکتی ہے! البتہ 'گناہوں سے محفوظ ہونے' کا یہ نسخہ (جو کہ گناہوں سے اس کا تحفظ پھر بھی نہیں کرتا، بلکہ ہو سکتا ہے یہ اس سے بڑے گناہ میں دھکیل دینے کا باعث

ہو) اس کو زمین کی جانشینی (خلافتِ ارضی) کے بہت سے جو انب سے معطل کر دینے کا نسخہ ضرور ہے!

انسان سے جو مطلوب ہے وہ یہ کہ اپنے مالک کے دیے ہوئے نقشے پر یہ حرکت اور عمل کرے، اور مباح میدانوں میں سے کسی عمل کو اپنے اِس خداشناس عمل اور حرکت سے خالی اور ویران نہ رہنے دے۔ جس سے زمین کی آبادکاری عین اُس منہج پر انجام پانے لگے جو خدا کا مقصود ہے، جبکہ یہ انسان اپنے اِس پورے عمل میں مقدور بھر خدا سے ڈر کر رہنے والا ہو:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا (التغابن16)

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ

تب زمین مومن کی حرکت اور نشاط سے لبریز ہو جاتی ہے۔ حق یہاں پر محض 'اصولوں' کی صورت میں نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی صورت میں جو باطل کا منہ توڑ کر رکھ دے، اپنا ظہور کرتا ہے۔ ترقی و افزودگی جو آسمانی برکت کو ساتھ لے کر آتی ہے زمین کو شاداب کرتی ہے۔ سب عمرانی و تہذیبی عمل اُس پاکیزگی پر قائم رہتا ہے جو شرائع کا مقصود ہے۔ یہ ہے "زمین کی اصلاح"۔ یہ ہے "دھرتی کا سنورنا" جو "فساد" کے مقابلے پر قرآنی تعبیر میں بیان ہوا ہے:

وَلا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاحِهَا (الاعراف56)

اور دنیا میں اس کے بعد کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ

تب وہ کشمکش وجود میں آتی ہے جو فساد کے لشکروں کے مقابلے پر اہل حق کے ڈٹنے اور استقامت اختیار کرنے سے وجود پاتی ہے، فساد کی قوتیں جو کسی وقت نچلی نہیں بیٹھتیں، سوائے جب حق کی قوت ان کو زیر کر لے:

وَلَوْلا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ

(البقرۃ251)

اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا، تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج 40)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے

یہاں سے؛ مسلم فرد اور مسلم امت زمین میں اپنے فرض کا تعین کرتی اور اپنے مشن پر گامزن ہوتی ہے۔ مسلم فرد اور مسلم امت کا یہ مشن جب تک انسان زمین پر بستے ہیں ختم ہونے والا نہیں۔

بایں صورت، مسلم فرد اور مسلم امت وہ "عبادت" انجام دیتی ہے جو خدا نے اس سے مطلوب رکھی ہے۔ "عبادت" اپنے اُس وسیع مفہوم کے ساتھ جس کا میدان یہ پورا کارزارِ حیات ہے۔ بایں صورت، مسلم فرد اور مسلم امت اُس غایت کو پورا کرتی ہے جو وجودِ انسانی کو یہاں پر سونپا گیا ہے۔

پس وہ لوگ جو "زُہاد" ہوئے، انہوں نے تو اس مشن کو اُس اعلیٰ ترین سطح پر انجام دیا جسے نبوی اصطلاح میں "احسان" کہا گیا:

قال : وما الإحسان؟ قال : "الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه ، فإن لم تكن تراه فإنه يراك" (حديث: هذا جبريل أتاكم يعلمكم أمر دينكم . رواه الشيخان)

اس نے دریافت کیا: احسان (عمل کو عمدہ کرنا) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، یوں گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے کہ تم گویا اُسے دیکھ رہے ہو تو یہ کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے"

البتہ صوفیہ نے یہاں نماز، روزے اور "ذکر" کا اہتمام کیا اور کہنے لگے کہ آخرت کے لیے بس یہی عمل درکار ہیں، 'دنیا' کے کاموں میں ہمیں پڑنے کی کیا ضرورت، شیطان کے ان فتنوں سے دور ہی رہنا بہتر!

اس کے بعد...؟!

وہ بہت سے امور ہاتھ سے جاتے رہے جو ایک "صالح انسان" کو زمین کے اندر سونپ رکھے گئے تھے اور جو اِس امت کے وجود سے دنیا میں پورے کرائے جانا تھے...

- زمین کی چھاتی پر چلنا اور اس میں رزق کے سوتوں تک پہنچنا (فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ) موقوف ہوا۔ مسلمان کو بھوک مٹانے سے بڑھ کر یہاں کس چیز سے غرض؟!
- مسلمانوں کو اب دنیوی علوم وفنون مانند طب، فلکیات، ریاضیات، انجینئرنگ، فزکس اور کیمیا وغیرہ کی کیا ضرورت۔ یہ دنیا کی فانی چیزیں ہیں۔ چھوڑو اِن چیزوں کو دنیا والوں کے لیے!
- مادی ترقی کافروں کے سپرد۔ کیونکہ یہ دنیا کی زیب و آرائش ہے، جو کہ بربادی ہی بربادی ہے!
- باطل کے ساتھ قدم قدم پر الجھنا، اور باطل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے سرگرم ہونا موقوف۔ کیونکہ زمین میں جو ہوتا ہے خدا کی مشیئت سے ہوتا ہے۔ خدا کو کچھ اور منظور ہوتا تو اس کے پیش آنے میں ذرہ بھر رکاوٹ نہ ہوتی، معلوم ہوا خدا کو یہی منظور ہے۔ خدا کو جب کچھ منظور ہوتا ہے تو وہ اس کے اسباب بھی اپنے ہی پاس سے پیدا کر دیتا ہے؛ آپ اپنی فکر کریں!
- عالم اسلام کو افلاس، جہالت، مرض، ہر ہر میدان میں پسماندگی اور لاچاری کے تحفے۔

وہ امت جسے انسانیت کی امام اور رہبر بننا ہو، زمین کا مرکزی ترین کردار بننا ہو، زمین میں خدا کا سونپا ہوا یہ مشن پورا کرنا ہو... کیا وہ امت اس بات کی متحمل ہے کہ وہ کافروں اور بدکاروں کی دست نگر ہو؟

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (البقرۃ 143)

اور اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو

"مسلمان" کی دنیا میں یہ حالت ہو تو اِس دین کا غلبہ اور ظہور کس طرح ہو گا؟

ایک ایسی امت یہاں کیا کرے گی جس کا ہر شخص ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظر فردا ہو۔ جس کا ہر شخص بھوکا، ہر شخص ان پڑھ، ہر شخص امراض کا کھایا ہوا، لاغر اور لاچار ہو؟!

ایک ایسا مسلم معاشرہ جہاں ہر شخص کو 'گزارے کا' کمانا ہو، اور اس سے بڑھ کر کمانا اس کے حق میں معیوب ہو، وہاں امارتِ اسلامی وہ 'ضرورت سے زائد' مال کہاں سے ڈھونڈے گی جسے وہ جہاد کے راستے میں صرف کرے اور اسے قوت کا وہ ذریعہ بنائے جس کے دم سے جہان کی تمام باطل قوتوں پر اسلامی قوت کا خوف اور لرزہ طاری ہو:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ..

(الانفال 60)

اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں...

جہاں جیبیں خالی ہوں گی، کیونکہ ان کو بھرنا ہے ہی 'دنیاداری'...! جہاں علومِ دنیا حاصل نہ کیے جائیں گے، کیونکہ آخرت کے راہی کو ان سے کیا سروکار؟...، جہاں مادی ترقی کو شجرِ ممنوعہ قرار دے رکھا جائے گا (کم از کم یہ صالحین کے کرنے کا کام نہیں ہو گا!)...، جہاں کائنات کی چھپی قوتوں کو مسخر کرنے کا کام متروک ہو گا... وہاں وہ "قوت" کیونکر تیار کی جائے گی جو زمین میں خدا کی دشمن قوتوں کو لرزہ براندام کرے، اور جو کہ باقاعدہ خدائی حکم ہے؟

جہاں بیماری ہو گی اور دوا کا بندوبست ہونا 'دنیاداری' کا کام گنا جائے گا، اور طب کے اندر تحقیق اور ترقی کو 'دنیاداروں' کا مشغلہ جانا جائے گا، نیز دوا دارو کرنے کو 'ایمان کی کمزوری' اور 'تقدیر پہ عدم اعتماد' پر محمول کیا جائے گا... وہاں وہ قوی اجسام کیسے پائے جائیں گے جو دشمن کے مقابلے پر ہتھیار اٹھائیں اور زرہ بکتر پہن کر صف آرا ہوں؟

جی نہیں۔ دشمن کے مقابلے پر اترنے کے حوالے سے یہ ایک خدائی حکم ہی، خدا کے وہ بے شمار احکام اس پر مستزاد جو زمین میں طاقت اور اختیارات کے سوتوں کو اپنے ہاتھ میں

کرنے کی ہدایت کرتے ہیں، اس بات کا متقاضی ہے زندگی کے لیے یہاں بالکل ایک اور منہج سامنے لایا جائے نہ کہ یہ منہج جو دنیا کے ذرائع اور وسائل اور قوتوں اور اختیارات کو ہیچ اور ممنوعہ قرار دیتا ہے۔

اس منہج کا تقاضا ہوگا کہ مسلمان علمِ دنیوی حاصل کرنے میں بھی زور لگا دے اور اس باب میں وہ کافر کا دست نگر نہ رہے۔ بلکہ ممکنہ حد تک وہ اس میں کافر پر برتری پائے۔ مادی ترقی، جو خدائی نقشے پر ہو، میں بھی وہ اس حد تک شریک ہو کہ اس تمام عمل کی زمام اس کے ہاتھ میں آجائے اور کافر یہاں پر بے اثر کر دیا جائے۔ دولت اور تجارت کے روٹ مسلمانوں کے یہاں سے گزریں اور اموال اسلام کے نقشے پر تنظیم پائیں۔ نیز یہ اموال زمین میں مقاصدِ حق کو بروئے کار لانے کا ذریعہ بنیں، نہ کہ باطل کے مقاصد کو پورا کریں، اور زمین میں یہ حق کی نصرت اور غلبے کے کام آئیں۔ نیز مسلمان صارفین کا ایک غیر پیداآور مجموعہ نہ رہیں جن کا عالمی ساہوکار معاشی استحصال کرتا پھرے اور اس مسلم بے بسی سے طرح طرح سے فائدہ اٹھائے۔ کیوں مسلمانوں کی مصنوعات دنیا کے اندر بزنس نہ کریں؟

درست ہے کہ متاعِ دنیا کے معاملہ میں زہد اختیار کرنا ایمانی طرزِ عمل کا نقطۂ عروج ہے، اور یہ ایک مسلمان کے بلند سے بلند تر ہونے کا ایک نہایت وسیع میدان اور مقاماتِ حق میں سے ایک عظیم مقام ہے...

لیکن یہ کس نے کہہ دیا کہ اگر متاعِ دنیا کے معاملے میں زہد اختیار کرتے ہیں تو اس کا مطلب لازماً پیداوار کو معطل کرنا ہے؟

ایک سچا مومن اپنے عمل کے میدان میں بڑھ چڑھ کر پیداوار دیتا ہے۔ وہ کام سے جی نہیں چراتا۔ کوالٹی میں طعنہ سننے کا روادار نہیں ہوتا۔ مگر جہاں ''صَرف'' کی نوبت آتی ہے وہاں وہ ''زہد'' سے کام لیتے ہوئے کم سے کم پر قناعت کرتا ہے۔ دنیا کی آسائشوں کے معاملہ میں کم سے کم پر گزارہ کرتا ہے اور ''باقی'' خدا کے راستے میں دے ڈالتا ہے۔ ایسے 'کمانے والوں اور خدا کے راستے میں لٹانے والوں' کے دم سے مسلم معاشرہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوتا ہے اور اس

کے اندر باہمی تکافل اور ربط پروان چڑھتا ہے، جہاں قدرت رکھنے والے معاشرے کے عاجز، بیمار اور غیر پیداآور طبقوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور جہاں دولت اپنی سطح ہموار کرتی ہے؛ نہ امیر غیر معمولی امیر اور نہ غریب غیر معمولی غریب رہتا ہے، لوگوں میں محبت اور مودت کے رشتے بڑھتے ہیں۔ نیز اسلامی امارت یہاں "لوگوں کی ضرورت سے زائد" مال پاتی ہے، جس سے وہ بے شمار مقاصدِ حق وابستہ ہیں جو دولتِ اسلامی ہی کے انجام دینے کے ہیں۔ دولتِ اسلامی جب تک دنیا کی عظیم ترین طاقت نہ ہوگی، اور اقوامِ عالم اس کی ہیبت اور سطوت سے دبتی نہ ہوں گی، تب تک زمین میں وہ کردار ادا نہ کر پائے گی جو ایک محکم و متوازن جہانِ انسانی کے حق میں ناگزیر ہے۔

"دنیا" و "آخرت" کے مابین بُعد... چند دیگر عوامل

یہ بہرحال زیادتی ہوگی کہ یہ تمام تر ملبہ ہم صوفیہ پر ڈال دیں۔ ہمارا یہ ضعف اور پسماندگی جس کے باعث دشمن کو ہم پر چڑھ دوڑنے کی رغبت پیدا ہوئی اور وہ ہر طرف سے ہم پر پل پڑے، یہاں تک کہ ہمیں عین وہ صورتحال نظر آئی جس کی حدیث میں پیشگوئی ہوئی تھی: "قریب ہے کہ قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں جس طرح کھانے والے تھال پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کی، کیا اس لیے کہ تب ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "تم اُس روز بہت زیادہ ہوگے، لیکن تم سیلاب کے دوش پر اٹھے ہوئے خس وخاشاک جیسے خس و خاشاک ہوگے"۔ یہ بہرحال درست نہیں اِس "خس و خاشاک" والی صورتحال کی تمام تر ذمہ داری صوفیہ کو اٹھوا دی جائے۔

صوفیہ کے ساتھ ساتھ... یہاں اِرجائی فکر تھا۔ سیاسی استبداد تھا۔ ادائے فرض سے فرار کی ذہنیت تھی۔ بدعات، بداعمالی، طرح طرح کے انحرافات۔ اِن سب اشیاء نے ہمیں اس حال تک پہنچانے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ صوفیہ میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہوئے جس نے دعوتِ اسلام کو پھیلانے کے لیے جہاد بالسیف کیا۔ ایسے بھی ہوئے جنہوں نے دشمن کے خلاف اسلام

کے لشکروں کی کمانڈ کی۔ ایسے بھی ہوئے جو جابر سلطان کے آگے کلمۂ حق کہنے کے لیے آگے بڑھے... گویہ حقیقت کے اعتبار سے زُہاد تھے اگرچہ وہ صوفیہ کے ساتھ ملحق کیے گئے...

پھر صوفیہ کی بہت سی شخصیات اور بہت سی جماعتیں ایسی رہیں جن کے دم سے عوام الناس دین اسلام سے وابستہ رہے۔ جب علماء نایاب ہونے لگے[11]، تو بدعات اور انحرافات کے علی الرغم، صوفیہ ہی بہت سے خطوں کے اندر وہ طبقہ رہ گئے تھے جو عامۃ الناس کا واحد دینی سہارا تھا، اور ان کی بدولت ان خطوں کے اندر اسلام باقی رہا۔

نیز جب سیاست اور خانہ جنگی نے امت کے وجود کو تتر بتر کیا اور بہت سے مسلم خطے اقتدار کی رسہ کشی میں چیر پھاڑ کی نذر کر دیے گئے... تو ایسے بہت سے ادوار میں صوفیہ کے شیوخ اور جماعتوں نے ہی امت کے کٹے پھٹے حصوں کو جوڑر کھنے کا کام دیا۔

یہ تمام خدمات بے حد لائقِ ستائش ہیں، پھر بھی منہج کی ایک غلطی اپنی جگہ ہے۔ منہج کی ایک غلطی جس نے کچھ بنیادی مفاہیم کو بگاڑ کر رکھ دیا:

- دنیا آخرت سے جدا کر ڈالی گئی۔ بلکہ دنیا اور آخرت کے مابین ایک تضاد اور مخالفت کا رشتہ فرض کر لیا گیا۔ یعنی آپ ان میں سے ایک کو پانا چاہتے تو دوسری کو لازماً کھونا ہو گا!
- "عبادت" کا مفہوم "مراسمِ عبادت" کے اندر محصور کر دیا گیا۔ اور پھر اسی پر پورا زور دے دیا گیا۔ جبکہ عبادت کا وسیع تر مفہوم جو انسان کی ہر ہر سر گرمی کو محیط ہے، طاقِ نسیاں میں دھر دیا گیا۔

حالانکہ... نہ پہلی بات کا اسلام سے کوئی تعلق اور نہ دوسری بات کا!

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لاتے ہیں تو مسجد تعمیر کرواتے ہیں... اور پھر صحابہ کو "مارکیٹ" کا رخ کرواتے ہیں... اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں جب "مارکیٹ" پر یہودی

[11] گو یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ صوفیہ اور علماء کے پائے جانے میں ایک معکوس تعلق ہے۔ الا ماشاء اللہ، جب اور جہاں علماء کی بہتات ہوئی وہاں صوفیہ کم ہوئے۔ جب اور جہاں علماء نایاب ہوئے وہاں صوفیہ کی بہتات ہوئی۔

چھائے ہوئے ہیں، یہودیوں نے مدینہ کی معیشت اپنی مٹھی میں کرر کھی ہے اور وہاں سود اور حرام خوری کا بازار گرم کرر کھا ہے۔ تو کیا ایسی مارکیٹ کی بابت جہاں سود خور مہاجنوں کی اجارہ داری ہے زاہدِ اعظم ﷺ نے اپنے زاہد صحابہؓ کو یہ ہدایت کی کہ ایک ایسی حرام خوروں کی دنیا میں جاتے ہوئے وہ "زہد" سے کام لیں؟ جبکہ بعد والوں کے نزدیک معیشت کے سب کے سب امور ہی "دنیاداری" میں آتے ہیں۔ کیا صحابہؓ کو وہاں یہ ہدایت ہوئی کہ وہ یہود کو مارکیٹوں پر چھائے رہنے دیں اور اس سے حاصل ہونے والے پیسے سے وہ جس طرح فساد مچاتے ہیں مچاتے رہنے دیں؟! کہیں پر کہا گیا ہو 'یہ دنیاداروں کا کام دنیاداروں پر چھوڑ دیں'؟!

رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت صحابہؓ کا مارکیٹوں پر چھا جانا اور تھوڑے عرصے میں یہود کو مدینہ کی تجارت میں مات دے دینا... ہمارے لیے باقاعدہ ایک معنیٰ اور دلالت رکھتا ہے...

مسجد جسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آتے ساتھ تعمیر کروایا اور جس میں لوگ خالق کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں، لا الٰہ الا اللہ کا علم اٹھانے والی اِس امت کی تربیت اور تیاری کا اصل مرکز ہے، جہاں سے تشکیل ہو کر یہ امت زمین میں تمکین پانے کے لیے نکلتی ہے۔ یہیں پر مسلمانوں کے فیصلے ہوتے ہیں، یہیں پر کچہری لگتی ہے۔ یہیں پر ان کی سیاست ہوتی ہے۔ یہیں پر ان کے جنگ و امن کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جبکہ بازار میں ان کی معاشی زندگی پنپتی ہے، اور یقیناً اس پر بھی اِس امتِ تمکین کی زندگی کا اچھا خاصا انحصار ہے، چنانچہ مال کی بابت فرمایا:

أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَاماً (النساء5)

اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے **قیام زندگی کا ذریعہ** بنایا ہے

یہاں مسجد بھی چاہئے اور بازار بھی۔ تا کہ امت کا وہ بھاری بھر کم وجود اپنی پوری وسعت اور توازن کے ساتھ تشکیل پائے جو اس کو زمین کا ایک مرکزی واقعہ بناتا ہے۔ یہاں درحقیقت وہ امت پنپے جو خیر کی طرف بلانے والی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والی اور اِس آسمانی مشن کے نتیجے میں فلاح پانے والی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران104)

اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

البتہ یہ کہ خدا کی عائد کردہ ''عبادت'' کا ایک حصہ تو لے لیا جائے، اور جو کہ ''شعائرِ عبادت'' والا حصہ ہے، اور یہ خیال کیا جائے کہ بس اسی سے آخرت کی کامیابی مل جانے والی ہے، جبکہ ''عبادت'' کا ایک دوسرا حصہ نظر انداز کر دیا جائے اور یہ باور کیا جائے کہ یہ تو 'دنیوی کام' ہے جس کو نظر انداز کرنا تقربِ خداوندی کا ذریعہ ہے... تو یہ وہ چیز ہے جو ایک نہایت عظیم چیز کو ہمارے ہاتھ سے چھڑوا دینے کا موجب بنی ہے اور جس نے امت کی تاریخ پر بدترین اثرات چھوڑے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو چیز مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی وہ ہے لا الٰہ الا اللہ کے معاشرتی تقاضے، یا یوں کہئے: لا الٰہ الا اللہ کے سیاسی، معاشی اور سماجی تقاضے۔

*****

جوابات تلاش کیجئے
برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

"دنیا" و "آخرت"... کیا دو متصادم خط ہیں؟

103. ''عبادت'' ہی کا تصور درست نہ ہونا ''اعمالِ دنیا'' اور ''اعمالِ آخرت'' کے مابین وہ دوئی پیدا کراتا ہے جو آج کے مسلم تصور کے اندر بول رہی ہے۔ وضاحت کیجئے۔

104. خدا کی وحدانیت پر اعتقاد پوری زندگی کو ایک ہی وحدت بناتا ہے اور اس کے آلہہ کے مابین بٹنے نہیں دیتا۔ یہاں سے ''دنیا'' اور ''آخرت'' کے رستے بھی یکجا ہو جاتے ہیں۔ اسلام جس خاص انداز سے نفس کے شیرازہ کو مجتمع کرتا ہے اس سے ''دنیا'' و ''آخرت'' کی دوئی ختم ہو جاتی ہے۔ ''توحید'' کی یہ واقعاتی جہت واضح کیجئے۔

105. دورِ اول کا مسلمان ''دنیا'' کے ہنگاموں میں شریک رہتے ہوئے ہی ''آخرت'' بنا رہا ہوتا تھا۔ ''دنیا'' و ''آخرت'' اُس کے نزدیک ایک ہی شاہراہ تھی۔ دورِ حاضر کے مسلمان کے ہاں پائے جانے والے ''تصورِ آخرت'' اور ''اعمالِ آخرت'' کے ساتھ اس کا موازنہ کیجئے۔

106. قرآن نے عقیدۂ آخرت کو نفوس کے اندر کس طرح سمویا؟ اس سے احتسابِ نفس اور دلوں میں خدا کی جانب ہر دم پلٹ آنے کا احساس کیونکر جاگنے لگا؟

"دنیا کی مذمت"... کس معنیٰ میں؟

107. قرآن اور حدیث میں ''دنیا" کی مذمت کس معنیٰ میں ہوئی؟

108. دنیا کو ہاتھ میں کرنا، مال حاصل کرنا، اقتدار اور اختیارات کا مالک ہونا کیا شریعت کے اندر مذموم ہے؟ نصوصِ کتاب وسنت اور دستورِ سلف سے اس کی وضاحت کریں۔

109. ''دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں" کو عذاب کی وعیدیں قرآن میں کفار ومنافقین کے لیے آئی ہیں یا اہل ایمان کو کافرانہ ومنافقانہ رویوں سے خبردار کرنے کے باب میں۔ البتہ ''دنیا کے مقابلے پر آخرت کو اختیار کرنے" کے حوالے سے دورِ آخر کے مسلمان کے ہاں ایک اور قسم کا تصور پرورش پا گیا ہے جو اسے کارزارِ حیات سے روپوش کرا دیتا ہے۔ دونوں تصورات کا فرق واضح کیجئے۔

110. آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ہی دراصل آخرت پر یقین رکھنا ہے۔ آخرت پر ایک واجبی اور سرسری ایمان جو دورِ آخر کے مسلمان کے ہاں پایا گیا اور جو کہ آدمی کی ترجیحات کے اندر نہیں بول پاتا در حقیقت ''ایمان" کہلانے کے لائق نہیں۔ اس خانہ پری نے مسلم معاشروں کو کیونکر متاثر کیا؟

111. آخرت پر 'سرسری ایمان' رکھنے والے معاشرے پر مادیت کے حملے نے کیا اندوہناک نتائج مرتب کیے؟ ''حواسِ خمسہ" کے اسیر معاشروں کو ''ایمان" کے معانی سے بہرہ مند کرنا کیونکر ممکن ہے؟

112. خدا نے انسان میں ''غیب" اور ''شہادت" دونوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے۔ اس حوالہ سے عدم توازن abnormality کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں جو صرف اسلام پر آنے سے ختم ہوتی ہیں۔ ان دونوں صورتوں نیز اسلام کی دیے ہوئے ''متوازن انسان" کی نشاندہی کیجئے۔

113. آدم اور حواء کو زمین پر اتارتے وقت جس ''متاع" کا ذکر ہوا، اور جو کہ زمین کی جانشینی (خلافتِ ارضی) کا اصل میدان ہے؛ اسی سے ''دنیا" مومن کے لیے میدانِ عمل ٹھہرتا ہے اور یہیں سے ''زمین کا کنٹرول" اہل حق واہل باطل کے مابین باعثِ نزاع بنتا ہے، اور یہیں سے ''مباحات" کا ایک وسیع دائرہ تشکیل پاتا ہے جس کو مجموعی طور پر ''اخروی مقاصد" کے تابع کرایا جاتا ہے۔ اور یہیں سے ''آزمائش" کا وہ تصور سامنے آتا ہے جو قرآن میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔ ان چاروں جڑے ہوئے مباحث کو ایک ایک کرکے واضح کریں۔

114. ''خواہشات" اور ''حدود اللہ" مل کر زمین پر انسانی کردار کی تشکیل کرتی ہیں۔ ''تعبد" خود اس انسان کی تشکیل کرتا ہے جس کے ساتھ یہ کردار وابستہ ہے۔ ''قلب و شعور" وہ اصل آلہ ہے جو اس عمل کا

ادراک اور امکان کروائے اور ان دونوں کے مابین توازن کو وجود دے۔ محمد قطب کا بیان کردہ یہ پورا مبحث واضح کریں۔

115. قرآنی اصطلاح میں "قلب" کے عمل کو ہی "عقل" کہا جاتا ہے۔ جس کی بنا پر "قلب" اور "عقل" کا وہ پورا ڈائلیکٹ باطل ٹھہرتا ہے جو صوفیہ اور فلاسفہ کے مابین میدانِ جنگ رہا ہے، وضاحت کیجئے۔

116. "قلب" ایسے عظیم آلے کو معطل کرڈالنا جس کے نتیجے میں آدمی زمین پر اپنی غایت اور اپنا کردار کھو بیٹھتا ہے، اس کا نتیجہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھہرایا گیا ہے، نصوصِ وحی سے اس کے شواہد پیش کیجئے۔

ترکِ دنیا... اور 'صوفی' رجحانات

117. "دنیا اور آخرت کو دو الگ الگ راستے ٹھہرانا"، اس غلط مقدمہ میں تو انحراف کا شکار ہونے والے 'اہل مادیت' اور 'اہل روحانیت' دونوں مشترک ہیں۔ آگے ایک نے "دنیا" کا راستہ لیا دوسرے نے "آخرت" کا۔ اصل راستہ دونوں سے چھوٹ گیا۔ انحراف کی ان دونوں صورتوں کی نشاندہی کیجئے۔

118. صوفیہ کا دیا ہوا "دنیا سے منہ موڑ رکھنے" کا تصور بظاہر نہایت خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس میں آیات اور معمولاتِ صحابہ سے استشہادات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے اصل مضمرات کیا ہیں؟ دنیا اور آخرت جو الگ الگ خانوں میں بٹ جانے کی صورت اس میں کیونکر پیش آتی ہے۔

119. قرآن میں مباحات کو "خدا کی پیدا کردہ زینت" کہا گیا ہے۔ سامانِ زیست کو متعدد انداز میں سراہا گیا اور "خدا کا فضل" قرار دیا گیا جو کہ بہ یک وقت آخرت کا توشہ بھی ہے۔ ان قرآنی و نبوی مقامات کے چند شواہد ذکر کریں۔ نیز "دنیا" کی بابت نظر درست کرنے کے حوالے سے اِن آسمانی تعلیمات کی دلالت واضح کریں۔

120. صوفی اور زاہد کے مابین پایا جانے والے ایک وقتی و ظاہری اشتراک کے پیچھے درحقیقت ایک بعد المشرقین ہے۔ **یہ فرق جہاں سے پھوٹتا ہے وہ دونوں کے نزدیک "عبادت" ہی کا الگ الگ تصور ہے۔** محمد قطب کے بیان کردہ اس مقدمہ کی وضاحت کیجئے۔

121. زاہد کے ہاں مباحات کو کم سے کم کرنا "ضبطِ نفس" کا ملکہ پیدا کرانے کے لیے ہوتا ہے جو کہ "کارِ امامت" اور "زمین کی جانشینی" کیلئے ایک بنیادی استعداد کا درجہ رکھتا ہے اور اسی بقدر یہ چیز آخرت میں اس کے درجات بلند کرتی ہے۔ جبکہ صوفی کے ہاں مباحات سے دل اچاٹ کرنا ایسی کسی غایت کے ساتھ نہیں جڑتا بلکہ بجائے مقصود رہتا ہے۔ دونوں کی اپروچ کا یہ فرق واضح کریں۔

122. صوفی اور زاہد کے آفاق الگ الگ ہیں، وضاحت کیجئے۔

123. صوفی نفس کو "مارتا" جبکہ زاہد نفس کی "تہذیب" اور "قلعہ بندی" کرتا ہے، "تخفیفِ مباحات" کے حوالے سے دونوں اپروچوں کا فرق واضح کریں۔

124. وہ چار عوامل جو صوفی کو زمینی عمل کے منجدھار میں اترنے سے مانع رہتے ہیں: ''زندگی" کی بابت اس کا زاویۂ نظر، محرکاتِ عمل کا قلع قمع، 'فنا' کی لذت... اور 'قضاء وقدر' کا سلبی مفہوم جو کہ قریب قریب عقیدۂ جبر ہے۔ ان چاروں موثرات کے مضمرات بیان کریں۔

125. 'دنیا بیزاری' اور ''ترجیحِ آخرت" دو الگ الگ اپروچ ہیں گو بظاہر ان میں کہیں کہیں اشتراک بھی پایا جائے۔ تصورِ اسلامی کی یہ جہت کس طرح واضح ہوتی ہے؟

126. اصل چیلنج دنیا سے ''منہ موڑنا" نہیں بلکہ اس دشت سے ''گزر کر دکھانا" ہے۔ ''دنیا" سے متعلق قرآنی و نبوی تنبیہات کے حوالہ سے محمد قطب ایک نہایت خوبصورت تمثیل پیش کرتے ہیں، اس کا ذکر کیجئے۔ اس مقام پر وہ حدیث نبوی (کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا) کی ایک نہایت خوبصورت جہت بیان کرتے ہیں اور ''استغفار" کی اصل معنویت سامنے لے کر آتے ہیں، حدیث میں مذکورہ حقیقت کا اس موضوع کے ساتھ ربط واضح کریں۔

127. زمین میں مسلم نشاط و سرگرمی کے چند بڑے بڑے میدان جو صوفی رجحانات کے عام ہونے کے ساتھ چھوٹتے چلے گئے کیا ہیں، جن کے باعث مسلم انحطاط تیز سے تیز تر ہونے لگا؟

128. زہد ''کمائی" اور ''پیداوار" میں کمی لانا نہیں بلکہ ''صَرف" میں قناعت کرنے اور ''ضروریات" میں کمی لانے اور ''زائد از ضرورت مال مقاصدِ حق پر لٹانے" سے عبارت ہے۔ مسلم معاشرے میں ''زہد" کے ادارہ کو فروغ دینے کے حوالے سے صائب نظر کیا ہے اور اس بابت یہاں رواج پا چکے سلبی تصورات کیا ہیں؟

"دنیا" و "آخرت" کے مابین بُعد... چند دیگر عوامل

129. صوفیہ کے صالح طبقوں نے تاریخ اسلامی میں نہایت اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں، مصنف نے اِس حوالے سے کن اہم اشیاء کا ذکر کیا ہے؟

130. سورۂ نساء میں ''مال" کو مسلمانوں کے حق میں ''قیام" کہا گیا ہے، اس لفظ کی دلالت کیا ہے؟

131. صحابہ کا مدینہ آمد کے بعد ''مسجد" کی تعمیر کے ساتھ ہی مدینہ کے ''بازار" کا رخ کرنا، اور چند سالوں میں معیشت پر چھا جانا ''دنیا" کی بابت نظر درست کرنے کے حوالے سے آپ کے نزدیک کیا دلالت رکھتا ہے۔ ''مسجد" کی مرکزیت پر قائم '' کارِجہان" کا کیا نقشہ اس سے سامنے آتا ہے؟

"تہذیب وتعمیرِ ارض"

"هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا"[1]

تمدن...: "ہدایت یافتہ انسان" کی اجتماعی سرگرمی

جس وقت امت میں یہ انحرافات اکٹھے ہوئے:

1. لا الٰہ الا اللہ سے اس کے حقیقی تقاضے الگ کر دیے گئے اور اس کو ایک خالی خولی 'کلمہ' بنا دیا گیا جس کو زبان سے ادا کر دینا ہی کفایت کر جائے؛ نہ حقیقت میں اس کی کوئی دلالت اور نہ واقع میں اس کی کوئی شہادت۔
2. "عبادت" چند شعائرِ عبادت کے اندر محصور کر دی گئی۔
3. "قضاء وقدر" ایک نری سلبیت، کاہلی اور اسباب اختیار کرنے سے گریز کا دوسرا نام ہو کر رہ گیا۔ اِس عنوان کے تحت زمین میں انسانی فاعلیت اور انسان کے ایجابی کردار کو اسلامی تصور سے منہا کر ڈالا گیا۔
4. "دنیا" اور "آخرت" ایک دوسرے کی ضد ٹھہرا دی گئیں، اور پھر دیندار ہونے کے لیے "دنیا" کے ترک کی قیمت پر "آخرت" کو اپنانا ٹھہرا۔

یہ سب انحرافات جب امت کی زندگی میں مجتمع ہوئے، تو پھر کیا عجب... عمرانی عمل کی بابت بھی امت کے تصورات کچھ سے کچھ ہو جائیں اور "زمین کی آبادکاری" نظر انداز کر دی جائے!

"عمرانِ ارضی" سے متعلق اسلام کی پہلی نسلوں کے تصورات دراصل اسلامی مشن کی روح لیے ہوئے تھے۔ دینِ اسلام کی ہر بات کی طرح... ہمارا یہ تصورِ عمران بھی ایک منفرد ترین تصور تھا۔

---

[1] [ھود 61] 'وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا... اُسی نے اس زمین میں تم کو آباد کیا"۔

اسلام نے جس وقت دنیا میں ظہور کیا... تب یہ حال تھا کہ:

1. کئی ایک جاہلیتوں نے تمدن کے "روحانی" پہلوؤں پر ہی کل زور دے رکھا تھا۔ تمدن کے 'دنیوی' پہلو ان کی نگاہ سے روپوش؛ زمین کی مادی ترقی و آبادکاری ان کی توجہ سے یکسر محروم، کیونکہ ان اشیاء کا تعلق ان کے خیال میں "حِسیات" اور "جسد کی ضرورتوں" سے تھا جبکہ "جسد" ان کی نگاہ میں ملعون، حقیر اور غلاظت کا منبع تھا...

2. دوسری جانب کچھ جاہلیتیں ایسی تھیں جن کا کل زور تمدن کے مادی پہلوؤں پر تھا، "روح" ان کی توجہ سے محروم تھی۔ "آخرت" کا تصور ان کے لیے شدید اجنبی تھا۔ اِن اشیاء کا تعلق اُن کی نظر میں آدمی کی 'ذاتی زندگی' سے تو ہو سکتا تھا 'واقعاتی ومعاشرتی عمل' سے البتہ ان کو کیا علاقہ!؟ اکثر لوگوں کے ہاں تو روحانیات اور اخلاقیات "تمدن" کے راستے کی رکاوٹیں باور ہوتی تھیں! یہاں کل محنت "حسیات" اور "مادیات" پر تھی۔ سب تخلیقی قوتیں، سب پیداواری توانائیاں اسی مادی ترقی کی نذر تھیں۔ "قدریں"، "معیارات"، "اصول" ایسی کسی بات سے ان کو سروکار نہ تھا۔

اسلام جو کہ خداوندِ لطیف و خبیر کی وحی ہے، وہ ہستی جو انسان کی خالق ہے اور اس کے احوال واحتیاجات سے آگاہ، جو یہ جانتی ہے کہ اس انسان کے لیے کیا نفع مند ہے اور کیا نقصان دہ، کونسی چیز اس کو درست رکھتی ہے اور کونسی چیز اس کی فلاح کا موجب... اسلام جو کہ حیاتِ انسانی کے لیے ایک دقیق وکامل منہج ہے اور جس میں "انسان" کا کوئی ایک بھی پہلو نظر انداز نہیں ہوا ہے؛ جس میں "انسان" کے کسی ایک گوشے نے دوسرے کے قربان ہو جانے کی قیمت پر توجہ نہیں پائی، اور جو کہ عین اُس فطرت کو آسودہ کرتا ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا فرمایا ہے:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَراً مِنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (ص 71-72)

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا۔

جہاں یہ "انسان" ایک مربوط اکائی ہے؛ اس کے اندر "نفخۂ روح" اور "مشتِ خاک" آپس میں یوں گُندھ چکے کہ نہ روح کو مٹی سے الگ کیا جاسکتا ہے اور نہ مٹی کو روح سے۔ اِس کو "زندہ" دیکھنے کا مطلب ہے کہ اس کے اِن دو عناصر کو آپ الگ الگ دیکھنے کی کوشش نہ کریں؛ "انسان" کو جب بھی لیں ان دو اجزاء کے "معجون" کے طور پر لیں...

جہاں "انسان" ایک باہم مربوط و ہم آہنگ اکائی ہے... وہاں خدا کا نازل کردہ منہج وہ مربوط و ہم آہنگ اکائی ہے جو اِس "پورے انسان" کو سامنے رکھ کر اِس کے لیے لائحۂ عمل تشکیل کرتی ہے۔

اسلامی منہجِ حیات کا کمال نہ صرف یہ ہے کہ یہاں ایک چیز کو نہایت دِقت اور باریکی کے ساتھ لیا جاتا ہے... بلکہ یہ بھی ہے کہ یہاں اشیاء کو پوری وسعت اور گیرائی کے ساتھ لیا جاتا ہے؛ انسانی وجود یا انسانی زندگی کا کوئی ایک بھی گوشہ اس میں نظر انداز نہیں ہوا ہوتا۔ مختصراً:

1. "انسانی وجود" یا "انسانی زندگی" کے سب جوانب کو سامنے رکھا گیا ہوتا ہے۔
2. ان سب کو علیحدہ علیحدہ نہیں، بلکہ یکجا دیکھا گیا ہوتا ہے، اور یہ ایک مربوط اکائی ہوتی ہے۔
3. پھر ان کو جوڑنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ان میں ایک کمال توازن رکھا گیا ہوتا ہے؛ یوں معاملہ کسی ایک جانب کو لڑھکنے نہیں دیا جاتا۔

یہ ہے اسلام کی عظمت۔ اور یہ ہے جاہلی مناہج کے مقابلے پر اسلام کا امتیاز۔ وہ مناہج کسی صحیح اعتقاد اور کسی خدائی ہدایت کے بغیر "انسان" کا مطالعہ کرتے اور اس کے لیے "راستہ" تجویز کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام وہ خدائی نور ہے جس سے نہ صرف "پورا انسان" دریافت ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے پورے زمینی سفر میں "ہدایت" سے فیضیاب رہتا ہے؛ جس کی بنیاد وہی "لا الٰہ الا اللہ" ہوتی ہے:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْماً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدۃ 50)

تو کیا یہ جاہلیت کا دستور چاہتے ہیں؟ یقین والوں کے لیے اللہ سے بہتر بھلا کون دستور دینے والا ہے؟

اب یہ "خدائی دستور" صرف چوری اور زنا وغیرہ ایسی حدود پر مشتمل نہیں۔ بعینہٖ جس طرح 'جاہلی دستور' اُن چند قوانین پر مشتمل نہیں جو عدالتوں میں رائج ہیں۔ "خدائی دستور" ایک وسیع چیز ہے جو انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے؛ اس میں وہ امور بھی آتے ہیں جن کا تعلق عدالتوں سے ہے اور وہ امور بھی جن کا تعلق عدالتوں سے نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ انسان کے ظاہری اعمال اور پوشیدہ نیتوں تک کو محیط ہے۔ اسی طرح 'جاہلی دستور' اُن چند قوانین میں محصور نہیں جو فوجداری یا دیوانی مقدموں سے متعلق ہوں یا جو ٹریڈ اور کامرس سے بحث کرتے ہوں، وغیرہ۔ یہ بھی زندگی کے مختلف معاملات کو نظم ونسق دینے، ادارے کھڑے کرنے، افکار اور تصورات دینے، حتیٰ کہ رویوں اور احساسات کو سمت دینے تک جاتا ہے؛ اور یہ سب کچھ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد سے بے نیاز اور خدائی منہج سے بیگانہ رہ کر ہوتا ہے۔

اِس بنا پر... زمین کا عمرانی عمل... یعنی تمدن اور زمین کی آبادکاری جو لا الٰہ الا اللہ سے براہِ راست جڑی ہو بلکہ لا الٰہ الا اللہ سے پھوٹتی ہو، اور اللہ کے نازل کردہ منہج کی صورت اپنا ظہور کرتی ہو اور روئے زمین پر انسان کی کامل سرگرمی کو وہ آسمانی جہت دیتی ہو جو خدا کو مطلوب ہے... ایک مسلمان کا بہت بڑا امتحان ہے۔ اس کا "تصورِ اسلام" اِس کسوٹی پر بھی یقیناً جانچا جائے گا۔

*****

"عمران" کا اسلامی تصور وہی ہے جو اسلام میں "عبادت" کا تصور ہے...

یہ اُسی غایت میں شامل ہے جو زمین میں انسانی وجود کے ساتھ وابستہ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات 56)

اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں

یعنی خود یہ "عبادت" ہی "عمران" کی غایت ہوئی... اور پھر یہ "عبادت" ہی "عمران" کی کسوٹی...

وجودِ انسانی کی غایت کو پورا کرانا، یعنی خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت... وہ چیز ہے جس کے پورا ہونے کی صورت میں خود بخود ایک صالح "عمران" اور "تمدن" وجود میں آتا ہے۔ پھر اِس "عمران" اور "تمدن" کو جانچنے کے لیے کسوٹی بھی یہی ہے کہ اِس میں خدائے لاشریک کی "عبادت" کہاں تک ہو رہی ہے۔ اِسی سے معلوم کیا جائے گا کہ "عمرانی عمل" کہیں پر اوپر جا رہا یا نیچے آ رہا ہے، درست راہ پر ہے یا ٹیڑھا ہو چکا ہے؟

دراصل "وجودِ انسانی کی غایت" کی بابت جیسے ہی آپ کا زاویۂ نگاہ بدلتا ہے ویسے ہی "تہذیب و عمران" کی بابت آپ کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے، اور ویسے ہی "تاریخ" کی بابت بھی آپ کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے۔

چنانچہ جس وقت "وجودِ انسانی کی غایت" یہ ہو کہ کسی مطلق وجود میں فنا ہونا ہے (ہندو "نروان" Nirvana کا تصور)، یعنی روح کی نجات جو ذات کی فنا سے حاصل ہوتی ہے اور مہا آتما کے ساتھ یکجا ہونے سے انجام پاتی ہے... اُس وقت "تہذیب" یہی ہو گی کہ "جسد" کو نظر انداز کرنے کی صورت میں "روح" کی تکمیل کی جائے اور زمین کی مادی آبادکاری کو ایک گھٹیا نظر سے دیکھا جائے۔

اور جس وقت "وجودِ انسانی کی غایت" 'بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' ہو، متاعِ ارضی سے زیادہ سے زیادہ لذت یاب ہونا ہو، بغیر اس کے کہ متاعِ ارضی سے یہ استفادہ کچھ اعلیٰ قدروں کا پابند کیا گیا ہو، اس کے ساتھ حلال و حرام کا کوئی برگزیدہ تصور ہو، خیر و شر، فضیلت اور رذیلت، پاکیزگی اور گھٹیاپن کا تعین کرنے سے متعلق کوئی اعلیٰ معیارات ہوں... جس وقت "وجودِ انسانی کی غایت" یہی حِسی آسودگی ہو، اُس وقت یہاں کی مادی تعمیر و ترقی ہی "تہذیب" ہو گی۔ اِسی حیاتِ فانی کو زیادہ سے زیادہ دلکش بنانا، یہاں آسائشوں کی بھرمار کرنا، یہاں کی لذتوں سے سیر ہونے کی ہزارہا صورتیں ہوں تو بھی جی نہ بھرنا اور 'ھل من مزید' کی ایک غیر اختتام پذیر خواہش پالنا... نیز 'دوسروں' کو اپنے دام میں لانے اور اپنے قابو میں رکھنے کے نئے نئے ہتھکنڈے ایجاد کرنا تاکہ زمین میں پائی جانے والی "متاع" کا زیادہ سے زیادہ حصہ

آپ ہی ہڑپ کریں اور 'دوسروں' کو اس کے پاس نہ آنے دیں، 'دوسروں' کو مغلوب اور مقہور کرنے کے لیے طرح طرح کے شکنجے ایجاد کرنا، خواہ وہ مادی قوت سے ہو، یا عسکری قوت سے، یا سیاسی قوت سے، یا اقتصادی قوت سے، یا سائنس اور ٹیکنالوجی کے زور پر، یا ان سب ذرائع کو اختیار کر کے... یہ عمل تہذیب و عمران کا مرکزی نقطہ بن جائے گا...

ہاں البتہ جس وقت "وجودِ انسانی کی غایت" اللہ لاشریک کی عبادت ہو، اور "عبادت" بھی اُس وسیع معنیٰ کے ساتھ جو پوری زندگی پر محیط ہو،[2]... اُس وقت "تہذیب و عمران" کا مفہوم نہ یہ رہے گا نہ وہ۔ اُس وقت "تاریخ" کو بھی آپ بالکل ایک اور نظر سے دیکھیں گے۔ کیونکہ جس بنیاد پر "انسان" کی زمینی سرگرمی جانچی جاتی اور اس کی روئیداد پڑھی جاتی ہے وہ اب بالکل کچھ اور ہو گئی ہے۔ اب بنیاد یہ ہو گئی ہے کہ انسان نے یہاں پر اپنے وجود کی غایت کو کس حد تک پورا کیا ہے؛ اپنے وجود کی "حقیقی غایت" پوری کرنے میں اُس نے کیا ترقی پائی اور کیا پسماندگی؟

مسلمان... "تہذیب" کا صورت گر

اِس سے پیشتر، "عبادت" کے مفہوم میں ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ خدائی رحمت کا اپنا یہ اقتضاء ٹھہرا کہ اُس نے انسان کی طبعی سرگرمی کے ہی جملہ میدانوں کو اُس "عبادت" میں سمو دیا جو روئے زمین پر انسان سے مطلوب ہے۔ اس میں انسان کا جسمانی نشاط بھی آتا ہے، عقلی بھی اور روحانی بھی۔ اِن سب میدانوں میں انسان اگر "خدا رُخ" ہے، اور ایک ایک بات میں ہدایت وہ خدا سے لیتا ہے، تو بلاشبہ وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔ روئے زمین پر انسان سے خدا کا کل مطالبہ یہی ہے؛ اور ایسا کر کے انسان یقیناً اپنے وجود کی غایت پوری کرنے لگتا ہے۔

---

[2] ملاحظہ فرمایئے اس کتاب کی فصل "عبادت کا مفہوم"۔

اب اِس ہدایت یافتہ انسان کی یہ "پوری زمینی سرگرمی" اُس صالح عمران کا نقشہ پیش کرتی ہے جو زمین میں بنی نوعِ انسان سے مطلوب ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے اندر سامنے آنے والی انسانی سرگرمی کو ہی دنیا "تہذیب" کے نام سے جانتی ہے۔ البتہ اصل سوال یہ ہے کہ یہ سرگرمی کس بنیاد سے پھوٹتی اور کس محور پر کھڑی ہوتی ہے۔

اب یہاں؛ انسانی جسد، یا انسانی عقل، یا انسانی روح کی ہر سرگرمی "تہذیب" کہلانے کے لائق نہیں رہتی، بلکہ "تہذیب" یہ تب بنتی ہے جب یہ ایک "بامقصد" اور ایک "ہدایت یافتہ" سرگرمی ہو... صرف اِسی صورت میں یہ انسانی وجود کی غایت کو پورا کرانے کا ذریعہ بنے گی۔

اب یہاں حقیقی تہذیب کا سوال کھڑا ہو جاتا ہے...

زمین میں چلنا پھرنا یا یہاں پر کھدائیاں کرتے پھرنا "تہذیب" کیونکر ہو گیا، جب تک کہ یہ 'چلنا پھرنا' یا زمین میں 'نقب زنی' کرنا کسی اعلیٰ مقصد سے نہ جڑا ہوا ہو؟ مثلاً آپ زمین میں انسانی منفعت کی اشیاء دریافت کرنا چاہتے ہیں، زمین میں پوشیدہ خزانے نکالنا یا ان سے مصنوعات حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ "انسانی منفعت" اور "زندگی کی غایت" ہی سے متعلق آپ کچھ برگزیدہ تصورات اور کچھ اعلیٰ تصورات رکھتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی عقلی وروحانی سرگرمی ہے۔ اس کو بھی ہم "تہذیب" تب کہیں گے جب یہ کسی اعلیٰ تصور اور کسی ہدایت یافتہ ہدف سے وابستہ ہو اور اس سے وجودِ انسانی کی غایت پوری ہوتی ہو۔ **نہ یہ کہ وجودِ انسانی کی غایت ہی "آپ کی" کسی عقلی وروحانی سرگرمی سے تجویز ہوتی ہو!**

اس لیے؛ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ جاہلیت نے یہ جو بڑے بڑے کارنامے زمین پر انجام دیے ہیں، خواہ یہ مادی جہان کے یادگاری نشانات ہوں، یا فکری جہان کے کارنامے، یا روحانی جہان کے کوئی حیرت انگیز ریکارڈ... یہ ہمارے لیے کسی حقیقی تہذیب کی تشکیل نہیں کرتے، اگرچہ ان پر ہونے والی محنت، مہارت اور عرق ریزی ہمیں دنگ کر کے کیوں نہ رکھ دے اور بادی النظر ہماری نگاہوں کو خیرہ کیوں نہ کر دے۔ اِس میں "تہذیب" کا

بنیادی عنصر ہی مفقود ہے، اور وہ یہ کہ ''انسان'' نامی مخلوق کی ہر سرگرمی اور ہر کارنامہ یہاں پر انسانی وجود کی غایت پوری کرانے کا ذریعہ ہو، **نہ یہ کہ انسانی وجود کی غایت ہی اس کی اِن سرگرمیوں سے متعین ہو۔**

انسانی وجود کے **روحانی جوانب پر ہی اکتفا کرنا**، اور اس کے حِسی ومادی جوانب کو نظر انداز کر دینا، نیز روحانی اعمال کو اس کی حِسی ومادی سرگرمی سے الگ تھلگ کر دینا وہ چیز نہیں جس سے انسانی وجود کی غایت کامل طور پر پوری ہو۔ نہ ہی **حِسی ومادی جوانب پر اکتفا کرنا** اور روحانی گوشوں کو نظر انداز کر دینا، نیز ان کو روحانی پہلوؤں سے الگ تھلگ کر دینا وہ چیز ہے جس سے انسانی وجود کی غایت پوری ہو۔ ہر دو کا نتیجہ ایک تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ بنابریں؛ یہ دونوں رویے کسی حقیقی تہذیب کا مفہوم ادا نہیں کرتے۔ اِس کے لیے مجازی طور اگر ہم ''تہذیب'' کا لفظ بولیں گے تو اِس کے لیے ہم ''جاہلی'' کا لاحقہ ضرور لگائیں گے۔

اِس چیز سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ آپ اِن دونوں گوشوں (روحانی ومادی) کا بہ یک وقت بندوبست کر لیں جبکہ روحانیت ومادیت کا یہ اجتماع کسی صحیح بنیاد پر نہ رکھا گیا ہو۔ بہت سی جاہلیتوں نے اِن ہر دو میدان میں پورا اترنے کی کوشش بھی کر دیکھی ہے۔ روحانیت اور مادیت کا اکٹھا ملغوبہ بھی آزمایا جاچکا ہے۔ مثلاً فراعنہ کی جاہلیت جس میں مادی جہان اس کے روحانی جہان سے جڑا ہوا تھا اور جس کی بنیاد فرعون کی الوہیت تھی (مختلف دیوتاؤں کے ساتھ اس کا نسب جوڑتے ہوئے)۔ یوں وہ مادی وروحانی ہر دو ''پرستش'' کا محل ٹھہرا دیا گیا تھا۔ لہٰذا **روحانیت اور مادیت کے کوئی ایسے جوڑ بھی یہاں ''حقیقی تہذیب'' پیش کرنے سے قاصر ہوں گے جس کی بنیاد خدائے لاشریک کی عبادت اور اس کی نازل کردہ ہدایت نہ ہو۔** مادیت اور روحانیت کو الگ الگ ہی نہیں؛ اِن ہر دو کا بہ یک وقت بندوبست کر لینے سے بھی ایک جاہلیت جاہلیت ہی رہے گی۔ اِس کو ہم مجازی طور پر ''تہذیب'' کہیں گے تو اس کے ساتھ ''جاہلی'' کا اضافہ ضرور کریں گے۔

حقیقی تہذیب یہ ہے کہ انسانی وجود کی غایت یہاں ایک نہایت درست بنیاد پر انجام پائے اور جو کہ خدا کے اپنے کلام میں بیان ہوئی ہے:(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ "اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں")، نیز (قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لا شَرِيكَ لَهُ .. "کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے")۔ اسلامی مفہوم کی رُو سے یہ انسان کی ہر بامقصد سرگرمی کو محیط ہے:

- اسلامی مفہوم میں "صلاۃ" اور "نُسُک" تہذیب کا بنیادی جزو ہے نہ کہ "تہذیب" سے خارج کوئی چیز۔ تاہم "صلاۃ" اور "نُسُک" اپنے حقیقی مفہوم اور حقیقی تقاضوں کے ساتھ۔

- شریعت کا قیام، عدالتوں اور محکموں کے اندر حکم بما انزل اللہ (خدائی دستور کا نفاذ)، جو کہ لا الٰہ الا اللہ کا براہِ راست تقاضا ہے "تہذیب" کا جزوِ اصیل ہے۔

- خدائی نقشے پر زمین میں عدل و انصاف کا قیام، جو کہ اِس امت کے برپا ہونے کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد ہے، اور جس کی امانت خدائی تنزیل نے اِس کو واشگاف الفاظ میں اٹھوا رکھی ہے: {(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقِيراً فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً (النساء135) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے ") نیز (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى (المائدۃ8) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم

رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ")} یہ خدائی نقشے پر زمین میں عدل و انصاف کا قیام "تہذیب" کا جزوِ لاینفک ہے۔

☜ پوری انسانی زندگی ہی کو ایک ایسے نقشے پر استوار کرنا، جس میں کوئی سر گرمی چھوٹی ہوئی نہ ہو... پوری انسانی زندگی کو ایک ایسی اخلاقی بنیاد پر قائم کرنا جس کا محور خدا کا تقویٰ اور خدا کی خشیت ہو... سیاست ہو تو وہ اخلاقی نظم پر قائم ہو اور جس میں راعی کا سیادت کرنا اور رعیت کا سمع وطاعت کرنا خدائی شریعت کا پابند ہو، اللہ اور رسول کے لیے نصیحت و خیر خواہی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ہر گز تعاون نہ کرنا، شوریٰ سے متعلق خدائی احکامات کی پابندی وغیرہ ایسے سیاستِ شرعیہ کے ابواب کا عملی عکاس ہو... معیشت ہو تو وہ کسی اخلاقی پائے پر کھڑی ہو، خدا کے حلال کردہ کی **پابند**، خدا کے حرام کردہ مانند سود، اجارہ داری، فریب کاری، چوری، غبن، نوسر بازی، لوٹ کھسوٹ، مزدور کا حق ہڑپ کر جانے، لوگوں کے حقوق ہضم کر جانے ایسے امور کو معاشرے سے **مٹانے والی**، نیز کو مال کو زکاۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی راہ سے پاک کرنے والی، اور مال کو عیاشی، اسراف، بدکاری اور فخر و تکبر ایسی راہوں میں خرچ کرنے کی **روادار نہ ہو**... سماجی رشتے ہوں تو وہ کسی اخلاقی بنیاد پر قائم ہوں، جہاں پورا معاشرہ باہمی محبت اور یگانگت کا نقشہ پیش کرتا ہو، ایک دوسرے کا دکھ سکھ بانٹتا اور باہمی کفالت کا اعلیٰ نقشہ پیش کرتا ہو، خیر اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر تعاون ہوتا ہو، ایک دوسرے کا مال، جان، آبرو حرام ٹھہرائی جاتی ہو، ایک دوسرے سے درگزر کی جاتی ہو، اور لوگ ایک دوسرے کے لیے اپنی راحت اور اپنے جذبات کی قربانی کرتے ہوں، جہاں ایک دوسرے کی تحقیر نہ کی جاتی ہو، پھبتیاں اور طعنے نہ چلتے ہوں، غیبت، نمیمت کا بازار گرم نہ ہو، ایک دوسرے کا ننگ اور عیب

ڈھونڈنے کی سرگرمیاں نہ ہوں... خاندان ہو تو وہ کسی اخلاقی بنیاد پر قائم ہو... مرد و زن کے تعلقات ہوں تو کسی اخلاقی بنیاد پر قائم ہوں... پوری انسانی زندگی کو ایسی اخلاقی بنیاد پر قائم کرنا اسلامی مفہوم کی رُو سے ''تہذیب'' کا جزوِ اصیل ہے۔

✧ معاہدوں پر پورا اترنا، خواہ وہ افراد کے معاہدے ہوں یا قوموں اور قبیلوں کے معاہدے... اسلامی مفہوم کی رُو سے ''تہذیب'' کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔

✧ علم کی جستجو کرنا... خواہ وہ خدا کے نازل کردہ دین اور اس کے احکام کو جاننے سے متعلق ہو، یا کائنات کے اندر کارفرما خدائی سنتوں اور مادہ کو ودیعت کیے گئے خواص کو جاننے سے متعلق ہو جو کہ انسان کے لیے آسمان اور زمین میں خدا کی مسخر کردہ قوتوں کو قابو میں لانے اور اس سے زمین کی صالح آبادکاری کرنے میں مدد ہوتا ہے، اور خواہ وہ انسانی زندگی میں کارفرما خدائی سنتوں کو جاننے سے متعلق ہو جو کہ زمین میں ایک صالح معاشرہ بسانے میں کارآمد ہے، اور خواہ وہ انسانی تاریخ کو جاننے سے متعلق ہو جس میں ہدایت اور ضلالت کے ادوار کو دیکھا جاتا اور پھر ان سے کچھ نہایت کارآمد اسباق کشید کیے جاتے ہیں اور جو کہ ہدایت یافتہ نظر پانے میں ایک بہت بڑا اثر رکھتے ہیں... علم کی یہ جستجو کرنا، کہ جس میں علم کے سب فروع آتے ہیں، اسلامی مفہوم کی رُو سے ''تہذیب'' کا ایک نہایت قابل ذکر حصہ ہے۔

✧ ادب اور فن کو کچھ صاف ستھری پاکیزہ بنیادوں پر کھڑا کرنا... کائنات اور انسان میں پنہاں جمال کو ایک تعبیر دینا اور پھر اس تعبیر میں جمال پیدا کرنا... ادب اور فن کو اس بات کا ذریعہ نہ بننے دینا کہ یہ بے حیائی کی تزئین کا کام دے جبکہ بے حیائی بجائے خود قبیح ہے نہ کہ زینت۔ انسان کا وہ لمحہ جب وہ کسی کمزوری یا گراوٹ کا شکار ہو، انسان کے اُس لمحے کو ہی لے اڑنا اور اسی کو انسان کے لیے مزین اور آراستہ کرنے کی کوشش کرنا بلکہ یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ ''انسان'' اصل میں یہ ہے، جو کہ جاہلی ادب اور جاہلی آرٹ کا ایک عظیم خاصہ ہے حالانکہ انسان کی کمزوری یا گراوٹ کا لمحہ ''نشر کرنے'' کا نہیں ہوتا اور نہ ہی مزین

وآراستہ کر کے دکھانے کا ہوتا ہے، بلکہ یہ غفلت کا لمحہ ہوتا ہے کہ اس لمحے انسان اپنے وجود کی غایت سے بیگانہ ہو گیا ہوتا ہے، یا کم از کم یہ کہ مقصدِ وجود کو پورا کرنے میں یہاں وہ تقصیر کر گیا ہوتا ہے... ادب اور فن کو ایسے ابنارمل رویوں سے پاک کرنا... انحراف اور بد فعلی کو مزین کر کے پیش نہ کرنا، کیونکہ یہ انسان کو "زینت" دینے والی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ وہ بد نمائی ہے جس سے جمال اِبا کرتا ہے، شیطان کی پرستش کو ایک سے بڑھ کر ایک رنگ میں پیش کرنے اور خواہشات کی عبادت کو زندگی کا اصل راز بنا کر پیش کرنے والے ادب کی جگہ ایسا ادب لانا جو اس چیز کی کراہت محسوس کروائے اور انسان کے مقام سے گری ہوئی چیز کے طور پر سامنے لائے... ادب اور فن کو ایسی اعلیٰ اخلاقی قدریں پہنانا اسلامی مفہوم کی رُو سے بلاشبہ "تہذیب" کا ایک بڑا مظہر ہے۔[3]

یہ اور اس طرح کے دیگر بہت سے امور... اسلامی مفہوم کی رُو سے "تہذیب" میں آتے ہیں۔

"تہذیب" کے مادی پہلو کو نظر انداز کرنا بھی ہمارے دین کا سبق نہیں۔

انسان اگر خدا کی عبادت کے لیے وجود میں لائی جانے والی مخلوق ہے، جبکہ اس کی عبادت فرشتوں والی عبادت بہر حال نہیں ہے... تو پھر زمین کی آبادکاری نہ صرف "عبادت" کے اُس وسیع مفہوم میں شامل ہے، بلکہ یہ "زمین کی جانشینی" (خلافت) کو روبہ عمل لانے کی بھی ایک صورت ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرۃ30)

پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"

هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (ھود61)

اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے اس زمین میں تمھیں آباد کیا۔

---

[3] اس موضوع پر دیکھیے ہماری تالیف: "منهج الفن الإسلامی"۔

اب اگر ایک جانب ہم زمین میں لا الٰہ الا اللہ کے قیام، شرک کی بیخ کنی، توحید کے غلبہ، خدائی عدل کے قیام، اور ایمانی اخلاق کی سربلندی کو "زمین کی آبادکاری" ہی کا حصہ مانتے ہیں؛ کیونکہ زمین کی آبادکاری ایمان کی ایسی ہی کسی چھتری کی ضرورتمند ہے جہاں اِسے انحراف، فساد اور شر سے مکمل تحفظ حاصل ہو... تو اِس "آبادکاری" کا دوسرا رخ یہ ہوگا کہ یہاں ایک صحتمند مادی سرگرمی انجام پائے، جس میں آپ کو یہ ضرورت بھی پیش آئے گی کہ آسمان اور زمین میں انسان کے لیے مسخر کردی جانے والی طاقتوں کو انسانی منفعت کے کام میں لایا جائے اور یہ کام اُس نقشے پر انجام دیا جائے جو زمین اور انسان کو پیدا کرنے والی ذات نے اپنی جناب سے پاس کرر کھاہے۔

"تعمیرِ ارض" کے اِس حصے کے لیے بھی کچھ نہ کچھ ذہنی و جسمانی جہد درکار ہوگی۔ اِس کے لیے؛ مادہ کے خواص دریافت کرنے کی احتیاج آپ کو بھی ہو سکتی ہے۔ کائنات کے اندر کارفرما خدائی سنتوں (جن کو معاصر جاہلیت 'قوانینِ طبیعت' 'laws of the nature' کا نام دیتی ہے)[4] کا اکتشاف آپ کو بھی درکار ہو سکتا ہے۔ پھر ان حاصل شدہ معلومات کو فزکس، کیمیا، طب، انجینئرنگ اور دیگر معارف کے اندر عملی استعمال کی شکل دینا بھی اِس مہم کو انجام دینے کے لیے ضروری ہو سکتا ہے۔

معاصر جاہلیت جہاں تعمیرِ ارض کے اِن جوانب کو ہی "تہذیب" یا "تہذیب کا اہم ترین حصہ" باور کرتی ہے، اور اِسی کو انسانی تخلیق و کمال کا اہم ترین میدان مانتی ہے... وہاں مطالعہ و تسخیرِ کائنات کے اِس عمل کو "تہذیب" میں جگہ دینے کے لیے اسلام ایک ہی بنیادی شرط عائد کرے گا اور وہ یہ کہ یہ ساری سرگرمی خدا کی عبادت پر قائم اور خدا کے منہج کی پابند ہو، اور خدائی تقاضوں کو کسی ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہ کرتی ہو۔

کائنات کی پوشیدہ قوتوں اور توانائیوں کو انسانی منفعت کے عمل میں جوتنا اور اس کے لیے تحقیق و جستجو، اپنی تمام تر اہمیت و ضرورت کے باوجود، یہاں مطلوب انسانی سرگرمی کا اہم

---

[4] جس کی وجہ اس کا خدا کے ساتھ کفر کرنا اور "نیچر" کی خدائی ماننا اور "طبیعت" کا پرستار بننا ہے۔

ترین حصہ بہر حال نہیں۔ انسان چاند پر پہنچ جائے یا مریخ کو ہاتھ لگا آئے، "عمرانی" عمل میں یہ اہم نہیں۔ اہم تر بات یہ ہے کہ ایسے عمل کے پیچھے کونسی غایت اور کونسی قدر کارفرما ہے، یہ کس اسلوب سے انجام پا رہا ہے، اور یہ کس منہج اور کس شریعت اور کن ترجیحات کا پابند رکھا گیا ہے۔

البتہ جس وقت ہم "اہم تر" کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے کچھ اذہان 'متبادل' سمجھ بیٹھتے ہیں! یعنی ان کا خیال ہے کہ اِن "قدروں" (جنہیں ہم "اہم تر" یا "بنیادی تر" کہہ رہے ہیں) کو ہم اِس مادی ترقی و پیش قدمی کے متبادل کے طور پر پیش کر رہے ہیں! حالانکہ کوئی عقلمند کبھی بھی "اخلاقیات" کو "مادیات" کا متبادل نہیں کہے گا۔ ہم "اخلاقیات" کو "مادیات" کی بنیاد کہتے ہیں جو کہ اپنی حیثیت و اولویت میں اہم تر ہیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ معدوں میں روٹی ہی پڑے تو ان کی بھوک مٹے گی؛ "اخلاق" کو ہم روٹی کے متبادل کے طور پر پیش نہیں کرتے! کاروں، طیاروں اور ٹرینوں میں تیل ہی پڑے تو وہ چلیں گی، اخلاق اور قدروں سے ہم یہ کام لینے کی بات نہیں کر رہے! توپیں، ٹینک، اور میزائل آلات اور فیکٹریوں کے بغیر تیار نہیں ہو پائیں گے؛ "اخلاق" سے ہم ان کے متبادل کا کام لینے کی تجویز نہیں دے رہے!

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کا بیان میں آنا ضروری نہیں۔ لیکن اسی کے مقابلے کی ایک بدیہی حقیقت اور بھی ہے اور وہ بھی اتنی ہی اہم ہے اگرچہ جاہلیتیں اس میں ہمارے ساتھ کتنی ہی بحث کریں، خصوصاً معاصر جاہلیت۔ یہ بدیہی حقیقت یہ ہے کہ روٹی، ایندھن، کارخانے، آلات، مشینیں، کاریں، ریل گاڑیاں، میزائل، ٹینک اور توپیں تنہا وہ چیز نہیں جو "تہذیب" کو جنم دے سکیں۔ نہ یہ چیزیں "مہذب انسان" کی خالق ہو سکتی ہیں۔ نہ یہ حقیقی معنیٰ میں کوئی "تعمیرِ ارض" ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں، کسی حقیقی "قدروں" کے بغیر تباہی اور بربادی کا ہی پیش خیمہ ہیں۔

یہ ہے وہ بات جسے معاصر جاہلیت مان کر دینے کی نہیں۔ یا جسے یہ سننا نہیں چاہتی، باوجود اس کے کہ پوری تاریخ اِسی پر شاہد ہے، بلکہ خود معاصر جاہلیت ہی اس کو نظر انداز کرنے کے باعث

تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اور دن بدن اپنے اس حتمی انجام سے قریب تر ہو رہی ہے، بلکہ اس کا بہت سا وبال ایک عرصے سے چکھ بھی رہی ہے۔

انسان، خواہ مادی طور پر جتنی بھی پیداوار اور ترقی کر چکا ہو، ایسی قدروں سے محروم ہو کر جو اس کو "انسان" بنائیں اور "جانور" سے ممیز کریں، زمین کے پاتال میں جا گرتا ہے۔ معاصر جاہلیت اِس حقیقت کی ایک جیتی جاگتی مثال ہے۔

اِس (معاصر جاہلیت) کے پاس معلومات کا وہ ذخیرہ ہے جو اس سے پہلے کسی کے پاس نہ ہو گا۔ پیداوار اور مصنوعات کے وہ ڈھیر ہیں جو اِس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہ دیکھے گئے ہوں گے۔ مادی حوالوں سے ایسی ایسی ایجادات، ایسی ایسی سہولیات جن کا تاریخ میں اس پہلے تصور نہ کیا گیا ہو گا۔ ایک بٹن دبائیے اور دیکھیے کیا کیا کرشمے آپ کو مبہوت کرتے ہیں۔ ایک اشارے سے آپ ایک دیوہیکل آلے کو حرکت میں لے آتے ہیں جس کے نتیجے میں یکلخت ہزارہا فنکشنز متحرک ہو جاتے ہیں۔ ایک 'کلِک' میں آپ ہزارہا میل دور بیٹھے جو خبر چاہیں سنیں یا اس کا 'لائیو' مشاہدہ کریں۔ ایسے ایسے انتظام کہ آپ چاند یا شاید مریخ پر جا چڑھیں...

ہاں... مگر "انسان" کہاں ہے؟!

"انسان" کو ڈھونڈنے نکلیے، وہ کہیں رقص گاہوں میں لاپتہ ملتا ہے تو کہیں شراب خانوں میں۔ وہ کہیں گھٹیا جنس میں لتھڑا ہوا نالیوں کا کیڑا ہے، تو کہیں مجرم گینگ بن کر بے گناہوں کا امن چین برباد کرتا ہے، کہیں وہ ڈیپریشن کے ہسپتالوں میں پڑا اعصابی دوائیوں کے ڈھیر پھانکتا نظر آتا ہے، تو کہیں نفسیاتی معالجوں کے گرد ہجوم کیے ملتا ہے، تو کہیں بے مقصدیت کے ہاتھوں برباد و بے خانماں، زیاں کار، مایوس، اِس تہذیب کا مجسم نوحہ نظر آتا ہے۔

معاملہ چند کیسز کا ہوتا تو ہم ہرگز یہ بات نہ کرتے؛ 'چند کیسز' تو بھلا کہاں نہیں ہوتے۔ اوپر جو مصائب ذکر ہوئے، درست ہے کہ ایسے کچھ نہ کچھ مظاہر تو ہر معاشرے ہی کے اندر پائے جا سکتے ہیں خواہ وہ معاشرہ کیسی ہی اعلیٰ قدروں پر یقین کیوں نہ رکھتا ہو۔ ایسی 'چند مثالیں' یقیناً دنیا کے کسی بھی معاشرے سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ البتہ یہاں ہم جن مصائب کی بات کر رہے

ہیں وہ حیران کن حد کو پہنچے نظر آتے ہیں۔ اس کے اعداد و شمار پریشان کن بلکہ ہول ناک ہیں۔ یہ یہاں باقاعدہ سوشل فنامنا کے طور پر دیکھے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ اکیسویں صدی کی جاہلیت کے 'امتیازی نشانات' کی صورت یہاں آپ کا استقبال کرتے ہیں!

*****

یہ ہے اسلامی مفہوم کی رُو سے "تہذیب"۔ اُس انسان کی تہذیب جسے زمین کی جانشینی (خلافت) سونپی گئی ہے۔ جس کی تخلیق میں مشتِ خاک بھی بولتی ہے اور خدا کی جانب سے پھونکا ہوا نفخۂ روح بھی۔ یہ ڈاروِن کا پیش کردہ حیوان نہیں، جو اپنی ساخت کی رُو سے قدروں، اخلاقی اصولوں اور مقدس تصورات کا بوجھ اٹھانے سے اِبا کرتا ہے۔ نہ یہ وہ خود ساختہ خدا ہے جو دیوتاؤں کو ہٹا کر خدائی کا دعویدار ہو بیٹھا ہے اور اس کی اپنی ہی خواہش اور ھویٰ اب دنیا کی سب سے بڑی شریعت ہے اور جو کہ اپنے تکبر اور سرکشی سے درحقیقت خدائے رب العالمین کے خلاف برسر بغاوت ہے۔

یہ ہے وہ اساس جس پر اسلامی تہذیب استوار ہوئی تھی اور جو کہ تاریخ کا منفرد ترین عمرانی عمل ثابت ہوئی۔

وہ منفرد ترین عمرانی عمل جس نے اپنا آغاز کیا تو اتنی عظیم اور کثیر قدروں کے ساتھ جس کی مثال تاریخ کا کوئی عمرانی عمل پیش نہیں کر سکتا... اور اس قدر کم مادی مظاہر کے ساتھ جس کی مثال دنیا کا کوئی عمرانی عمل پیش نہیں کر سکتا۔

تاریخ انسانی کی دہلیز پر اسلامی پیش قدمی ہوتی ہے تو اس کے پاس مادی اسباب بھلا کیا ہیں؟ چند خیمے، مٹی کے کچے گھر، کھجور کے کچھ باغات، اکا دکا گھوڑے، اونٹ اور بھیڑ بکریاں، ناکافی تیر اور تلواریں... اور مقابلے پر سپرپاورز! ہاں اِس کی کل قوت اس کا عقیدہ، اِس کی شریعت اور اِس کی اخلاقی قدریں تھیں، جن کے مقابلے پر وہ سپرپاورز البتہ تہی دامن نکلیں!

یہ تاریخ کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے جو عقلمندوں سے ڈھیروں غور و فکر چاہتا ہے!

اِتنی سی مادی طاقت کے بل بوتے پر اِس قدر بڑی تہذیب کھڑی کر دینا، کیا کسی کے تصور کرنے کی ہے! پھر یہ سب سے بڑی تہذیب ہی نہیں سب سے حسین اور سب سے منفرد تہذیب ثابت ہوئی! ہاں مگر اس کے پیچھے ''قدروں'' کا وہ عظیم خزانہ دیکھئے تو اس کی پوری تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ کچھ حقیقی قدریں تھیں جو ان کے ''ایمان'' کا حصہ تھیں، نہ کہ کھوکھلے نعرے اور دکھاوے کی چکاچوند عبارتیں جن کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مادی ساز وسامان کی کمی کی تلافی کرنے کے لیے ان کے پاس اعلیٰ قدروں کی بہتات تھی جو زمیں میں ''خیر أمةٍ أخرجت للناس'' کو جنم دے رہی تھی!

باوجود اس کے کہ اِس تہذیب نے بھی بعد ازاں وہ سب کچھ ہاتھ میں کیا جو دنیا کی کسی بھی تہذیب کے پاس ہوتا ہے، تاہم اِس کی ''پیدائش'' اِسی حالت میں ہوئی تھی؛ یعنی مادی لحاظ سے آخری درجے کی بے سروسامانی جبکہ قدروں کے معاملہ میں کمال دولتمندی اور فراوانی۔ بعد میں اس کو جو بھی حاصل ہوا... پھر بھی اس کی وہ ابتدائی تصویر، جو کہ ایک منفرد ترین تصویر ہے، ہم سے ڈھیروں توجہ اور غور وفکر چاہتی ہے۔ یہاں سے ہمیں اپنے اس سوال کا بھی جواب ملتا ہے کہ کسی تہذیب کے ہاں اگر کسی وجہ سے کمی رہ ہی جائے تو وہ کمی کونسے گوشے کے اندر بآسانی برداشت ہو سکتی ہے۔ تہذیب کے ان دونوں جوانب (مادی و اخلاقی) میں سے کونسے جانب میں پایا جانے والا نقص کم ضرر رساں ہے۔ ان میں کونسا جانب قوی تر ہو تو وہ اس کے کمزور تر جانب کا بھرم رکھ سکتا ہے۔

اسلامی تہذیب کا یہ حسین تجربہ—بہ مقابلہ معاصر جاہلیت—اس سوال کا نہایت زبردست جواب دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں قدروں کا جو وسیع و عظیم ذخیرہ پایا گیا وہ مسلمانوں کے ہاں مادی کمی کی تلافی کرنے میں پوری طرح کامیاب رہا۔ قدروں کے اِس عظیم الشان ذخیرے اور اس پر عمل پیرا ہونے نے تاریخ انسانی کی سب سے عظیم و برگزیدہ نسل برپا کروائی۔ البتہ مادی ترقی و آسائش کا یہ عظیم ذخیرہ جو معاصر جاہلیت کو حاصل ہے اس کے ہاں پائے جانے والے روحانی و اخلاقی افلاس کی ہرگز کوئی تلافی نہ کر سکا اور اس نے تاریخ انسانی کی بدترین نسلوں کو جنم دیا۔

البتہ "پیدائش" کے وقت والی وہ حالت جو اسلامی تہذیب کو ابتدا میں درپیش تھی اس کی حتمی حالت نہ تھی... اور نہ اس کو ہمیشہ ایسا رہنا تھا۔

یہ ہونہار بروا تاریخ میں جیسے جیسے سر اٹھاتی گئی ویسے ویسے دنیا کے سب علوم اور فنون کو اپنے اندر ضم کرتی گئی۔ اِس کے اعلیٰ دماغوں نے بہت تھوڑی دیر میں یونانی اور لاطینی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ ہر اُس زبان نے جس میں دانش اور آگہی کا کوئی ذخیرہ تھا اس کے ہاں اپنے خزانے ڈھیر کر دیے۔ علوم و فنون تراجم کی صورت میں بے تحاشا نقل ہوئے۔ پھر کچھ دیر بعد خود اس نے بھی علم و فن کے اندر بیش بہا اضافے کرنا شروع کیے۔ "تجربی منہج" experimental method خود اِسی کا اکتشاف ہے، جس پر بعد ازاں یورپ کی تمام تر سائنسی ترقی کا انحصار رہا اور جسے وہ مسلم جامعات میں آ آ کر حاصل کرتے رہے تھے۔

یہ ہونہار بروا تھوڑی دیر میں عمرانی نظم و نسق میں بھی اپنی مثال آپ ہو گئی۔ خلفاء نے جو شہر بسائے، یا پہلے سے آباد شہروں کی جو اصلاح اور تنظیمِ نو کی، مسلم آغوش میں صدیوں یہاں زراعت، صنعت و حرفت، تخلیق اور علم و فن نے جو جو اٹھکیلیاں کیں، نظم و نسق، قضاء، احتساب، تعلیم، اوقاف، طب، جنگی مشینری، آلاتِ حرب، جنگی تکنیک و تنظیم، دیوانِ مظالم، دیوانِ انشاء وغیرہ وغیرہ... ایسے امور میں اسلامی تہذیب کے جو یادگار نشانات دیکھنے کو ملتے ہیں، وہ سب عقول کو دنگ کرتے ہیں۔

یہی ہونہار بروا علم و جستجو کی شمعیں اٹھا کر آگے بڑھتی ہے۔ زمین کے بہت سے پوشیدہ راز اِسی کے ہاتھوں دنیا پر منکشف ہوتے ہیں۔ جغرافیہ کے ایسے ایسے نقشے اور ایسے ایسے اکتشافات جنہیں دنیا آج بھی مسلم جہازرانوں کی نسبت سے جانتی ہے اور جن سے کام لے کر یورپ کی بحری مطالعاتی تحریک نے 'کامیابی' کے جھنڈے گاڑ کر دکھائے خواہ وہ واسکوڈے گاما کے کارنامے ہوں یا کولمبس کے یا میگلن کے۔

اِسی ہونہار بروا نے تاریخ انسانی کے عظیم ترین مفکر پیدا کیے۔ دانش کے ایسے ایسے گڑھ اور علم کے ایسے ایسے شہر جن پر آج تک دنیا رشک کرتی ہے کہ علوم اور افکار میں ایسی

اصالت، ایسی غزارتِ علمی اور ایسی گہرائی اور ایسی بے ساختگی یہاں دیکھنے کو ملتی ہے جو اور کہیں نہیں پائی گئی۔

اِسی ہونہار بروانے فنون کے اندر بھی یادگاریں کھڑی کیں۔ خواہ وہ ادب کے اندر ہو یا طرزِ تعمیر کے اندر یا جمالیات کے کسی اور میدان میں۔

لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے عظیم امتیاز یہ رہا کہ یہ تمام تر عمرانی پیش قدمی جو اِس کے ہاتھوں ہوتی ہے آسمانی عقیدے کے سائے میں رہ کر ہوتی ہے۔ بلکہ آسمانی تصور سے ساخت پا چکے عمل اور کردار کے جلو میں رہ کر ہوتی ہے۔ زمین میں یہ جو یادگاریں کھڑی کرتی ہے وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان سے بیگانہ رہ کر نہیں ہوتیں۔ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان اِس کی قدروں، اِس کے اخلاق اور اِس کے اصولوں میں برابر بولتا ہے۔ نہ ایمان اِس کی مادی بہبود کے راستے کی رکاوٹ بنتا ہے اور نہ مادی بہبود اِس کے ایمان کے آڑے آتی ہے۔

تعیشات... تہذیب نہیں بلکہ تہذیب کا گھن ہے

یہ بھی درست ہے کہ ہمارے اسلامی تہذیبی عمرانی عمل کو تھوڑا آگے چل کر "تعیش" کا گھن لگنا شروع ہو گیا۔ امت کا زوال اور پسپائی اِسی کا شاخسانہ ٹھہرا...

انسانی ہستی اور انسانی زندگی کی یہ الجھن اپنی جگہ ہے، جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں پھر بھی یہاں ہم اس کا تھوڑا سا ذکر کریں گے:

امتوں اور جماعتوں کے یہاں آغاز کے وقت عزیمت جوان ہوتی ہے۔ ہمت، طاقت اور توانائی شباب پر ہوتی ہے۔ ایک جماعت نے ابتدا میں کچھ مشکل ترین اوقات اور چیلنجز کے ساتھ الجھ کر وہ قوت اور ہمت پائی ہوتی ہے جو اس کو تاریخ کا کوئی واقعہ بناتی ہے۔ البتہ چند نسلوں بعد، کہ جب بہت سی چوٹیاں سر ہو چکی ہوتی ہیں، بہت سے چیلنجز پر قابو پایا جا چکا ہوتا ہے اور معاملات کو ایک استحکام حاصل ہو چکا ہوتا ہے تو آسودگی اور راحت کی جانب میلان

ہونے لگتا ہے۔ جو کچھ ہو چکا اس پر اطمینان اس کی آئندہ نسلوں کو لوریاں اور تھپکیاں دینے لگتا ہے۔ تن آسانی اور تعیش کی جانب رخ ہونے لگتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب اس کے ہاں مال دولت کی بہتات ہو چکی ہو اور جو کہ عام طور پر مادی غلبے کے ساتھ وہاں پر حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔

تعیش کے آتے ہی البتہ زوال کا عمل شروع ہو جاتا ہے...

اُدھر خطرات سر اٹھانے لگتے ہیں اِدھر امت تعیش میں مست ہوتی ہے۔ متاعِ ارضی میں دل یوں کھُب جاتے ہیں اور فانی آسائشوں کے یوں رسیا ہو جاتے ہیں کہ خطرات کی آہٹ دور سے تو کیا جب وہ دروازوں پر دستک دیتے ہیں تو بھی سنائی نہیں دیتی۔ پہلے سے چلا آتا استحکام اور طاقت اِس صورتحال پر خاصی دیر پردہ ڈالے رکھتی ہے اور وہ اسی 'ظاہر' پر تسلی رکھتی ہے کہ 'ہنوز دلی دور است'!

تعیشات میں پڑنے والوں کی بابت جو ایک خدائی سنت ہے وہ برابر عمل کرتی چلی جاتی ہے:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيراً (الاسراء 16)

> جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے پُر تعیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں

یہ خدائی سنتیں کسی کی رُورعایت نہیں کرتیں، چاہے لوگوں کو 'خدائی طرفداری' کی بابت کیسا کیسا زعم کیوں نہ ہو!

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ .. (المائدۃ 18)

> یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ان سے پوچھو، پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ در حقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کیے ہیں

امتِ مسلمہ میں جس وقت تعیش کی ہوائیں چلیں اور دنیا میں جی لگانے کا رجحان بڑھا، تو وہ خدائی سنت امتِ مسلمہ کی طرفداری کرنے کی بھی روادار نہ ہوئی؛ یہ خدائی سنتیں بہر حال نہ بدلتی ہیں اور نہ ٹلتی ہیں:

.. فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيلاً وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيلاً (فاطر43)

تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے

البتہ یہاں معاملہ یک نہ شد دو شد والا تھا...

ایک جانب وہ تباہ کن تعیش اور دنیاداری۔ دوسری جانب اس کے ردِ عمل میں وہ سلبیت اور دنیابیزاری جو نیک لوگوں کو حجروں اور خانقاہوں کے اندر گم کر دینے لگی۔ یہ وہ متصوفانہ رجحانات تھے جو تعمیرِ ارض سے ایک گونہ نفور رکھتے ہیں، مادی قوت کے اسباب کو ہاتھ میں کرنا ان کے ہاں بالعموم پذیرائی نہیں پاتا اور وہ دنیا کو اس انداز میں دیکھتے ہیں کہ یہ ہے ہی ملعون کیونکہ یہ لوگوں کو آخرت سے غافل کرتی ہے۔

اِس لحاظ سے معاملہ دہری رفتار سے نیچے جانے لگا:

یہاں کے "روحانی اعمال" بھی بالعموم امت کو نیچے کی طرف ہی لے جا رہے تھے اور "مادی اعمال" بھی۔ زمین کی صالح آبادکاری ہر دو طرف موقوف تھی:

1. امت کی اصل قوت جس چیز میں پنہاں تھی وہ اِس کے اصول، اِس کی قدریں، اِس کے اخلاقی معیارات اور اِس کے برگزیدہ تصورات و نیک اعمال تھے، جو حد سے بڑھے ہوئے **تعیش کی نذر ہو رہے تھے۔**

2. امت کے ہاں ایک اور قوت زمین میں اِس کی صالح مادی سرگرمی تھی جس کو **خانقاہی عمل کا گھن لگ گیا تھا۔**

ہر دو پہلو سے یہ عمارت کھوکھلی ہونے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں امت کی یہ داخلی کمزوری امت کے ازلی دشمنوں کو زور و شور کے ساتھ اپنے یہاں دعوت دے رہی تھی اور وہ مشرق و مغرب ہر جانب سے ہم پر ٹوٹ پڑنے پر آمادہ ہوئے اور اس دین کا کام تمام کر دینے کی ٹھانی۔

زمین کا فساد... تہذیب کا مرکز جب "مسلمان" نہ رہا

اِس کے نتیجے میں مسلم پسپائی ہر ہر میدان میں ہونے لگی:

فکر و دانش کے میدان میں، ادب و فن کے میدان میں، سیاست، معیشت اور جنگ کے میدان میں، صنعت و حرفت اور زراعت کے میدان میں، اخلاق اور سلوک کے میدان میں... اور ان سب میں سرفہرست، صحیح عقیدہ رکھنے کے میدان میں۔ بڑی دیر ہوئی، نہ "عبادت" کا مفہوم ہمارے یہاں صحیح رہا تھا اور نہ "لا الٰہ الا اللہ" کا مفہوم۔

بڑی صدیاں ہم پر یہی حال گزرا۔ عالم اسلام اُن عظیم ترین بلندیوں سے لڑھکتا ہوا مسلسل نیچے آتا رہا۔ ہر نئے دن کے ساتھ یہ کچھ مزید نیچے سرک آتا۔ اُدھر ہمارے دشمن اسی حساب سے طاقتور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ وہ دفاع کی بجائے حملہ آوری کی پوزیشن میں آ گئے۔ تب وہ عالم اسلام کے وسیع و عریض خطوں کی کتربیونت کرنے لگے۔ ہر تھوڑی دیر بعد وہ ہمارا کوئی خطہ ہتھیا لیتے، وہاں کے مسلم باشندوں کو ذلت اور غلامی کی بیڑیاں پہناتے اور اسلام کا نام و نشان وہاں سے مٹانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر دیتے۔ رفتہ رفتہ پورا عالم اسلام اُن کے قبضے میں چلا گیا۔

تب جا کر عالم اسلام کی آنکھ کھلی... جبکہ عالم اسلام کی ہر چیز پستی کی آخری حد کو چھو رہی تھی، اور عالم اسلام پوری طرح دشمن کی مٹھی میں تھا۔

یہ انحطاط صدیوں سے چلے آنے والے انحراف کا ایک قدرتی و طبعی نتیجہ تھا۔

سب سے پہلے؛ وہ کھوکھلا پن جو "لا الٰہ الا اللہ" کے مفہوم میں سرایت کر گیا تھا، وہ کھوکھلا پن جو "عبادت" کے مفہوم کے اندر آ چکا تھا، وہ سلبیت اور کاہلی جو "قضاء و قدر" کے نام پر ہمارے یہاں گھر کر چکی تھی اور جس نے بڑی دیر سے عالم اسلام کو دنیا کا "مردِ بیمار" بنا رکھا تھا، قوت (جو دشمن کو خوفزدہ کرے) کے سوتوں پر حاوی ہونے کو بے کار اور کمتر جاننے کی ذہنیت جو دنیا بیزاری پر مبنی دینی رویّوں کے دم سے ہمارے دینی حلقوں میں پرورش پانے لگی تھی... اِس انحطاط کے پیچھے ایک بڑا محرک رہا۔

وہ داخلی خلا جو مسلم پسپائی نے عالم اسلام کے اندر پیدا کر دیا تھا اور جو کہ صدیوں پیچھے جاتا ہے اور جس میں اسلامی مفہومات کا مسخ ہو جانا سر فہرست ہے... جتنا بڑا یہ خلا تھا، آنکھ کھلنے پر اُتنی ہی ہولناک صورت ہمارا سامنا کرنے لگی۔ اس 'آنکھ کھلنے' سے بہت سوں کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے اور وہ اِس ہزیمت کو بقیہ زمانے کے لیے اب ایک ناقابل تبدیل واقعہ جان کر شعوری طور پر اسے قبول کرنے لگے، یہاں تک کہ اس کو 'قبول کرنے' کی تحریک چلانے لگے، بلکہ ان کی ایک تعداد اِس شکست خوردہ ذہنیت کی بنیاد پر اسلام ہی کی ایک تفسیر نو کی ضرورت محسوس کرنے لگی۔ بہت تھوڑے لوگ رہے جن کا رجوع اِس دین کے حقیقی مصادر کی جانب ہوا اور وہ اپنے ارد گرد میں اس دین کے داعی اور عامل بن کر اٹھے۔ اکثریت البتہ اِس ہزیمت کی بنیاد پر نئے اصولِ دین وضع کرنے چل دی!

اِس بیرونی یلغار کے نتیجے میں نئے فکری انحرافات باقاعدہ لشکروں کی صورت میں ہم پر حملہ آور ہوئے۔ ان نئے مفہومات میں "دنیا کے ہنگاموں میں مسلمان کا شریک ہونا" سب سے بڑھ کر باعثِ نزاع رہا، اور جو کہ ہماری اِس فصل کے موضوع "تعمیرِ ارض" کے ساتھ براہِ راست متعلق ہے۔

ایک بڑی تعداد تو یہاں آج ان مسلمانوں کی پائی جاتی ہے جو، افکار کی اِس بیرونی یلغار کے زیر اثر، یہ سمجھنے لگی کہ ہماری اِس پسپائی اور پسماندگی کا اصل سبب ہمارا مسلمان ہونا ہے!

کیسا عجیب وہم ہے! جس دور کا مسلمان اسلام سے سب سے بڑھ کر دور ہوا، اُسی دور کے مسلمان کو باور کرایا جا رہا ہے کہ اس کی پسماندگی کا سبب اس کا مسلمان ہونا ہے! اس مسلمان کو تو یہ سمجھانا چاہئے تھا کہ تمہاری اس ذلت کا سبب تمہارا اسلام سے دور ہونا ہے!

اِس وہم کا شکار ہو جانے کے بعد حل ڈھونڈنے نکلیں تو ظاہر ہے وہ اسلام میں تو نہ ڈھونڈا جائے گا۔ صرف ایک ہی چیز رہ جاتی ہے جس میں حل ڈھونڈا جا سکتا ہے: مغربی تہذیب اور مغربی اصول؛ جس کا صحیح نام ہمارے نزدیک "معاصر جاہلیت" ہے۔

اب یہ معاصر جاہلیت اپنے اسباق کا اجراء کرتی ہے: ''تہذیب'' کا مطلب ہے مادی ترقی۔ سائنسی برتری۔ ٹیکنالوجی۔ ''تہذیب'' کا مطلب ہے مادی آسائشیں جو انسان کے کاندھے سے کچھ بوجھ اتار کر آلات کو اٹھوادیں، اور جو انسان کے جسم میں اٹھنے والی دردوں کو ٹیکوں اور سوئیوں سے خاموش کروادیں!

معاصر جاہلیت کا درس جاری ہے، جو زبانِ قال سے کھل کر نہ سہی زبان حال سے علی الاعلان ہوتا ہے: قدروں کی بات کرنا، اخلاق اور اصولوں کو لے بیٹھنا اور عقائد و نظریات کو پیٹنا سب بکواس ہے، چھوڑو ان باتوں کو اور اپنے 'حقیقی مسائل' کو توجہ دو!

یہ پے در پے درس سننے کے بعد مسلمان نسلیں ''مہذب'' ہونے لگتی ہیں۔ ان کو اپنے اوپر سے اب اُس ساری پسماندگی کی گرد جھاڑنی ہے جو ''اخلاق''، ''اقدار'' اور ''عقائد'' کی صورت میں ان پر پڑتی رہی ہے۔ ''تہذیب'' کا یہ سفر عالم اسلام میں جس قدر موخر ہوا ہے، وہ صدیوں کی لیٹ اب برسوں میں نکالنی ہوگی... یعنی سب کچھ درہم برہم۔

ترقی کے سب نقشے اب مغرب سے الہام ہوں گے، خدائی منہج کب کا متروک ہوا!

آپ دیکھتے ہیں، ایک بڑے ہی مردنی سے انداز میں یہ مادی قوت کے بعض اسباب اختیار کرنے کی تھوڑی سی کوشش ضرور کرتے ہیں، لیکن مغربی تعیش میں سرتاپیر ڈوبے ہوئے۔ ویسا ہی رہن سن، ویسی ہی تن آسانی، گاڑیوں اور طیاروں کے بغیر شاید ہل کر دینے کے لیے تیار نہیں، امپورٹڈ منرل واٹر کے بغیر جن کی پیاس بجھنے کی نہیں، شراب اور جوئے کے بغیر جن کا دن نہیں گزرتا اور 'روشن خیالی' کے زیر عنوان حرام کاری اور بدکاری کا بازار گرم رہتا ہے۔

اخلاقی مفاسد جو محتاجِ بیان نہیں، رذائل جن کے ہاتھوں یہ ذرہ بھر پریشان نہیں، بلکہ شاید ان پر فخر ہو۔

نتیجہ کار؟ مادی ترقی، معیشت کی بہتری، ٹیکنالوجی کا حصول اور معیارِ زندگی میں پیش رفت کے وہ سہانے نعرے ابھی تک نعرے چلے آتے ہیں، روٹی کے خواب ابھی تک خواب ہیں...

البتہ وہ اخلاقی رذائل اور وہ سماجی غلاظتیں جو مغرب سے 'فیض یاب' ہونے سے حاصل ہوئیں وہ اب یہاں کی چیختی دھاڑتی حقیقتیں ہیں!

اس سے عملی اسباق کشید کریں تو بھلا کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ... دراصل ہمارے یہاں کمی تھی تو اِن اخلاقی رذائل ہی کی۔ نایابی تھی تو درحقیت ان تہذیبی غلاظتوں کی جو مغرب کا حلقہ بگوش ہونے سے پہلے ہمارے یہاں مفقود تھیں، اِس لچرپن کا نہ ہونا جو اب جا کر ہمیں مغرب سے عطا ہوا، ہماری پستی اور افلاس کا اصل سبب تھا! بلکہ اب بھی کچھ پستی اور افلاس ابھی باقی ہے اور روٹی کا فقدان ہے تو اس لیے کہ شرم، حیا اور اخلاق معاشرے میں ابھی کچھ باقی ہے!

'دیں ہاتھ سے دے کر'، روٹی اور ترقی اور خوشحالی کا تعاقب اور کامیابی وسرخروئی کا سفر! کیا واقعتاً آپ مغرب کی پیروی اختیار کر کے اِس ذلت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ آیئے ذرا ایک معاصر مغربی مورخ آرنلڈ ٹوئن بی سے اتاترک کے ترکی کی بابت اس کے خیالات سنیں:

> ''ترکوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ انہوں نے اپنا دستور تبدیل کر دیا (اور جو کہ دستوری اصلاحات کے حوالے سے نسبتاً ایک آسان چیز ہے)، بلکہ اس نومولود جمہوریہ ترکی نے دین اسلام کے پاسبان ''خلیفہ'' کو بھی اس کے منصب سے ہٹا دیا، بلکہ اس کے منصب ''خلافت'' کو ہی ختم کر دیا۔ مذہبی شخصیات کا اثر ورسوخ ختم کر یا۔ مذہبی تنظیموں کو ختم کر دیا۔ مسلم خاتون کے سر سے حجاب اتار دیا۔ حجاب سے وابستہ ہر چیز ختم کر دی۔ مردوں کو ایسے ہیٹ پہننے کا جبراً پابند کیا جنہیں پہن کر نماز ایسے مراسم عبادت ادا نہ کئے جا سکیں، خصوصاً سجدہ نہ کیا جا سکے۔ شریعتِ اسلامیہ کی بساط لپیٹ دی۔ اس کی جگہ دیوانی میں سوئٹزرلینڈ کا قانون ترکی میں ترجمہ کر کے جاری کر دیا اور فوجداری میں اٹلی کا قانون چلا دیا۔ اور یہ دونوں قانون اپنے پارلیمنٹ سے پاس کر کے نافذ کیے۔ عربی رسم الخط کو لاطینی حروف سے بدل دیا۔ جس سے عثمانی دور کے ادبی ورثہ کا بڑا حصہ دریابرد ہو گیا...

ایک مغربی مبصر کو اس لیاقت کا اندازہ کرنا چاہئے۔ کسی طنز اور چوٹ کی گنجائش نہیں۔ ہمارے ترک مقلدین نے اپنے پورے ملک اور اس کے باشندوں کو ''بدلنے'' کی اِس کوشش

سے جو چیز ثابت کی ہے وہ ویسی ہی ایک کوشش ہے جو ہمارے ہاں اُس وقت ہوئی تھی جب ہم (مغرب) کی اسلام سے پہلے پہل شناسائی ہوئی تھی۔ ہم ان پر تنقید کرتے تھے۔ آج کچھ تاخیر سے سہی، مگر وہ عین ویسی ہی ایک کوشش کر رہے ہیں اور عین ہم جیسا ایک مغربی معاشرہ اور مغربی ملک نظر آنا چاہتے ہیں۔

اس عمل سے ہم ان کا مقصد اور جذبہ تو یقیناً سمجھتے ہیں، لیکن یہ سوال پوچھے بغیر پھر بھی نہیں رہ سکتے کہ اپنے اِس ہدف کو پانے کے لیے اتنی ڈھیر ساری مشقت اور اتنی بڑی کشمکش کی کیا کوئی ضرورت تھی؟

وہ حمیت سے بھرا ہوا روایتی ترک مسلمان جو ہمیں بغض بھری نظروں سے گھورتا اور ہمیں 'کمتر فرنگی ملحد' کے طور پر جانتا تھا یقیناً ہمیں پسند نہیں تھا۔ وہ (پچھلے زمانے کا) ترک بے شک ہمیں نہیں بھاتا تھا جو ہمیں دیکھ کر 'الحمد للہ' کہا کرتا تھا کہ شکر ہے خدا نے اُسے ہم جیسا نہیں کر دیا۔ یہ ترک جو اپنے آپ کو کسی اور ہی مٹی کا سمجھتا تھا اور زمین پر تو کبھی اس کا پاؤں ہی نہیں لگتا تھا، ہماری کوشش رہی کہ ہم ذرا اس کا نخرہ نیچے لے آئیں۔ ہم نے اُس مٹی کو ہی جس کا "وہ" بنا ہوا تھا خود اس کی اپنی نظر میں اس قدر قابل تحقیر بنا دیا۔ یہاں تک کہ اب ہم اس کے سب نفسیاتی ہتھیار ایک ایک کر کے تباہ کر چکے۔ ہم اس کے یہاں یہ انقلاب برپا کر چکے جن کا اب وہ آپ سے آپ خریدار ہے اور جسے ہم بچشمِ سر دیکھ رہے ہیں۔

آج جب ہماری اس مسلسل تحریک اور سرپرستی کے نتیجے میں ترک اس قدر بدل چکا، یہاں تک کہ اب وہ ہر اُس چیز کا متلاشی ہے جس کو اختیار کر کے کسی طرح وہ ہمارے جیسا نظر آئے اور مغربی معاشروں کا چربہ مانا جائے... تو اب خود ہمیں ہی یہ دیکھ کر تنگی ہونے لگی ہے، بلکہ غصہ اور بیزاری ہونے لگی ہے۔ آج کا ترک بجا طور پر یہ گلہ کر سکتا ہے کہ وہ جو بھی کر لے ہماری نظر میں وہ قصوروار ہی رہتا ہے! بلکہ وہ ہماری کتابِ مقدس (بائبل) کی یہ نص بھی ہمیں گا کر سنا سکتا ہے کہ "ہم نے تمہارے لیے بانسری بجائی اور تم نہ ناچے۔ ہم نے ماتم کیا اور تم نہ روئے"[5]۔

---

[5] بائبل کی یہ عبارت لوقا باب 7 جملہ 32 سے لی گئی ہے۔ (مترجم)

یہ چیز ان نقالوں کی دو کمزوریوں سے پردہ اٹھاتی ہے:

1. یہ کہ (ترکوں میں) نقالی کی یہ تحریک محض لکیر کی فقیر ہے اور کسی تخلیقی عمل کی عکاس نہیں۔ اس لیے فرض کریں یہ کامیاب ہو بھی جائے تو یہ کچھ مشینی مصنوعات میں اضافہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔
2. بفرض محال اس تحریک کے کامیاب ہونے کا کوئی حیرت انگیز واقعہ رونما ہو بھی جائے، تو اس میں وہاں کی ایلیٹ کے لیے ہی کچھ مواقع نکلیں گے۔ البتہ اکثریت کا انجام وہی پرولتاریا والا ہوگا جو اپنے لیڈروں کے استحصال کا شکار ہوتی ہے۔[6]

دیکھ لیجئے کیسا صلیبی بغض ہے اور کس طرح ترک سیکولرز پر پھبتیاں کَسی جارہی ہیں! سچ ہے جس انسان کی نظر میں خود اپنا آپ معتبر نہ رہے وہ دوسروں سے کیا عزت کروائے گا؟ ایسے لوگ انسانیت کے لیے تو کیا خود اپنی قوم کے لیے کوئی حقیقی چیز پیش نہ کر سکیں گے۔

آج بھی اگر یہ لوگ مسلمان بن جانے پر آمادہ ہوں تو یہ اکیسویں صدی کی جاہلیت کے مقابلے پر انسانیت کو بہت کچھ پیش کر سکتے ہیں۔

بھائی تمہاری ترقی اور خوشحالی پر اسلام نے کونسی قدغن لگائی ہے؟ جتنی چاہو ترقی کر لو، لیکن اس کو خدائی منہج پر استوار کر لو، تاکہ یہ درحقیقت "تہذیب" کہلانے کے لائق ہو۔

سائنس اور ٹیکنالوجی جہاں سے چاہو حاصل کر لو، لیکن اُس "انسان" کا بندوبست پہلے کر لو جو ان سب اشیاء کو کسی برگزیدہ ہدف کے لیے ہاتھ لگانا جانتا ہو۔

یعنی... اُس "انسان" کا بندوبست پہلے ہو، جس کے لیے یہ سب پاپڑ بیلے جائیں گے۔

دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے "انسان" کا جو نمونہ آج آپ اپنے پاس رکھتے ہیں، فرض کر لیں وہ یہ سب اشیاء حاصل کر لیتا ہے اور یہ سب قوتیں اس کے لیے مسخر ہو جاتی ہیں جو اِس ترقی اور شادابی سے آپ کا مطمحِ نظر ہے... تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ ان اشیاء کو اپنی خواہشات کی پرستش کا ذریعہ بنائے گا؟ وہ ان کے ذریعے دنیا کا پجاری بنے گا اور انہیں آخرت

---

[6] ٹوئن بی کی کتاب "Islam, the West and the Future" کے عربی ترجمہ سے ماخوذ۔

کو بھلانے کا ذریعہ بنائے گا؟ وہ ان بے تحاشا امکانات کے ذریعے جو اسے سائنس اور ٹیکنالوجی پر دسترس سے مہیا ہوں گے، خدائے لاشریک کی بجائے شیطان کی عبادت کرے گا؟

اگر آپ ایسا ہی "انسان" فی الوقت اپنے پاس رکھتے ہیں تو زمانے میں اسکو عزت دلوانا کسی 'سائنس' کے بس کی بات نہ ہو گی۔ ایسے مسلمان انسانیت کو تو اس ضیاع اور بے مقصدیت سے کیا نجات دلوائیں گے، اپنے آپکو ذلت کے طوق سے چھٹکارا نہ دلوائیں گے۔

ہاں اگر آپ ایسے ''انسان'' کا بندوبست کر لیتے ہیں جو اپنے ہاتھ میں آنے والے ان سب امکانات کو خدائے واحد کی عبادت میں جوت دینے والا ہو، جو خدائی منہج کو قائم کرنے والا ہو، خدائی شریعت کو زمین میں واپس لانے والا ہو، عدل و انصاف کے ربانی ضابطوں کو پھر سے یہاں سکہ ٔ رائج الوقت بنا دینے والا ہو، اِس دیوالیہ ہو چکی دنیا میں اخلاق اور اعلیٰ اسلامی قدروں کا علم اٹھا کر چلنے والا ہو، یہاں کی سیاست، معیشت، سماجی رشتوں، خانگی ناطوں، مرد و زن کے تعلقات، ادب، فن، فکر ہر چیز کو اُنہی اخلاقی بنیادوں پر از سر نو کھڑا کرنے والا ہو جو اسلامی تہذیب کا خاصہ رہا ہے... بالفاظِ دیگر وہ مسلمان جو زمین میں اپنے وجود کی غایت سے آگاہ ہو، اور اس کو روپذیر کرانے کے لیے سرگرم ہو... تو ضرور ایسا مسلمان نہ صرف عالم اسلام بلکہ پورے عالم انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ اس مسلمان کے پاس زمین آسمان کی دولت آجائے تو اس میں خیر ہی خیر ہے۔

حضرات اس ''مسلمان'' کی بحالی ہی اس وقت کا سب سے اہم محاذ ہے۔ زمین کی جانشینی درحقیقت ایسے ہی مسلمان کا حق ہے اور اسی سے خدا کا وعدہ ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا (النور55)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو

بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

(البقرۃ143)

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں (ترجمہ جوناگڑھی)

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (الحج41)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کرینگے، زکوٰۃ دینگے، معروف کا حکم دینگے اور منکر سے منع کرینگے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

*****

جوابات تلاش کیجئے

برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

تمدن...: "ہدایت یافتہ انسان" کی اجتماعی سرگرمی

132. اسلام سے پہلے "تمدن" جن دو انتہاؤں کے مابین فساد زدہ ہو رہا تھا، اسلام نے اس کو کیونکر توازن عطا کیا۔

133. جہاں "انسان" ایک باہم مربوط و ہم آہنگ اکائی ہے... وہاں خدا کا نازل کردہ منہج وہ مربوط و ہم آہنگ اکائی ہے جو اِس "پورے انسان" کو سامنے رکھ کر اسکے لیے ہدایت تجویز کرتی ہے۔ "عمران" کی اس اسلامی بنیاد کی توضیح کیجئے۔

134. اسلام میں "عبادت" ہی "عمران" کی غایت اور "عبادت" ہی "عمران" کا محور ہے، وضاحت کیجئے۔

مسلمان... "تہذیب" کا صورت گر

135. مجرد "سرگرمی" خواہ وہ مادی ہو یا روحانی "تہذیب" نہیں کہلاتی جب تک وہ "ہدایت" پر نہ کھڑی ہو: لہٰذا جاہلی دنیا کے بیشتر مادی و روحانی کارنامے انسانی درماندگی اور تباہی کا پیش خیمہ رہے ہیں۔ روحانی و مادی کو محض 'جوڑ' لینا بھی اس مسئلہ کا حل نہیں جب تک 'جوڑ' کا وہ نسخہ علم کے آسمانی منبع سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ عمران کے اس اسلامی تصور کو واضح کیجئے۔

136. ان مقدمات کے بعد محمد قطب اسلامی تہذیب کے جو چیدہ چیدہ مظاہر بیان کرتے ہیں ان کا تذکرہ کیجئے۔

137. وہ بہت سی سرگرمیاں جو زمینی عمل میں مادی انسان انجام دیتا ہے "خلافتِ ارضی" کی رو سے مسلمان بھی انجام دے گا۔ اِس ظاہری اشتراک کے پیچھے جو اصل بعد المشرقین پایا جاتا ہے اس کی نشاندہی کیجئے۔

138. ''عمرانی سرگرمی'' فی ذاتہ کچھ نہیں، بلکہ جاہلیت ہے۔ اصل چیز اس عمرانی سرگرمی کی ''غایت'' ہے جو انبیاء سے ملتی ہے۔ مگر ہمارے یہ بات کہنے سے کچھ لوگ سادہ لوحی اور کچھ لوگ بدنیتی سے یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ انبیاء کی دی ہوئی چیز اس عمرانی سرگرمی کا ''متبادل'' ہے نہ کہ ''عمرانی عمل کو جہت دینے والی چیز''۔ یہاں سے دینداروں کی ایک بڑی تعداد بھی ایک خلط مبحث کا شکار ہوئی ہے اور روز بروز اذہان کو الجھا رہی ہے۔ محمد قطب کے بیان کردہ اس اہم ترین مبحث کو بنیاد بناتے ہوئے اس معاملہ کی عقدہ کشائی کیجئے۔

139. مغربی جاہلیت انسان کا "قتل" کرتی ہے باقی ہر چیز "بناتی" ہے۔ اسلامی تہذیب دراصل "انسان" کی خالق ہے اور پھر اپنے پیدا کردہ "انسان" کو ہی زمین میں سرگرم دیکھنا چاہتی ہے۔ اس حوالہ سے دونوں تہذیبوں کی "اصل ترجیحات" کا موازنہ کیجئے۔

140. اسلامی تہذیب کا ابتداء میں ہر قسم کے مادی اسباب سے تہی دست ہونا مگر تہذیبی معانی سے سرتاسر لبریز ہونا اپنے اندر کیا عظیم دلالتیں رکھتا ہے اور اسلامی تہذیب کی اصل حقیقت کو کیونکر بیان کرتا ہے؟

تعیشات... تہذیب نہیں بلکہ تہذیب کا گھن ہے

141. تعیش اور زوال میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس میں ہمارے لیے کیا اسباق ہیں؟ حالیہ پستی سے نکلنے کے حوالے سے اِس قاعدہ کی کیا دلالت ہے؟

142. مسلم معاشروں پر حملہ آور تعیش جو زوال کا سبب بننے لگا تھا، اس کے رد عمل کے طور پر جو متصوفانہ رجحانات آئے اور ان سے ''کارزارِ حیات'' سے متعلق دین کے نام پر ایک سلبیت جنم لینے لگی، محمد قطب کے نزدیک یہ مسلم زوال کے حوالے سے ''یک نہ شد دو شد'' والا معاملہ تھا اور اب یہ زوال دونی رفتار سے بڑھنے لگا۔ اس مقدمہ کی وضاحت کیجئے۔

زمین کا فساد... تہذیب کا مرکز جب "مسلمان" نہ رہا

143. مسلم انحطاط صدیوں سے چلے آنے والے انحراف کا ایک قدرتی و طبعی نتیجہ تھا، محمد قطب اس کے کچھ اہم اہم عوامل مختصر ذکر کرتے ہیں۔ ان کا تذکرہ کیجئے۔

144. حالیہ ہزیمت کو 'شعوری طور پر قبول کرنے' کی جو تحریکیں عالم اسلام میں اٹھیں ان میں سے کئی ایک نے اِس شکست خوردہ ذہنیت کی بنیاد پر دین اسلام ہی کی ایک تفسیر نو کی ضرورت محسوس کی، جو کہ محمد قطب کے نزدیک اِس پستی کی آخری حد ہے۔ ان تحریکوں کو آپ کس طرح دیکھتے ہیں؟

145. ان "مابعد زوال" فتنوں میں ایک ذہنیت جو تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے یہ ہے کہ ہماری اِس پسپائی اور پسماندگی کا اصل سبب ہمارا مسلمان ہونا ہے! اس کے بعد معاصر جاہلیت کے تمام اسباق لینا شروع ہوتا ہے۔ محمد قطب اس ذہنیت کا کس طرح تجزیہ کرتے اور اس کو کس طرح خطاب کرتے ہیں؟

146. "ترقی" و "خوشحالی" کے لیے مغرب کے پیچھے بھاگنے والے طبقوں کو محمد قطب دوسو سالہ تجربہ کی روشنی میں ایک آئینہ دکھاتے ہیں اور اسی میں ان کی مستقبل کی تصویر بھی سامنے لاتے ہیں۔ اس سے آپ کیا نتائج کشید کرتے ہیں؟

147. ہمارے یہاں کے یورپ کے نقال خود یورپ میں کس گھٹیا نظر سے دیکھے جاتے ہیں، ٹوئن بی کے 'ماڈرن ترکی' پر کسی گئی پھبتیوں سے آپ مقلدینِ مغرب کی کیا تصویر بناتے ہیں؟

148. مسلمان کی ترقی مسلم امت کے وجود کی غایت کے تابع ہے۔ وضاحت کریں۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا !

اِس کتاب میں... ہم نے "اسلام کے کچھ بنیادی ترین مفہومات" جاننے کی کوشش کی۔ ہم دیکھ آئے، اسلام کی وہ اولین نسل جس نے ہادیِ برحق ﷺ سے براہِ راست تربیت پائی، نیز اس سے متصل بعد کی نسلیں جنہیں وہ روشنی بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اسلام کے اِن "اساسی مفہومات" کی بابت کیا عظیم الشان تصور رکھتی تھیں... اور پھر بعد کی نسلوں کے ہاں یہی مفہومات بگڑ کر کیا سے کیا ہوئے اور 'اسلام' کی کیسی غلط تصویر پیش کرنے لگے... پھر اس کے نتیجے میں ہمارا مسلم سماج کس بری طرح متاثر ہوا، یہاں تک کہ 'ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا'۔ ہوتے ہوتے، آج ہم زمین کے پاتال کو آلگے۔ یہی شہر اور بستیاں ہیں جہاں کبھی "خیر امة أخرجت للناس" رونق افروز تھی، اور یہی برِاعظم ہیں جہاں "مسلمان" کے نام پر آج ایک 'خس و خاشاک' پایا جاتا ہے؛ جسے لوگ آتے جاتے بے دردی سے روندتے ہیں۔

یہ سب واضح ہو جانے کے بعد طبعی سوال اٹھتا ہے...: تو اب کیا ہو؟

اسلام کی حقیقت سے امت کا بُعد اس حد کو پہنچ جانے کے بعد... آگے کیا ہے؟

اِس کا جواب خدائی تقدیر کی زبان سے ہمیں جو مل رہا ہے وہ ہے: "عالم اسلام کی حالیہ بیداری"... 'صحوۃ اسلامیۃ'!

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں

ہماری یہ صحوۃ (اسلامی بیداری)... شاید اِس 'خس وخاشاک' کی حالت سے "خیر امة" کی حالت پر واپس جانے کا سفر ہے۔ روشنی کی بہت سی کرنیں ہماری اِس نئی تحریکی اٹھان سے

یکا یک بر آمد ہونے لگی ہیں۔ ہمارا یہ تحریکی عمل آج نہ صرف عالم اسلام بلکہ اس سسکتی بھٹکتی انسانیت کی بھی گویا آخری امید ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس تحریک کی اپنی ہی راہ ناقابلِ اندازہ مشکلات سے اَٹی ہوئی ہے؛ کانٹوں سے لدی، جابجا گڑھے، قدم قدم پر وحشی درندے جو اِن بے خانما قافلوں کو بھنبھوڑ ڈالنے کیلئے گھات لگائے بیٹھے ہیں؛ بلکہ اُن کی کوشش ہے کہ اپنی اِن سرگرمیوں سے وہ یہ راہ مسدود ہی کر دیں۔ وہ خوب جانتے ہیں، آج اگر اِن قافلوں کو کھیت نہ کیا گیا... اِن چھوٹی چھوٹی ہراول ٹولیوں کے پیچھے اگر اِس بھاری بھر کم امتِ اسلام کے قدم اٹھ جانے دیے گئے... تو یہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔

رکاوٹیں بے شک حد سے زیادہ ہیں... لیکن خدا کے فضل سے محرکات اور مبشرات ان سے بڑھ کر ہیں:

وَلا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لا يُعْجِزُونَ (الانفال 59)

منکرینِ حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناً وہ ہم کو ہرا نہیں سکتے

ضرورت اس امر کی ہے کہ "بیداری" کے یہ کارواں اُن رکاوٹوں اور اُن گڑھوں سے ہوشیار ہو جائیں جو اِس راستے کو دشوار گزار کرتے ہیں...

ہمارے یہ پہل کار جو امت کو راستہ بنا کر دینے والے ہیں، خود ان رکاوٹوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہ خود پہلے اِن گڑھوں کو عبور کر لیں۔ ہمارے یہ "ہراول" جو نہ صرف امتِ بیضاء بلکہ پوری انسانیت کی امید ہیں، راستے کی ناہمواریوں سے بے خبر نہ رہیں۔ یا جو وحشی مخلوقات یہاں قدم قدم پر گھات لگائے بیٹھی ہیں، ان کی اصلیت کے متعلق بھولپن کا شکار نہ ہوں۔ بصیرت سے لیس؛ ایک ایک گڑھے سے واقف اور ایک ایک درندے سے ہوشیار۔ بھیڑیا لباسِ ناصح میں ہو تو بھی اسے پہچاننے میں رکاوٹ نہ پائیں۔ خونخواروں کی سرشت کبھی نہ بھولیں... یہ بحثیں نہ چھیڑ لیں کہ یہاں کونسا درندہ اپنے باقی قبیلے کی نسبت رحمدل یا قابل اعتماد ہے!

سب سے بڑھ کر، ہمارے اِس "ہراول" پر لازم ہو گا کہ... یہ اپنے ہتھیاروں کا تعین کرے جو اِس معرکے میں اس کی ضرورت ہیں۔

یہ معرکہ لڑنا یا نہ لڑنا... ہمارے لیے چناؤ ہی نہیں ہے۔ خدا کی جانب سے آئی ہوئی روشنی جب بھی انسانی دنیا میں ظہور کرنے کو آگے بڑھتی ہے مجرمینِ ارض کا ردعمل ہمیشہ یہی ہوتا ہے جو آج ہمیں نظر آرہا ہے۔ اِس وحشت اور بربریت پر آج ہمارے جن لوگوں کو تعجب ہے دراصل وہ باطل کی سرشت سے ناواقف ہیں۔ اسلام اور کفر کے مابین خدا نے تعلق ہی کچھ ایسا رکھ دیا ہے۔ پس یہ معرکہ جو افق پر آپ دیکھ رہے ہیں، حق اور باطل کے مابین ازل سے پائے جانے والے رشتۂ تضاد و مخاصمت کا اپنا ہی تقاضا ہے۔ ہمارے یہ مشعل بردار نوجوان جو آج ان معاشروں کی سرزمین میں اتر رہے ہیں... زمین کی تاریکیاں برقرار رکھنے والی قوتیں اِن مشعلوں کو بجھانے کے لیے آج اگر یہ آندھیاں برپا نہ کریں تو یا وہ باطل نہیں یا یہ حق نہیں؛ کیونکہ اسلام اور کفر کے مابین تو یہ کہانی ہمیشہ اِسی طرح چلی ہے۔ خدا کے دشمن، اِس امت کے دشمن اور پوری انسانیت کے دشمن آج قرآنی شمعوں کو بجھانے کے لیے اس قدر بے قابو ہو چکے اور ظلم کی ہر حد پر اتر آئے، تو اس میں سمجھ نہ آنے والی ایک بھی بات نہیں۔ البتہ زمین پر عین اُسی پرانے معرکے کی شروعات جو افق پر ہمیں نظر آرہی ہیں... آج تاریخ کے کچھ سنہری ابواب دہرائے جانے کا نقطۂ آغاز ہو سکتا ہے!

ہماری خوش بختی... کہ ہمارے دور میں ایسا ہونے جارہا ہے!

دشمنانِ خدا کی بابت ایک نہایت پتے کی بات ہمیں پہلے سے بتائی جاچکی... کہ ہم جو بھی کرلیں، ان کو کیسی ہی 'چھوٹ' دے لیں، اُن کی پیش قدمی کے آگے خواہ کیسی ہی 'عدم مزاحمت' کے پابند ہو لیں، **وہ ہم سے خوش ہونے یا ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دینے والے نہیں جب تک کہ ہم اپنی بنیاد سے ہی دستبردار نہ ہو جائیں:**

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ120)

اور ہر گز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم انکی ملت کی پیروی نہ کرلو

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (البقرۃ217)

اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں

*****

بیداری کے اِس ہراول دستہ کو سب سے پہلے یہ جاننا ہو گا... کہ یہ معرکہ کسی ایک جماعت کا معرکہ نہیں۔ یہ 'اِس تنظیم' یا 'اُس تنظیم' کی جنگ نہیں۔ نہ یہ 'اِس دشمن' یا 'اُس دشمن' کے ساتھ جنگ ہے۔ یہ "امتِ اسلام" کی جنگ ہے اور "سب دشمنانِ اسلام" کے ساتھ بیک وقت درپیش ہے۔ "اسلام" دنیا میں جہاں بھی ہو، اس بربریت کا اصل ہدف ہے۔ "کفر" جہاں بھی ہو اِس جنگ کا علم تھامے ہوئے ہے۔

پس یہ ذہن نشین ہونا چاہئے... دشمن کا مقابلہ جب تک ہماری چند بے یارومددگار جماعتوں سے ہے، یہ معرکہ جیتنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ وحشی درندہ ان میں سے ایک ایک جماعت کو بقیہ امت سے تنہا کرکے چیرتا پھاڑتا اور اس پر اپنے 'ارمان' پورے کرتا رہے جبکہ امت اس سے قطعی لاتعلق اپنی روزمرہ 'دینی ودنیوی' سرگرمیوں میں مگن، یہ جنگ یوں انجام پانے کی نہیں! ہاں جس دن یہ معرکہ پوری امت کا معرکہ بنا دیا جائے؛ جس طرح دشمن ہر طرف سے ہم پر چڑھ دوڑا ہے اسی طرح "امت" بھی اس کے خلاف میدان میں اتر آئے، اُس دن یہ میدان ہمارا ہے۔

ہمارے دشمن جو ویسے ہر ہر معاملے میں آپس کے اندر دست وگریباں ہیں البتہ صرف ہمیں مارنے پر یکجہت ویک آواز ہیں... تو آخر کیا رکاوٹ ہے کہ یہ امت ان کے مقابلے پر یکجہت ویک آواز ہو جائے؟ یہاں کی چند بے سہارا جماعتوں کو اُن وحشی درندوں کے آگے ڈال دینے کی روادار امت آخر کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ اُن کا اصل ہدف درحقیقت وہ جماعتیں نہیں بلکہ اِس امت کا وجود ہے؟

ہاں البتہ جب ہم "پوری امت" کے اٹھ کھڑا ہونے کی بات کرتے ہیں... **تو ہمارا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ امت کا ایک ایک فرد اٹھ کھڑا ہو۔** ہمیں معلوم ہے کہ یہ ایک ناممکن بات ہے۔

دنیا کے کسی معاشرے میں ایسا نہیں ہوا، کجا یہ کہ آپ ڈیڑھ ارب انسانوں پر مشتمل امت سے یہ توقع کریں، کہ اس کے سب لوگ ایک سا جذبہ، ایک سی سوچ، ایک سی بلندیِ فکر، ایک سی ہمت اور دلیری، اور ایک سی قوتِ اقدام سامنے لائیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کا معاشرہ ایسا نہیں تھا، جیسا کہ بہت سے مقامات پر ہم یہ مبحث بیان کر چکے۔ ہمارے یہ کہنے کا مطلب دراصل یہ ہوتا ہے کہ **اِس امت میں کوئی ایسی بنیادی جمعیت ضرور اٹھ کھڑی ہو** – جیسا کہ نبوی معاشرے میں ایسی ایک جمعیت اٹھ کھڑی ہوئی تھی – **جو اپنی ہمت، صلابت، قوتِ تاثیر، ہوشیاری اور سماجی قابلیت سے کام لے کر معاشرے کو اپنے دھارے میں بہانا جانتی ہو۔ جو معاشرے میں پائے جانے والے منافقوں اور ففتھ کالمسٹوں**[1] **کو بے اثر اور غیر متعلقہ کرنا جانتی ہو۔ جو معاشرے کے کمزور ایمان والوں کو اپنے بہاؤ میں لے چلنے اور دھکیلتے جانے کی قدرت رکھتی ہو۔** رسول اللہ ﷺ کے معاشرے میں ایسے سب (مخالف اور غیر متعاون) لوگ پائے گئے اور وہ اس "ایمانی جمعیت" کی مخالفت میں، یا اس کا ساتھ دینے سے جان چھڑانے کے لیے، خوب ہاتھ پیر مارتے رہے مگر وہ آپؐ کی تیار کردہ اُس خصوصی جمعیت کو دشمن پر برتری پانے کی راہ سے نہ ہٹا سکے اور معاشرہ مسلسل ان کی قوتِ تاثیر ہی کا پابند رہا اور اسی کے برپا کیے ہوئے مومنٹم میں دھکیلا جاتا رہا۔

*****

"بیداری" کے ان مشعل برداروں کو خوب معلوم ہونا چاہیے... کہ یہ کارزار جو آج زمین پر بپا ہے کسی 'دو انسانی گروہوں' یا 'دو قوموں' کی کشمکش نہیں۔ اس میں دیکھنے کی چیز یہ نہیں کہ اِدھر کونسے ہتھیار چلائے جا رہے اور اُدھر کونسے ہتھیار برتے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے؛ یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے اور دو طرز ہائے حیات کی مڈبھیڑ:

---

[1] مولف نے یہاں کچھ قرآنی الفاظ واصطلاحات استعمال کی ہیں جن کو ہم نے "ففتھ کالمسٹ" کے تحت درج کر دیا ہے: معوقین (الاحزاب:18): "جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے"۔ مثبطین (التوبۃ:46): جہاد کے معاملے میں کاہلی اور بددلی کے مرتکب۔ مبطئین (النساء:72): جہاد کے معاملے میں پس و پیش کرنے والے۔ متثاقلین (التوبۃ:38) جہاد کو بوجھل جاننے اور گھر بار سے چمٹ رہنے والے۔

ایک جانب اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان ہے تو دوسری جانب اللہ کے ساتھ دیگر آلہہ کی شراکت، یا سرے سے اُس کے وجود کا انکار۔ ایک طرف توحید پر قائم اور توحید سے ہم آہنگ طرزِ حیات، جس کی ایک ایک بات خدائی مصدر سے ماخوذ اور پیغمبرِ اسلام پر نازل شدہ وحی سے مستنبط ہے... تو دوسری طرف شرک پر قائم اور کفر سے ہم آہنگ ایک طرزِ حیات جو خدائی تنزیل کے سوا ہر سرچشمہ سے ماخوذ ہے۔

پس یہ ذہن نشین ہونا چاہیے... توحید اور شرک کا یہ فرق ہی جب تک قلوب میں جاگزیں نہیں کرالیا جاتا، اِن دو عقیدوں کے مابین یہ بعد المشرقین اور اِن دو طرزہائے حیات کے مابین یہ کشمکش ہی جب تک اذہان میں راسخ نہیں کرالی جاتی، خواہ قلوب میں اس کے جاگزیں ہونے کا یہ عمل کتنا ہی وقت لے اور وہ ملاوٹیں جو صدیوں کے ایک عمل سے اِن تصورات کو ناخالص کردینے کا باعث بنیں اذہان سے زائل ہونے میں خواہ کتنی ہی محنت لیں... تاوقتیکہ ان واضح شفاف اسلامی تصورات کی حامل ایک باہمت و باصفا جمعیت میدان میں نہیں اترتی یہ معرکہ سرے لگنے کا نہیں۔

اِس عقیدۂ توحید کے مقابلے پر زمانے بھر کی جاہلیت یوں اکٹھی صف آرا ہو کر کبھی نہیں اڈی سوائے اُس ایک بار کے جب دنیا میں ہمارے نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر خلفاء کی زندگی میں آپ ﷺ کی قائم کردہ دولتِ اسلام نے سر اٹھایا... جبکہ دوسری بار یہ واقعہ آج ہو رہا ہے۔ البتہ آج ہتھیاروں کی نوعیت، وسائلِ نقل و حرکت، ذرائعِ ابلاغ، ٹیکنالوجی کی ترقی اور معاشرے کو اپنی جکڑ میں لینے کے 'سائنٹیفک' طریقوں کی بھرمار نے جو فرق پیدا کر دیا ہے اس سے کفر کا معسکر پہلے سے کہیں زیادہ مربوط، کہیں زیادہ موثر اور شاید کہیں زیادہ بے رحم ہو گیا ہے۔

تاہم یہ معرکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عین وہی ہے جو ہمارے نبیؐ کی بعثت کے وقت تھا؛ اس میں سرمو فرق نہیں۔

وہی؛ ایک طرف توحید دوسری طرف شرک۔ ایک جانب اسلام دوسری جانب جاہلیت...

اسلام کے زمین میں تمکین پاجانے کے بعد... بے شک بہت سی جاہلیتوں نے دشمنی کے لیے سر اٹھایا: کہیں صلیبی، کہیں تاتاری، کہیں یہودی، کہیں مجوسی، کہیں ہندو، تو کہیں کوئی اور۔ لیکن سب اکٹھے مل کر ہم پر چڑھ آئے ہوں، ایسا دو ہی بار ہوا ہے: ایک ابتدائے اسلام کے وقت اور ایک آج ہمارے دور میں۔

اِس بات کا تقاضا ہے کہ نفوس میں عقیدہ کی چنگاری آج ایک بار پھر اتنی ہی روشن ہو جتنی یہ ابتدائے اسلام کے وقت تھی۔ اسلام کے بنیادی تصورات آج پھر اتنے ہی واضح اور اجلے ہوں جتنے یہ ابتدا میں تھے۔ نفوس کو اللہ اور یوم آخرت کے لیے اتنا ہی خالص ہونا چاہئے جتنا یہ اسلام کے جاہلیت کے ساتھ پہلی مڈبھیڑ کے وقت تھے۔ صاف ظاہر ہے، ہمیں جاہلیت کے ساتھ برابر کی چوٹ ہی نہیں رکھنی؛ جاہلیت پر برتری پا کر دکھانی ہے... اور آخر کار یہ ہونا ہے۔

*****

<u>تیسری بات جو ہماری تحریکِ بیداری کے ہاں واضح ہونی چاہئے</u>... یہ ہے کہ جاہلیت آج ایسے وقت میں اسلام کے ساتھ معرکہ آرا ہے جب وہ اپنی مادی ترقی کے عروج پر ہے۔ بلکہ اپنی ترقی پر ناز کرنے میں وہ شاید پہلی ہر جاہلیت کو مات دے چکی ہے۔ اِدھر ہم دیکھتے ہیں مسلمانوں کا دامن اِس مادی ترقی سے آج ایک بار پھر خالی ہے۔

پس یہ ذہن نشین ہونا چاہئے... اِس مادی ترقی کے مقابلے پر مسلمانوں کو آج ایک بار پھر ویسی ہی "قوت" میدان میں لانا ہوگی جس کے بل پر یہ ایک مٹھی بھر جماعت ہوتے ہوئے فارس اور بائزنٹائن کی سپر پاورز سے بیک وقت بھڑ گئے تھے درحالیکہ اُن سپر پاورز کو اپنی قوت اور تمکنت پر بہت ہی ناز تھا... مسلمانوں کی یہ قوت اِن کا "ایمان" اور اِن کی "تہذیبی قدریں" تھیں جن کے بل پر یہ امت جاہلیت کو پوری زمین میں چیلنج کرنے کے لیے اٹھی تھی اور جس کا کوئی توڑ اس جاہلیت کے پاس نہیں تھا۔

مسلمانوں کو بعد ازاں جو بھی مادی ترقی اور عمرانی برتری حاصل ہوئی... ابتدا میں جب اسلام اور جاہلیت کی مڈبھیڑ ہوئی اُس وقت مسلمانوں کا دامن ترقی کے اِن دیو ہیکل اوزاروں اور تمدنی

نظم ونسق کی اِن لمبی چوڑی مہارتوں سے تقریباً خالی تھا، جبکہ اِس میدان میں فارس اور بائزنٹائن کا طوطی بولتا تھا؛ بلکہ اتنی بڑی بڑی اور اس قدر مستحکم ایمپائریں اس سے پہلے شاید ہی دنیا میں کہیں پائی گئی ہوں۔

مگر اسلام کے آگے یہ ریت کے گھروندے ثابت ہوئیں...

ان کے مقابلے پر اسلام کی یہ جیت سننِ جاریہ[2] کی رُو سے ہوئی تھی نہ کہ کسی سنتِ خارقہ کے بل پر، اگرچہ ہر دو خدائی امر اور تقدیر سے ہی رونپزیر ہوتی ہیں۔

چنانچہ یہ بات خدا کی سننِ جاریہ میں آتی ہے کہ: جب حق میدان سے غائب ہو تو باطل کا خوب غلغلہ ہو؛ پھر جب حق میدان میں آئے تو باطل میدان میں کھڑا نہ رہ سکے:

---

[2] سنتِ جاریہ اور سنتِ خارقہ سے مولف کی مراد:

سنتِ جاریہ: کائنات یا انسانی زندگی کے اندر کارفرما وہ محکم قوانین جو ہمیشہ ایک ہی انداز سے رونپزیر ہوتے ہیں اور ان کو اختیار کرکے انسان اپنے مطلوبہ نتائج پیدا کرنے میں مدد پاتا ہے۔ کامیابی وناکامی سے متعلق یہ قوانین (خدائی سنتیں) مادی حقیقتیں بھی ہوسکتی ہیں اور اخلاقی بھی۔ **مادی حوالے سے سنتِ جاریہ:** جیسے حرکت کے قوانین۔ کششِ ثقل۔ تلوار کی کاٹ۔ ڈھال کی روک۔ بہادری ومردانگی کا باعثِ فتح اور بزدلی ونامردی کا باعثِ شکست ہونا، گھوڑوں اور فوجی قوت کا جنگوں کے نتائج پر موثر ہونا (اور اسی وجہ سے قرآن میں اس قوت کو ہاتھ میں کرنے کا احکامات کا نازل ہونا) وغیرہ۔ **اخلاقی حوالے سے سنتِ جاریہ:** جیسے فواحش کا پھیلنا نئی نئی وباؤں کو لانے کا سبب ہونا۔ ناپ تول میں کمی کا خشک سالی پیدا کرنے میں موثر ہونا۔ خدائی شریعت کی رو سے فیصلے نہ کرنے سے آپس کی پھوٹ اور خانہ جنگی بر آمد ہونا، وغیرہ۔

سنتِ خارقہ: وہ خاص خدائی مداخلت جو سننِ جاریہ کو توڑ کر آتی ہے۔ سننِ خارقہ کو 'کام میں لانے' میں انسان کے ارادے، فیصلے اور منصوبہ بندی کو کوئی دخل نہیں۔ اس کی مثال معجزات اور کرامتیں۔

نبی ﷺ کی زندگی سے اس کی مثال: اسراء اور معراج کے سفر کے وقت آپ ﷺ کے لیے براق لایا جانا (سنتِ خارقہ) ہوا۔ جبکہ ہجرت اور جہاد کے سفروں میں (جو کہ زمین میں اسلام کے قیام کے لیے ایک عملی جدوجہد تھی اور جسے رہتی دنیا کے لیے ایک واجب اتباع نمونہ ہونا تھا) آپ ﷺ کا اونٹنی کے کجاوے پر سوار طویل طویل سفر کرنا اور راستے کی سب کوفت اور گرد وغبار سہنا (سنتِ جاریہ)۔ (مترجم)

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً (الاسرا 81)

اور اعلان کر دو کہ "حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے"

خدا کی سننِ جاریہ میں ہی یہ بات آتی ہے کہ: حق اور باطل ایک دوسرے کے قدم اکھاڑنے کے لیے زور لگائیں؛ جس کے نتیجے میں (اہل حق کے ثابت قدمی دکھانے کی صورت میں) زمین فساد سے پاک کر دی جائے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (البقرة 251)

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا افضل وکرم کرنے والا ہے

یہ بھی خدا کی ایک سنتِ جاریہ ہے کہ حق کو زمین کے اندر تمکین پانے کے لیے ایسے سرفروش میسر آئیں جو اس پر سچا ایمان رکھتے ہوں... یعنی حق خالی اِس حقیقت کے بل پر "کہ وہ حق ہے" جیت نہ پائے۔ بلکہ حق کے جیت پانے کے لیے (خدا کی سننِ جاریہ کی رو سے) یہ شرط ٹھہری کہ حق کو لے کر کچھ لوگ اپنی دنیا میں اٹھیں اور اس کے لیے اپنی وفا اور اپنا اخلاص ثابت کریں؛ وہ اپنے اس عقیدہ کی بنا پر ایمان کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنیں اور ان کے قلوب اِس حق کی خاطر آپس میں محبت، قربانی اور یگانگت کی اعلیٰ مثال قائم کریں:

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال 62-63)

وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔ اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے۔ مگر خدا ہی نے ان میں الفت ڈال دی۔ بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے

نیز یہ سرفروش ہر زمینی سہارے سے بے نیاز، خالص اپنے پروردگار پر توکل کریں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الانفال 64)

اے نبیؐ، تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہلِ ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے

اور یہ کہ وہ خدا کے راستے میں جہاد کریں؛ جس وقت صورتحال جہاد کی منادی کرے وہ صبر اور استقامت اختیار کرتے ہوئے، نیز اپنے اِس عمل سے محض خدا کی خوشنودی اور ثواب پانے کی نیت سے قتال کریں:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفاً مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لا يَفْقَهُونَ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفاً فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال 65-66)

اے نبیؐ، مومنوں کو جنگ پر اُبھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ اچھا، اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے، اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

<u>اور یہ بھی خدا کی سننِ جاریہ میں آتا ہے کہ</u> حق کے روپوش ہونے کی صورت میں باطل کو جو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور جو کہ کسی اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ مادی کروفر کی بنیاد پر ہوتا ہے... باطل کا یہ زور اور یہ غلبہ جہان کے اندر کوئی اصل حقیقی قدر نہیں۔ اس کے باوجود، زمین میں کچھ وقت کے لیے اس کو قوت اور تمکین دی جاتی ہے، جس کے پیچھے خدا کی کوئی بڑی حکمت کارفرما ہوتی ہے، اور یہ واقعہ بھی خدا کی کسی سنتِ جاریہ کا ہی پابند ہوتا ہے:

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام 44-45)

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو، جو انہیں کی گئی تھی، بھلا دیا تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ اُن بخششوں میں جو

انہیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا اور تعریف ہے اللہ رب العالمین کے لیے (کہ اس نے ان کی جڑ کاٹ دی)

پھر جب حق میدان میں آتا ہے، اور یقیناً حق ہی جہان کے اندر اصل حقیقی قدر ہے... جس وقت حق کے میدان میں آنے کے عوامل پورے ہوتے ہیں؛ یعنی حق کو معاشرے میں وہ سر فروش میسر آتے ہیں جو اس پر سچا ایمان رکھیں، اس کے لیے اپنی وفا اور اخلاص ثابت کریں، اس کے راستے میں کامل صبر اور استقامت کے ساتھ اور محض خدا کی خوشنودی اور ثواب پانے کی نیت سے "جہاد" کریں یعنی جاہلیت کو نیچا دکھانے اور حق کا بول بالا کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں... تب جا کر دنیا میں حق کو جیت ملتی ہے۔ **ہاں حق کی جیت کیونکہ ایک حقیقی قدر ہے اور بجائے خود حق ہے، حق چونکہ آپ اپنے اندر جیت پانے کے عوامل رکھتا ہے، حق چونکہ سچی اور حقیقی قدروں کا حامل ہے، حق پر ایمان رکھنے والے انسان کو چونکہ وہ یکسوئی، وہ شرح صدر اور وہ فدائیت نصیب ہوتی ہے جو باطل اور جھوٹ پر ایمان رکھنے والے کو کبھی نصیب نہیں ہوتی، حق کے لیے خدا نے چونکہ ازل سے سر خروئی اور بقا لکھ رکھی ہے... لہٰذا حق کو باطل کے مقابلے پر بہت تھوڑے لوگ ملیں اور مادی معنوں میں بہت کم ہتھیار حاصل ہوں تو بھی وہ خدا کے حکم سے باطل کو زیر کر لیتا ہے:**

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (الرعد 17)

جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتی ہے

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء 105)

ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے (ہی) ہوں گے

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (الصافات 171-173)

اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے۔ کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔

یہ اور اِس طرح کی دیگر خدائی سنتیں (سننِ جاریہ) جو خدائی علم کی رو سے متقاضی ہوئیں کہ اسلام دنیا کی دو سپر پاورز کے ساتھ اپنی پہلی مڈ بھیڑ میں جیت پا کر دکھائے۔ دیگر جاہلی قوتیں ان دو ایمپائرز کے علاوہ تھیں جن پر اسلام نے اللہ کے فضل سے جیت پا کر دکھائی۔ اسلام کی اس اصیل قوت کے مقابلے پر جو اِس کو جیت پانے کا حقدار بناتی تھی، اُن سب دیوہیکل ایمپائرز کے پاس جو کہ مادی قوت کے اوج پر تھیں مگر انسانی زندگی کی اعلیٰ قدروں سے سراسر خالی تھیں، کوئی ایک بھی حقیقی بنیاد نہ تھی کہ جو اسلام کے ان پر غالب آنے سے ان کا تحفظ کرے۔ تب "خدا کی بات سچ اور انصاف میں پوری ہوئی" حق چھاتا چلا گیا اور باطل 'تاریخ کا حصہ' بنتا چلا گیا...

آج بھی جب اسلام کے تحریکی عمل کا آغاز ہوا... تو جاہلیت اپنی ویسی ہی دو سپر پاورز کے ساتھ پھر میدان میں تھی۔

مادی ترقی، سائنسی برتری، ٹیکنالوجی، اسلحہ، وسائل ایسے کہ... الامان والحفیظ!

حقیقی قدروں سے البتہ یکسر خالی...

حق سے سراسر تہی دامن...

دنیا کو دینے کے لیے اس بیچاری کے پاس کیا ہے؟ ڈارون کا دریافت کردہ ایک حیوان؛ وہ مخلوق جس کو آج تک دنیا "انسان" سمجھتی آئی تھی اس کو "حیوان" ٹھہرانا، "حیوان" بنانا اور "حیوانیت" کے سب مراحل طے کرانا؟ وہ انسان جو پروردگارِ عالم کا احسان مند اور اس کی بڑائی کا معتقد تھا، جو اُس کی نعمت جان کر اِس جہان کا حظ اٹھاتا اور ایک ابدی جہان میں اِس سے بھی بڑھ کر اُس کی نعمتوں کا امیدوار تھا، ہاں کسی وقت وہ اُس کی محبت اور چاہت میں کچھ من گھڑت وسیلے اور واسطے اختیار کر بیٹھتا تھا، یوں اُس کے نام پر اُس کی کچھ مخلوق ہستیوں کی عبادت کرنے لگتا تھا... خدا کے اس بندے کو خدا کی محبت اور بندگی سے برگشتہ کرانا اور آپ اپنی

خدائی کا دعویٰ کر لینے پر اکسانا جو نہ کسی کو جوابدہ رہے اور نہ کسی کی پابند، خود مختار، خدا سے باغی اور اُس کے جھکنے سے انکاری؟

اب اس کے پاس کونسی حقیقی قدر ہے جو اسلام کے مقابلے پر ٹھہر سکے؟

عمرانی عمل سب کا سب جس وقت صرف "مشتِ خاک" کی تسکین کرتا ہو جبکہ "نفخۂ روح" کو زمین میں رولتا اور ذلیل کرتا ہو تو وہ ایک غیر حقیقی تہذیب ہوتی ہے۔ کیونکہ "مشتِ خاک" جو "نفخۂ روح" سے جدا کر دی گئی ہو ایک غیر حقیقی چیز ہے، جس کا "وجود" پر کوئی حق نہیں۔

بے شک ہم مانتے ہیں کہ اِس حق گریز تہذیب نے کچھ بڑے بڑے منفعت بخش کارنامے بھی انجام دیے ہیں۔ اِسکے بعض سائنسی کارنامے، پلاننگ، نظم و نسق، جو کہ خدا کی اِس دنیا میں جو بھی اتنی محنت کرے اسکو لازماً عطا ہوتے ہیں خواہ وہ مومن ہو اور خواہ کافر۔ تاریخ کی کوئی جاہلیت ایسی نہیں جسے اِن اشیاء سے کچھ حصہ نصیب نہ ہوا ہو:

كُلاًّ نُمِدُّ هَؤُلاءِ وَهَؤُلاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوراً (الاسراء 20)

ہم سب کو مدد دیتے ہیں اُن کو بھی اور اُن کو بھی، تمہارے رب کی عطا سے اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں۔

بے شک ہم مانتے ہیں کہ دنیا کی ہر جاہلیت کی طرح اِس جاہلیت کے پاس بھی بعض قیمتی افکار اور بعض فائدہ مند قدریں پائی جاتی ہیں؛ کیونکہ خدا نے نفس انسانی کی تخلیق ہی اس ڈھب پر فرمائی ہے کہ یہ خالص شر کی طلبگار ہو ہی نہیں سکتی خواہ یہ خالص حق سے کتنی ہی دور کیوں نہ کر دی گئی ہو؛ شر میں کچھ نہ کچھ حق کی آمیزش بہر حال ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی جاہلیت کے اندر پائے جانے والے سب کے سب انسان خالص شر کے حامل ہوں اور ان میں خیر نام کو نہ رہ گئی ہو، جس کی شہادت خود حدیثِ نبوی سے ملتی ہے کہ جاہلیت کے لوگوں میں بھی کچھ خیر ہو سکتی ہے:

خيارکم في الجاهلية خيارکم في الإسلام إذا فقهوا (صحیح مسلم)

تم میں سے جاہلیت میں جو زیادہ خیر والے ہوں گے وہی اسلام میں زیادہ خیر والے ہوں گے، اگر وہ (اسلام کی حقیقت) سمجھ لیں۔

تاہم حق اور باطل کی مڈ بھیڑ کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے یہاں کیسے کیسے مال واسباب رکھتی اور کیسے کیسے مادی کارنامے انجام دیتی نیز پلاننگ اور نظم ونسق میں کیسی کیسی مہارتیں دکھاتی اور کیسی کیسی آسائشیں مہیا کرتی ہے۔ نہ ہی یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آیا کوئی جزوی اخلاق اور جزوی اقدار اس کے دامن میں ہیں یا نہیں؟ بلکہ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ پوری کی پوری عمارت کھڑی کس بنیاد پر ہے؟ آخر اس میں کیا شک ہے کہ وہ دو عظیم جاہلیتیں (فارسی ایمپائر اور رومن ایمپائر) جو عرب سے اٹھنے والی حق آگاہ جمعیت کی پیش قدمی کے آگے ریت کا ڈھیر ثابت ہوئی تھیں، بھی اپنی زنبیل میں بہت سے قیمتی افکار اور بہت سی فائدہ مند قدریں رکھتی تھیں... مگر یہ اشیاء ان کے اسلام کی یلغار کے آگے ڈھ جانے میں مانع نہ ہوئیں۔ کیونکہ اسلام مطلق خیر، مطلق اخلاق اور مطلق اقدار کی بنیاد پر کھڑا تھا جو کہ انسانی وجود کی حقیقی غایت کو پورا کرانے کے لیے برپا ہوا تھا، اور جو کہ "اللہ لاشریک کی عبادت" کی صورت میں اپنا ظہور کراتا ہے، جبکہ "عبادت" بھی اُس وسیع معنٰی میں جس سے زندگی کی کوئی ایک بھی سرگرمی چھوٹی ہوئی نہ ہو۔ اِس "اسلام" کے پاس اُن جاہلیتوں کے مقابلے پر بے شک لوگ تھوڑے تھے، ہتھیار کمتر تھے، مادی کارنامے نہ ہونے کے برابر تھے، مگر زمین کی جانشینی پر اپنا حق ثابت کرنے میں "اسلام" کے مقابلے پر کسی میں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

یہ ایک سنتِ جاریہ تھی۔[3] جس کا مطلب ہے کہ جب بھی اس کے عوامل اور عناصر کہیں پر پائے جائیں، خدا کے حکم اور تقدیر سے یہ پھر اپنا اعادہ کر سکتی ہے، اور جاہلیت کے ساتھ مڈ بھیڑ میں عین ویسے ہی یا اس سے ملتے جلتے نتائج پھر دے سکتی ہے...

جہاں تک جاہلیت کا تعلق ہے تو آج بھی "اسلام" سے مات کھانے کے وہ سب عوامل اور وہ سب عناصر اُدھر پوری طرح موجود ہیں: ایک دیو ہیکل مادی قوت مگر قدروں، اصولی بنیادوں اور اخلاق میں ویسی کی ویسی دیوالیہ...

---

[3] "سنتِ جاریہ" اور "سنتِ خارقہ" کی وضاحت پیچھے حاشیہ 2 میں گزر چکی (مترجم)

خدا کی یہی سنتِ جاریہ – جو کہ یقیناً جب بھی ظہور کرے خدا کی منشا اور تقدیر سے ہی اپنا ظہور کرے گی – آج تقاضا کرتی ہے کہ مسلمان اُن شروط کو کسی طرح پورا کر لیں جو جاہلیت کے ساتھ مڈبھیڑ کے لیے خدائی میزان میں درکار ہوتی ہیں، جیسا کہ اول دور کے مسلمانوں نے تعداد اور اسباب میں بہت کم ہونے کے باوجود ان شروط کو پورا کرنے کا بندوبست کر لیا تھا... یہاں سے؛ تاریخ کا دھارا ایک بار پھر بدل سکتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے بدلا تھا۔

بلاشبہ کئی ایک شرعی نصوص ایسے کسی واقعے کی پیش گوئی بھی کرتی ہیں... تاہم "بیداری" کے اس ہراول پر واجب ہو گا کہ وہ جاہلیت سے مڈبھیڑ کی اِن شروط سے ہی سب سے بڑھ کر آگاہی پائے... کیونکہ:

اِس بار بھی... مسلمانوں کے بس میں نہ ہو گا کہ وہ معاصر جاہلیت کو اُس کے اپنے میدان کے اندر مات دے کر آئیں۔ ایسا بہرحال نہیں ہونے والا کہ مسلمان فی الوقت سائنس، ٹیکنالوجی اور شہری انتظام و انصرام کے میدانوں کے اندر اِس جاہلیت کے چاروں شانے چت کر آئیں گے! لیکن اِن مسلمانوں کے پاس ایسی ایک چیز یقیناً ہے جو اس جاہلیت کے پاس نہ آج ہے نہ کل ہو گی اور نہ آئندہ کسی وقت ہو سکتی ہے۔ اِن کے پاس وہ خالص صحیح عقیدہ ہے، وہ سرچشمۂ حیات اور وہ کامل، شامل، متوازن، مربوط منہجِ حیات ہے جو خدائے علیم و خبیر کا نازل کردہ ہے اور جو زمین کو فلاح سے شاداب کرنے اور زندگی کو کامیابی اور سرخروئی سے ہمکنار کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

جب بھی مسلمان اس خالص صحیح عقیدہ کو اپنے وجود میں متحقق کرتے اور اپنے ماحول کا جیتا جاگتا واقعہ بناتے ہیں، یہ سنتِ جاریہ خدا کے حکم سے لازماً ظہور کرتی ہے، اسلام کو جاہلیت کے مقابلے پر تمکنت ملتی ہے... اور تاریخ کا دھارا اپنا رخ بدل لیتا ہے۔

مگر یہ ضروری ہے کہ اِس عقیدہ کو اپنا وہی اجلا پن نصیب ہو، وہی تابناکی اور وہی حسن میسر ہو۔ تاکہ زمین میں یہ ویسی ہی حسین تبدیلیاں برپا کرے اور وجودِ انسانی میں ویسے ہی سحر انگیز پھول کھلائے، جن کے لیے "انسان" کی جمالیاتی حس اپنے اندر ویسی ہی وارفتگی پائے جو پہلی

بار اِس دین کے لیے انسانی معاشروں کے اندر محسوس کی گئی یہاں تک کہ وہ پروانوں کی طرح اس پر فدا ہونے لگے۔

پھر جبکہ اِس دین کی خوبی تو یہ ہے کہ اِس پہ آکر جہاں آدمی کو راحتِ ابدی کا سراغ ملتا ہے، جہاں ایک سچے، مہربان، یکتا، قادرِ مطلق خدا سے لو لگتی ہے جو اپنی کامل و مفصل شریعت کی راہ سے انسان پر اپنی حکمت اور مقصدیت کے راز منکشف کرتا ہے، اور "عبادت" کے ایک جامع، آسان اور منفرد تصور کے ذریعے انسان کو اپنے یہاں باریاب کرتا ہے... وہاں آدمی دنیا کی راحت، ترقی، زینت، حسن وجمال، تعمیرِ ارض، جہانگیری وجہانبانی سے بھی محروم نہیں ہوتا۔ "دنیا" کی اِن سب اشیاء کو یہ دین ایک محکم ایمانی بنیاد پر استوار ضرور کرتا ہے، ان سب اشیاء کو اعلیٰ اقدار اور اخلاق سے مشرف ضرور کرتا ہے، "مٹی" کو نری مٹی نہیں رہنے دیتا بلکہ اس کو ایک "روح" سے شاداب ضرور کرتا ہے، یوں یہاں کے سب امورِ حیات کو "انسان کے لائق" ضرور بناتا ہے اور اس کو "حیوان" کے درجے سے بلند ضرور کرتا ہے... مگر یہاں نہ انسان "آخرت" سے درماندہ رہتا ہے اور نہ "دنیا" سے محروم کیا جاتا ہے؛ اور نہ اِن دو جہان میں دوئی باقی رہتی ہے، "خدائے واحد" کی عبادت اِن ہر دو کو ایک ہی لڑی میں پرو دیتی ہے!

*****

یہ وہ وجہ ہے کہ اسلامی بیداری کے داعیوں پر ہم اس قدر زور دیتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کا قرارِ واقعی اندازہ کریں، اِس کو وہ اہمیت دیں جو اِس کا حق ہے، اور اس کو روبہ عمل لانے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کردیں...

یہ ایک سنجیدہ ترین مسئلہ ہے... نیز یہ ایک نہایت سنگین معاملہ ہے۔

اسلامی بیداری... اس امت کو اس کے دین پر واپس لانا اور اپنی اصل بنیاد پر ازسرنو کھڑا کرنا... کوئی تفریحی سفر نہیں ہے۔ نہ ہی یہ کسی فرد یا جماعت کا 'ذاتی مسئلہ' ہے جو خاص اس کی مرضی اور مزاج پر موقوف ہو...

یہ پوری کی پوری امت کا مسئلہ ہے... بلکہ یہ پوری انسانیت کا معاملہ ہے، جسے خدا کی چوکھٹ پر واپس لایا جانا ہے...

''انسان'' آج جس غلیظ کیچڑ کے اندر لت پت ہے... اور جس کے اندر ''مسلمان'' کو بھی دھکیل دھکیل کر لے جایا جا رہا ہے، ''مسلمان'' کو غلاظت کے اس جوہڑ میں پھینک آنے کے لیے دشمنانِ اسلام کی سب قوتیں، سب ادارے اور سب ذرائع جس بے دریغ انداز سے جھونک ڈالے گئے ہیں؛ کیونکہ آج وہ اِس تاریخی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جب ''مسلمان'' کی وہ قسم دریافت ہو چکی ہے جو ''اسلام'' سے ناآشنا ہے اور نرے ''خس و خاشاک'' کا نقشہ پیش کرنے لگی ہے... آج ''مسلمان'' کو اِس ذلت اور اِس ہلاکت سے بازیاب کرانے کا مسئلہ ہے۔

اِس سے بڑھ کر سنجیدہ مسئلہ بھلا کیا ہو سکتا ہے؟ اِس عظیم مقصد کے لیے چند انفرادی محنتیں؟! چند جز وقتی کوششیں؟! حاشیائی عمل؟! چند بکھری کوششیں؟! 'اپنی اپنی حیثیت میں' انجام دیے گئے چند اِکا دُکا کام اور منصوبے؟! وہ مسئلہ جس سے پوری انسانیت کی رہائی وابستہ ہے، اس کے لیے کیا یہ چند غیر منظم کوششیں کافی ہیں؟!

کیا محض ایک ذاتی معنیٰ میں ''اسلام پر عمل پیرا ہو لینا'' اِس چیلنج پر پورا اترنے کیلئے کافی ہے؟! یہ تو پوری توانائی صرف کر دینے کا مسئلہ ہے۔ یہ تو ''چوٹی'' پر پہنچ جانے کے لیے زور لگا دینے کی بات ہے۔ اُس چوٹی کو ہاتھ لگا آنے کا ہدف... جس پر عہد اول کے مسلم قافلے فروکش ہوئے تھے؛ جب اسلام کی منفرد قدریں اور ان قدروں پر مسلمانوں کا اُس منفرد انداز میں پورا اترنا... مادی اسباب میں مسلمانوں اور ان کے حریف کے مابین پائے جانے والے اُس حیرت انگیز فرق کی تلافی کرتا تھا۔ جب ''قوت'' کا وہ حقیقی راز پا کر جو صرف اسلام ہی نے ان کو منکشف کر کے دیا تھا، عرب کے شتربان طاقت اور تمدن کے وہ سب عظیم الشان گڑھ فتح کرنے لگے تھے۔

*****

"بیداری" کے اِن داعیوں کا فرض ہے کہ ہر ہر اسلامی ملک میں یہ ایک اعلیٰ ترین معیار کی حامل "بنیادی جمعیت" کھڑی کریں، اور پھر عوام الناس کو اسکے گرد اکٹھا کریں...

یہاں ہم ''تربیت'' کا وہ منہج بیان نہیں کر رہے جو اِس ''بنیادی جمعیت'' کی تیاری میں درکار ہے، نہ ہی یہاں ہم ''دعوت'' کا منہج[4] بیان کر رہے ہیں جس پر عوام الناس کو اکٹھا کیا جانا ہے۔ تاہم یہاں ہم ایک بنیادی امر کی جانب اشارہ کرتے چلیں گے جو کہ ''بنیادی جمعیت کی تیاری'' کے اندر بھی مطلوب ہے اور ''عوام الناس'' کو دین پر لاتے وقت بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے:

سب سے پہلے لوگوں کے ہاں ''اسلام کے بنیادی مفہومات'' درست کیجئے۔

آپ خود سوچئے ''اسلام کے بنیادی مفہومات'' ہی درست نہ ہوں تو دین پر کونسی محنت؟ اور کونسی جدوجہد؟ کونسی بنیادی جمعیت؟ اور کونسی دعوت؟!

1. آخر وہ کونسی بنیادی جمعیت ہوگی جو اِس پوری امت کو اٹھانے اور پوری انسانیت کو پار لگانے کا بیڑہ اٹھائے گی... جبکہ اُس کی اپنی اٹھان سب کی سب ارجائی فکر پر ہو... جس کا کہنا ہے کہ ایمان محض دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کر دینے کا نام ہے؟! جو کہتی ہے کہ ''عمل'' نام کی چیز ''ایمان'' کی تعریف میں ہی داخل نہیں؟! جس کے ہاں ٹیپ کا مصرع یہ ہے کہ جس شخص نے زبان سے ایک بار لا الہٰ الا اللہ بول دیا بس وہ مومن ہے خواہ وہ اپنی پوری زندگی میں اسلام کے اعمال میں سے کوئی ایک بھی عمل نہ کرے؟!

2. آخر وہ کونسی بنیادی جمعیت ہوگی جس کے ہاتھوں نہ صرف امت بلکہ پوری انسانیت پار لگ جائے گی... جبکہ اس کے اپنے ہاں عبادت چند شعائرِ تعبد کے اندر محصور ہو اور وہ ''امورِ زندگی'' کو عبادت کے دائرہ میں شامل ٹھہرانے کی روادار نہ ہو؟! جس کے ہاں ''اخلاق''، ''رویہ'' اور ''سلوک'' نامی اشیاء ''عبادت'' میں آتی ہی نہ ہوں؟! جس کی زندگی میں کوئی گھڑی خدا کی ہو تو کوئی گھڑی اس کی اپنی، نہ کہ پوری زندگی اور زندگی کی ایک

---

[4] مطالعہ فرمایئے مولف کی کتاب ''كيف ندعو الناس'' کا (اردو استفادہ بہ عنوان: ''دعوت کا منہج کیا ہو؟'')

ایک ساعت خدا کی اور خدا کے مقرر کردہ دستور کی پابند؟! اس کے نتیجے میں... لوگ اپنی جس گھڑی کو خدا کے نام کریں گے وہ تو کچھ 'مذہبی اعمال' اور 'روحانی ریاضت' میں گزرے گی، گویہ 'مذہبی اعمال' اور 'روحانی ریاضت' بھی ان کی زندگی کے سماجی، سیاسی و معاشی پہلوؤں پر کوئی تاثیر نہ رکھے گی، جبکہ جس گھڑی کو 'اپنے لیے' رکھیں گے وہ حرام تفریح اور لہو اور لغویات کے اندر گزرے گی؟!... اور یہ ہوگا یہاں کا 'مذہب' پر کاربند ہونے کا تصور!

3. آخر وہ کونسی "بنی نوع انسان کی نجات دہندہ" جمعیت ہوگی جس کے ہاں عقیدۂ قضاء وقدر نری ایک سلبیت، نامردی، کاہلی، اسباب سے جی چرانے اور اپنی سب نالائقیوں کو 'خدا کی مشیئت' کے کھاتے میں ڈال آنے اور 'توکل' کے نام پر اپنی سب ذمہ داریوں کو "خدا پر چھوڑ دینے" سے عبارت ہو؟!

4. بنی نوع انسان کی اِس ڈولتی کشتی کی کھیون ہار وہ کونسی جمعیت ہو سکتی ہے جو دنیا اور آخرت کو دو متصادم خط مانتی ہو؟! جس کے نزدیک آخرت کو پانے کے لیے دنیا سے دستبردار ہونا ضروری ہو اور دنیا کو پانے سے آخرت کا چلا جانا یقینی... اور یوں وہ "آخرت" کی محنت کے لیے "دنیا" سے نکل آنا اور دنیا کا سب کچھ یہاں کے فاسقوں فاجروں اور مفسدوں کو سونپ آنا ضروری جانتی ہو؟! (عملاً کیا ہمارا 'مذہبی' طبقہ اور ہمارے اکثر 'خدا رسیدہ' لوگ ایسے ہی نہیں؟)

5. عالم انسانیت کو فلاح کی راہ پر ڈالنے والی وہ کونسی جمعیت ہو سکتی ہے جو آسمانی نقشے پر "تعمیر ارض" کو غیر مطلوب اور غیر ضروری جانتی ہو؟! اور "زمین میں انسان کی جانشینی" کی صحیح صورت اس کے نزدیک زمینی عمل سے پسپائی اور دستبرداری ہو نہ کہ خدائی عدل و انصاف پر قائم ایک سرگرم و شاداب عمرانی عمل؟!

ایسی ایک جمعیت، جس کے ہاں اسلام کے کچھ بنیادی ترین تصورات اس قدر منحرف اور ماؤف ہوں... ایسی ایک جمعیت جاہلیت کے ساتھ مڈبھیڑ کیا کرے گی؟ اور مڈبھیڑ بھی وہ جس

کی مثال بڑی صدیوں سے نہیں ملتی! اسلام کے حسن و جمال سے متعلق کونسی چیز ہے جو اس کے وجود سے پھوٹتی اور خلقِ خدا کو اسلام پر فریفتہ کرتی ہو گی؟!

یہی معاملہ عوام الناس کو اسلام پر لانے والے محاذ کا ہے۔ کیونکہ... ایک بنیادی جمعیت کے قیام و استحکام کے بعد عام معاشرے کو اس کے گرداگرد اکٹھا کرنا ناگزیر ہے تاکہ "مسلم عوام" یا "مسلم اسٹریٹ" اس اسلامی ہراول کا دست و بازو بنے نہ کہ اس کی پیٹھ کا بوجھ... یا اس کے پاؤں کی زنجیر۔

عوام کے ہاں پائے جانے والے غلط مفہومات کی تصحیح اگر آپ کی محنت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا محور نہیں... تو "دعوت" آپ کس چیز کو کہتے ہیں؟! یہ نہیں... تو "دعوت" کے زیر عنوان ویسے آپ کونسی سرگرمی انجام دیتے ہیں؟!

مرجئہ کی بنیاد اختیار کرتے ہوئے... اگر ہم نے عوام کو یہی پڑھانا ہے کہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے، اور یہ کہ "عمل" نام کی چیز ایمان کی تعریف میں ہی داخل نہیں، اور یہ کہ جس نے زبان سے ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا بس وہ مومن ہے چاہے ساری زندگی اسلام کے اعمال میں سے وہ کوئی ایک بھی عمل کرنے کا روادار نہ ہو... تو ان کو "دعوت" ہم کس چیز کی دے رہے ہیں؟!

"دعوت" اگر یہی ہے پھر تو کیا عین اُنہی اسباب کو ہم ان کے اندر پختہ نہ کر آئیں گے جن کے ہاتھوں ان کو یہ برے دن دیکھنے پڑے؟ اور جن کے نتیجے میں ہماری یہ صحرانوردی اور یہ زیاں کاری ایک طویل عرصے سے ہو رہی ہے؟... اور جس کے سبب ہمارے یہ مسلم معاشرے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر 'خس و خاشاک' کا نقشہ پیش کرنے لگے ہیں؟! وہ سب شرکِ اعتقاد جو اولیاء و صالحین کی قبروں کی عبادت کی صورت میں انجام پا رہا ہے، اور وہ سب شرکِ اتباع جو غیر ما انزل اللہ کے اتباع اور انسانوں کو تشریع کے درجے پر فائز کر دینے کی صورت انجام پا رہا ہے اور جو کہ دراصل ان کو خدائی کے مرتبے پر فائز کر دینا ہے... ہماری یہ "دعوت" کیا ان سب دیرینہ امراض کو ان کے ہاں پختہ کرا دینے کا سبب نہ ہو گی؟!

"دعوت" تو درحقیقت اِس ناگفتہ بہ صورت کو "تبدیل" کر دینے کی ایک کوشش ہے نہ کہ اس کو تھپکیاں اور لوریاں دینے کا کوئی میٹھا راحت افروز نسخہ !

*****

پس "مفہومات" کو درست کرنا آج ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔

جس وقت مخلص سرفروشوں کی ایک معقول جمعیت میدان میں اترتی ہے، جو کہ دین سے متعلق اپنے ان "بنیادی تصورات" پر ڈھیروں محنت کر چکی ہو... جس وقت یہ مسلم جمعیت ایک ٹھوس اور مربوط شکل اختیار کر لیتی ہے... پھر جس وقت مومن عامۃ الناس اس سیسہ پلائی جمعیت کے گرداگرد اکٹھے ہونے لگتے ہیں اور اپنے گردوپیش میں اپنے ایمان اور اسلام کی شہادت دینے پر دلجمعی اور یکسوئی پالیتے ہیں... تو وہ خدائی و نبوی وعدہ روپزیر ہونے لگتا ہے جو ہمیں ان الفاظ کے اندر بیان کر کے دیا گیا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ (النور55)

> اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں

تكون النبوة فيكم ما شاء الله أن تكون ، ثم يرفعها الله إذا شاء أن يرفعها . ثم تكون خلافة على منهاج النبوة ، فتكون ما شاء الله أن تكون ، ثم يرفعها الله إن شاء أن يرفعها ، ثم تكون ملكا عاضا فتكون ما شاء الله أن تكون ، ثم يرفعها إذا شاء الله أن يرفعها ، ثم تكون ملكا جبريا فتكون ما شاء الله أن تكون ، ثم يرفعها الله إذا شاء أن يرفعها ، **ثم تكون خلافة على منهاج النبوة** (رواه الامام أحمد عن حذیفۃ بن الیمان)

تمہارے مابین نبوت رہے گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر وہ اسے اٹھالے گا۔ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر چمٹ رہنے والی بادشاہت ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر جبری بادشاہت ہو گی جب تک اللہ اسے رکھنا چاہے پھر اللہ اسے اٹھالے گا۔ پھر خلافت علی منہاج النبوہ ہو گی۔

اور یہاں سے کرۂ ارض کا نقشہ بدلنے لگتا ہے...

ایک نیا اسلامی دور دنیا میں پھر عود کر آتا ہے۔ انسانیت ظلمات سے چھٹکارا پا کر نور میں آتی ہے، بندوں کی عبادت سے نکل کر بندوں کے رب کی عبادت میں، دنیا کی تنگی سے نکل کر آخرت کی وسعت اور فراخی میں پناہ پاتی ہے...

وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (الروم 4-5)

اور وہ دن وہ ہو گا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے، اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔

*****

جوابات تلاش کیجئے

برائے اعادہ / امتحانی جائزہ / سٹڈی سرکل

149. ہماری حالیہ صحوۃ (اسلامی بیداری) کی تعریف محمد قطب کے الفاظ میں: "خس و خاشاک" کی حالت سے "خیر امۃ" کی حالت پر واپس جانے کا سفر ہے۔ اس سے آپ کے ذہن میں احیاء، اصلاح اور تجدید کا کیا نقشہ سامنے آتے ہیں۔

150. محمد قطب کی نظر میں مطلوبہ اسلامی احیاء کو یہاں بدترین نامساعد حالات کی توقع رکھنی چاہئے۔ اس کا مقابلہ کسی مقامی نہیں بلکہ عالمی جاہلیت سے ہے جو ایک بار گرے ہوئے مسلمان کو اٹھ کھڑے ہونے کا کوئی موقع دینا نہیں چاہتی۔ اس صورتحال کا تقاضا ہے کہ یہاں ایک غیر معمولی عزم اور صلاحیت کی حامل جمعیت اٹھے اور خطرات میں کود کر امت کو اس کی پیش قدمی کے لیے راستہ بنا کر دے۔ اس اسلامی ہراول کو محمد قطب کے اہم اہم مشورے کیا ہیں؟

151. اِس اسلامی ہراول کو اس جنگ کی حقیقت اور نوعیت (بقیہ امت کی نسبت) ایک خاص سطح پر جاکر سمجھنی ہے اور وہ یہ کہ صاف صاف یہ "ایمان" اور "ارتداد" کی جنگ ہے؛ اس کے بغیر یہ جنگ لڑی ہی نہیں جاسکتی۔ عالم اسلام کو درپیش اس معرکہ کی یہ خاص جہت کیا ہے؟

152. "وحشی درندہ ہماری ایک ایک جماعت کو بقیہ امت سے تنہا کرکے چیر تا پھاڑ تا ہے"۔ اس کو "امت کا معرکہ" بنانے کے لیے محمد قطب کیا تجویز کرتے ہیں؟

153. "بیداری کے مشعل برداروں" کو محمد قطب تین خصوصی اسباق دیتے ہیں۔ ان تین نکات کو اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

154. معاصر جاہلیت کی "کمزور" جگہیں محمد قطب کی نظر میں کون کونسی ہیں جہاں ضرب لگانے سے وہ بہت جلد موت پاسکتی ہے اور اس کا بھاری بھرکم جثہ اس کے لیے دردِ سر بن سکتا ہے؟ اس کے مقابلے پر ہماری اصل قوت کہاں پر پوشیدہ ہے؟

155. جو چیلنج امت کو آج درپیش ہے، ابتدائے امت کے بعد سے لے کر آج تک پیش نہیں آیا۔ اس کے مقابلے پر محمد قطب کی نظر میں 'کچھ اکادکا کوششیں'، 'غیر منظم عمل'، 'ذاتی معنیٰ میں اسلام پر عمل پیرا ہولینا'، 'جزوقتی کاوشیں' نری مضحکہ خیز ہیں اور درحقیقت اس چیلنج کو نہ سمجھنے کی دلیل ہیں۔ محمد قطب کے بیان کردہ اس مقدمہ سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟

156. ہر ہر اسلامی ملک میں "بنیادی جمعیت" کھڑی کرنے کا پہلا زینہ محمد قطب کی نظر میں کیا ہے؟